

نوائے غزوہ ہند

اکتوبر نومبر ۲۰۲۲ء

ربیع الاول و ربیع الثانی ۱۴۴۴ھ

بانی مدیر: حافظ طیب نواز شہید رحمہ اللہ

محکم



سلام اس پر کہ جس نے زندگی کا راز سمجھایا
سلام اس پر کہ جو خود بدر کے میدان میں آیا

سلام اس پر کہ جس کا نام لے کر اس کے شیدائی
الٹ دیتے ہیں تختِ قیصریت، اوجِ دارائی

سلام اس ذات پر کہ جس کے یہ پریشاں حال دیوانے
سنا سکتے ہیں اب بھی خالد و حمیدؓ کے افسانے

سلام اس پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں
بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سر فروشی کے فسانے میں

سلطان محمد فاتح کی اپنے بیٹے کے نام وصیت



گو میں اب اس دنیا سے جا رہا ہوں لیکن اس کا مجھے کوئی افسوس نہیں کیونکہ میں تم جیسا جانشین چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ بیٹا! عادل، نیک اور رحم دل بن جا۔ بغیر کسی فرق کے رعایا پر اپنی حمایت (کا دامن) پھیلا دے۔ دین اسلام کی ترویج کے لیے سرگرم عمل ہو جا اور زمین پر بادشاہی کرنے والوں پر یہ چیز فرض ہے۔ دینی امور کی انجام دہی کو ہر چیز پر مقدم رکھ۔ اس پر مداومت کے سلسلہ میں مت سستی کر۔ ایسے لوگوں کی خدمات حاصل نہ کر جو دینی امور میں دلچسپی نہیں لیتے، گناہوں سے اجتناب نہیں کرتے اور فحاشی میں منہمک رہتے ہیں۔ فساد انگیز نئے کام سے الگ رہ اور ان لوگوں سے دور رہ جو تجھے اس کام پر ابھاریں۔ جہاد کر کے اپنے ملک کی حدود کو وسیع کر۔ بیت المال کی رقم کو بکھرنے سے بچا۔ اس بات سے بچ کہ تیرا ہاتھ اپنی رعایا کے کسی شخص کے مال کی طرف بڑھے مگر جس کا حق اسلام نے دیا ہے۔ ضرورت مندوں کو ان کی خوراک کی ضمانت فراہم کر اور مستحقین کی عزت کر۔

چونکہ علم سلطنت کے اندر جسم میں روح کی حیثیت رکھتے ہیں اس لیے ان کی تعظیم کر اور ان کی حوصلہ افزائی کر۔ جب ان میں سے کسی کے بارے میں سنے کہ کسی دوسرے شہر میں ہے تو اسے اپنے پاس لے آ..... اور اس کی عزت افزائی کر۔ خبردار! خبردار! تجھے دولت اور لشکر دھوکہ میں مبتلا نہ کریں۔ اہل شریعت کو اپنے دروازے سے دور کرنے سے بچ۔ ایسے کام سے اجتناب کر جس سے شرعی احکام کی مخالفت لازم آتی ہو۔ دین ہمارا مقصود ہے اور ہدایت ہمارا طریقہ کار ہے اسی سے ہمیں کامیابی نصیب ہوئی ہے۔

مجھ سے نصیحت حاصل کر۔ میں اس ملک میں آیا تو یہ ایک چھوٹی چھوٹی کی مانند تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ بڑی بڑی نعمتیں عطا فرمائیں۔ میرے مسلک پر کاربند ہو۔ میری پیروی کر اس دین کی عزت افزائی کے لیے کام کر۔ مسلمانوں کی عزت و توقیر کے لیے کوشاں ہو۔ ملکی خزانے کو عیش و عشرت اور لہو لعب میں نہ اڑا دے۔ ضرورت سے زیادہ خرچ نہ کر۔ کیونکہ یہی چیز ملکی دولت کی بربادی کا سب سے بڑا سبب ہے۔

(بحوالہ سلطنت عثمانیہ از شیخ محمد صلابی)

غزوة ہند

جلد نمبر: ۱۵، شمارہ نمبر: ۶

اکتوبر نومبر ۲۰۲۲ء

ربیع الاول و ربیع الثانی ۱۴۴۴ھ

بِسْمِ اللّٰهِ... مسلسل اشاعت کلپندر ہوا ۱۵ سال!



تجاویز، تبصروں اور تحریروں کے لیے اس برقی پتے (Email) پر رابطہ کیجیے: editor@nghmag.com

www.nawaighazwaehind.co
www.nawai.io/Twitter
www.nawai.io/Channel
www.nawai.io/Bot
www.nawai.io/ChirpWire

قیمت: اس جگہ کی قیمت آپ کی دعا.....
اور اس دعوت کو فی اللہ آگے پھیلاتا ہے!



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”میرے ساتھ شدید ترین محبت رکھنے والے میرے کچھ امتی ایسے ہوں گے جو میرے بعد آئیں گے۔ ان میں سے ایک ایک کی یہ تمنا ہوگی کہ اپنا سب اہل و مال دے کر بھی اس کو مجھے ایک نظر دیکھ لینا نصیب ہو جائے!“

(صحیح مسلم)

اس شمارے میں

اداریہ	5	الخطیر! آئین پیغمبر سے سو بار الخطیر!
ترکیہ و احسان	12	استغفار کے ثمرات
قیامت کی نشانیاں [الآخرۃ]	15	أشراط الساعة
حلقہ مجاہد	23	امیر المؤمنین کی ہدایات
مجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟	25	نشریات
سیلاب زدگان کی امداد ضرورت، فضیلت و درخواست	28	مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب کی وفات
ذکر حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!	30	کامیابی کا واحد، کھلا اور سیدھا راستہ
’بزدہ شریف‘ اور جہاد!!	31	آخری نبی کے دربار میں (صلی اللہ علیہ وسلم)
امتی کون؟!	35	محبوب کا حلیہ مبارک [صلی اللہ علیہ وسلم]
فکر و منہج	47	برصغیر کے حکمرانوں کے خلاف لڑنا کیوں واجب ہے
خوارج..... آستین کے سانپ!	51	خوارج کو پیچھا نیے!!!
جمہوریت..... عصر حاضر کا صنم اکبر!	52	جمہوری عدالتیں اور شریعت کے مطابق فیصلے نہ کرنا
انکار شاعر اسلام علامہ محمد اقبال	55	جاوید کے نام
علاوہ دیگر مستقل سلسلے.....	62	
عالمی منظر نامہ	66	
قوموں کے لیے موت ہے مرکز سے جدائی!	74	
قطر، فیفا ورلڈ کپ اور خدمت اسلام	77	
نوائے امارت اسلامیہ..... الحکم للہ! الملک للہ!	80	
شیخ اسامہ بن لادن، امریکی دباؤ اور ملا عمر کا عزم مصمم	84	
پاکستان کا مقدر..... شریعت اسلامی کا نفاذ!	86	
بے حس!	88	
کوئی پرساں نہیں غموں	93	
حاجی شریعت اللہ کی سرزمین بنگال سے	94	
احیائے اسلام کی ایک ہمہ گیر تحریک	96	
..... ہند سے سارا میرا!	98	
لچنگ، ریپ اور قتل یعنی ’تمغہ ہائے امتیاز‘	100	
مسلم برما	103	
روہنگیا کا جہاد	111	
میدان کارزار سے.....		
ماما کو تہ بکھرازی؟		
جن سے وعدہ ہے مرکز بھی جو نہ میری!		
تین شہید		
آپ کے سوالات		
(کشیمیں) کون سی تنظیم حق پر ہے؟!		
ناول و افسانے		
سلطانی جمہور		
وغیرہ وغیرہ		
سوشل میڈیا کی دنیا سے		

اعلانات از ادارہ:

- مجلہ ’نوائے غزوہ ہند‘ میں شائع ہونے والے ’مستعار مضامین‘ (بشمول سوشل میڈیا پوسٹس، سٹیشنس، ٹویٹس) مجلے کی ادارتی پالیسی کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں اور ان مضامین وغیرہ میں موجود تمام خیالات اور ان کے مصنفین کے تمام افکار و آراء سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

’غزوہ ہند‘ تمام اہل ایمان کا قضیہ ہے اور اس ’غزوے‘ کی حمایت و نصرت تمام اہل ایمان بالخصوص برصغیر میں بسنے والے ایمان کا فریضہ ہے۔ ’غزوہ ہند‘ کی دعوت کو پھیلانے اور مضبوط کرنے کی ایک کوشش کا نام ’نوائے غزوہ ہند‘ ہے۔

نوائے غزوہ ہند:

♦ اعلیٰ کلمۃ اللہ کے لیے کفر سے معرکہ آرا مجاہدین فی سبیل اللہ کا موقف مخلصین اور مجتہدین مجاہدین تک پہنچاتا ہے۔

♦ برصغیر، افغانستان اور ساری دنیا کے جہاد کی تفصیلات، خبریں اور محاذوں کی صورت حال آپ تک پہنچانے کی کوشش ہے۔

♦ امریکہ، بھارت، اسرائیل اور اس کے حواریوں کے منصوبوں کو طشت از بام کرنے، اُن کی شکست کے احوال بیان کرنے اور اُن کی سازشوں کو بے نقاب کرنے کی ایک سعی ہے۔

اس لیے..... اسے بہتر سے بہترین بنانے اور دوسروں تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیجیے!

editor@ngmag.com



الحذر! آئین پیغمبرؐ سے سوبار الحذر!

دنیا

اپنے قیام سے تاقیامت، معرکہ کارزار ہے۔ حق و باطل کا معرکہ یہاں مخلوق کے پہلے سانس کے ساتھ شروع ہوا تھا اور یہ جائے آزمائش اس وقت تک اس معرکہ خیر و شر کا میدان بنی رہے گی، جب تک صورِ اسرافیل پھونک نہیں دیا جاتا۔ اس جائے امتحان میں ایک طرف رحمان کی بندگی کا اختیار ہے تو دوسری طرف شیطان کی بندگی کا۔ ایک طرف رحمان کی رضا و جنت ہے اور دوسری طرف ابلیس کی پرستش کی صورت میں رحمان کی سزا اور جہنم۔ ’الرحمن‘ نے اپنی رضا کو اپنے حبیب کی اتباع سے جوڑ دیا ہے، قربان جائے حبیبِ کبریا پر، اس محبوب پر درود و سلام پڑھ کر اپنی دنیا و آخرت سنواریے۔ بلکہ ’الرحمن‘ کی رضا پائیے، اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علیٰ ابراہیم وعلی آل ابراہیم انک حمیدٌ مجید!

کائنات کا ہر ذرہ، اس معرکہ میں شریک ہے۔ ریگ کے بے جان ذرات بھی اور دنیا کی جدید دور بینوں سے نظر آنے والے ہزاروں نوری سال بعید ’حقائق‘ بلکہ ان سے بھی بعید تر جو کچھ بھی اس کون و زمان میں ہے، اس معرکہ میں شریک ہیں۔ بظاہر بے جان چیزوں میں البتہ مکلفیت کی تکلیف نہیں، وہ تو ذاتِ باری کی اطاعت میں مگن ہیں اور جب ذاتِ باری ان کو حکم دیتی ہے تو وہ حضور سرورِ عالم (علیہ آلف صلاۃ و سلام) کے راستے میں پڑا بے زبان و لاشعور پتھر ہونے کے باوجود ’السلام علیک یا رسول اللہ‘ کہہ کر توحید و رسالت کا اقرار کر کے اشرف المخلوقات پر حجت کا اتمام کرتا ہے۔ امتحان تو ہم جیسی مخلوق کا ہے، جسے شعور سے نوازا گیا ہے۔ بظاہر اللہ کو ماننے والے تو بہت سے ہیں، لیکن اللہ کے پیغمبر و محبوب کو ماننے والے بہت نہیں ہیں۔ عیسائی بھی پندرہ صدیاں قبل کسی کے منتظر تھے اور یہود بھی، بلکہ یہود نے ’المستظر‘ کا ایسا انتظار کیا تھا کہ ان کی دیکھا دیکھی مشرکین بھی کسی کے منتظر ہو گئے تھے۔ وہ ذات جس کا انتظار تھا، حضرت خلیل اللہ (علیہ الصلاۃ و السلام) کی دعا سے، باذن اللہ ان کے بیٹے حضرت ذبیح اللہ (علیہ الصلاۃ و السلام) کی نسل میں پیدا ہوئی۔ پھر یہ ذات حق و باطل کا پیمانہ بن گئی۔ جو محمدؐ کا، اس کے لوح و قلم اور جو محمدؐ کا باغی، اس کا دشمن خدائے بزرگ و برتر (صلی اللہ علیٰ نبینا محمد)۔ پس اب نقطہ نزاع، ذاتِ محمدؐ تھی اور ہے! لہذا اس معرکہ میں آج سے پندرہ صدیاں پیشتر جائے تو اہل شعور کو جو امتحان پیش آیا آج بھی وہی امتحان ہے۔ قریش اللہ کو مانتے تھے، لیکن محمدؐ کے منکر ہو گئے۔ یہود سے زیادہ تو کوئی علم والا تھا ہی نہیں، وہ اپنے کبر و بغض میں انکارِ محمدؐ کر بیٹھے۔ نصاریٰ بھی جانتے تھے، حضرت مسیح (علیہ الصلاۃ و السلام) نے اپنے بعد آنے والے آخری پیغمبر ’احمد‘ کی بشارت دے رکھی تھی، لیکن مسیحی کہلانے والوں نے گمراہی میں انکار کر دیا۔ یہ سبھی بظاہر اللہ کو ماننے والے تھے، لیکن دراصل اللہ کے منکر تھے، اللہ نے کہا فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ!¹

یہ منکرین و ظالمین کس کے منکر تھے؟ صادق و امین تو یہی منکرین حضور کو کہا کرتے تھے (علیہ آلف صلاۃ و سلام)۔ آج بھی دنیا کے سو بہترین انسانوں میں حضور (علیہ آلف صلاۃ و سلام) کو بہتر ترین، کامل و اکمل انسان کہنے والا مائیکل ایچ ہارٹ مذہباً یہودی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و امانت اور آپ کے خدا کی عبدیت میں درجہ معراج پر ہونے کی گواہی ’مہاتما‘ گاندھی بھی دیا کرتا تھا۔ برطانیہ میں آج بھی سوشل سکیورٹی کے عنوان پر پڑھائے جاتے وقت اس سوشل سکیورٹی سسٹم کا مؤسس حضور علیہ آلف صلاۃ و سلام کے صحابی خاص سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو قرار دیا جاتا ہے۔ آج صیہونی عیسائیوں کا سیاسی و عسکری پیشوا امریکی صدر بائیڈن بھی حضور (علیہ آلف صلاۃ و سلام) کی حدیثیں سناتا ہے۔ آپ کے

¹ سنن ترمذی، غریب حدیث

² ”دراصل یہ آپ کو نہیں جھٹلاتے، بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔“ (سورۃ الانعام: ۳۳)

فرامین کی حقانیت پر یہود و نصرانی بھی ایسا پکالتین رکھتے ہیں کہ مقبوضہ فلسطین (اسرائیل) میں درخت و جھاڑیاں بھی وہ اگاتے ہیں جن کا ذکر آخر الزمان کے معرکوں کی احادیث میں آیا ہے۔ پھر مسئلہ کہاں ہے؟

مسئلہ ہے شرع محمد کا، محمد، جو المصطفیٰ والہجتی ہیں کی شریعت کے انکار کا (علی صاحبہا آلف صلاۃ و سلام)!

الحذر! آئین پیغمبرؐ سے سو بار الحذر
حافظ ناموس زن، مرد آزما، مرد آفریں

اسی آئین پیغمبرؐ کا، اسی شرع محمدؐ کا اقرار و انکار نقطہ نزاع ہے۔ پچھلی پندرہ صدیوں میں ابلیس اور اس کے پیروکاروں و آلہ کاروں کی محنت کا ایک ہی نقطہ رہا ہے، 'الحذر! آئین پیغمبرؐ سے سو بار الحذر'۔ پھر اس کے متضاد دیکھیں تو اہل ایمان کی محنتوں کا بھی ایک ہی نقطہ رہا ہے، 'آئین و شرع پیغمبرؐ کا نفاذ!' (فدانا أرواحنا وأمہاتنا وأبائنا وأولادنا لشریعتک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)!

بڑے ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے یہاں مدرج ذات محمدؐ (جو بجائے خود مقصود بھی ہے، رفع درجات کا سبب اور اجر و ثواب کا باعث بھی) صلی اللہ علیہ وسلم تو بہت ہے لیکن ذات محمدؐ جس نظام کے ساتھ مبعوث کی گئی، جس شریعت کو ان پر نازل کیا گیا اس کا ذکر و محنت مفقود ہے۔ ہمارے یہاں ایک طرف انتہا یہ ہے کہ 'سوہنا آیت سچ گئے نے گلیاں تے بازار وے' کی صدائیں ہیں تو دوسری طرف جمہوری جلسوں، لانگ مارچوں اور برطانوی کوکھ سے پیدا ہونے والے پارلیمان میں چند قرار دادوں کی منظوری کی بھول بھلیوں میں نظام اسلام کے نفاذ کے لیے کوشاں ہیں۔ ہم بھول چکے ہیں کہ عاشقوں کے سرخیل سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے عشق محمدؐ کا دعویٰ کیسے نبھایا تھا۔ سنتوں کے عاشق اور امت محمدیؐ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے قبیح حضرات صحابہ (رضی اللہ عنہم) نے، آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی رحلت کے بعد، آپ کو آپ کے روضہ اقدس میں اتارنے سے بھی قبل اہل حل و عقد کی شوریٰ میں اقامت دین اور استحکام جماعت کی غرض سے خلیفۃ الرسولؐ کی تنصیب کی، کہ صحابہ کرامؓ کو چند لمحے بھی بنا میر شرعی، گزارنا گوارا نہ تھا۔ پھر امتیوں میں عظیم ترین امتی، بالتحقیق افضل الخلق بعد الانبیاء، خلیفۃ الرسول، سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے منبر رسولؐ پر بیٹھنے کے بعد پہلے پہل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت شمشیر جہاد، کو حرکت دی اور حضور (علیہ آلف صلاۃ و سلام) کے تشکیل کردہ لشکر اسامہ ابن زید (رضی اللہ عنہما) کو روانگی کا حکم دیا کہ دین تو تبھی قائم رہ سکتا ہے، شریعت کا نفاذ تو تبھی کامل ہو سکتا ہے جب جہاد فی سبیل اللہ جاری ہو، بھلا وہ عمارت اسلام کیسے کامل ہو سکتی ہے جس کے پانچ ستون توحید و رسالت پر ایمان، نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج ہوں لیکن اس عمارت کی چھت یعنی جہاد فی سبیل اللہ موجود ہی نہ ہو؟! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد جزیرۃ العرب کے بہت سے قبائل انکار زکوٰۃ کر دیتے ہیں۔ تو جن کی شان قرآن عظیم الشان یوں بیان کرتا ہے کہ 'الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّا هُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ.....' ان کے سردار صدیق اکبر رضی اللہ عنہ منکرین زکوٰۃ سے، منکرین شریعت سے، مرتدین سے قتال فرماتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ اگر کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اونٹ کو باندھنے والی رسی بھی دیا کرتا تھا اور اب دینے سے انکار کرتا ہے، تو میں اس سے قتال کروں گا یہاں تک کہ وہ ادا نیگی فرض کی جانب لوٹ نہ آئے۔ یہ تھا 'خیر القرون' کا فہم دین اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق۔ خلفائے راشدین اور ان کے بعد صحابہ کرامؓ میں سے آنے والے عادل خلفائے ذی شان اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہم اجمعین کی تو بات ہی کیا ہے، خلفائے بنو امیہ، خلفائے بنو عباس، خلفائے بنو عثمان ترک سے لے کر مرابطین و موحدین، زنگیوں، ایوبیوں، سلجوقوں، غزنوی، خوارزم شاہ، ایبک، التمش اور مغلوں اور مغلوں میں بھی محی الدین محمد اورنگ زیب عالم گیر تک سبھی کہ یہاں اقامت آئین پیغمبرؐ، نفاذ شریعت اہم ترجیح رہا۔ حتیٰ کہ برصغیر میں اکبر جیسا مغل بادشاہ

بھی گزرا جس نے اپنا دین بھی اختراع کیا، لیکن اس کے زمانے میں بھی شریعتِ مطہرہ معطل و منسوخ کرنے کی جرأت نہ کی گئی، شریعت کی جگہ کسی اور نظام کے نفاذ کا تو سوچنا بھی کفر اکبر گردانا جاتا تھا۔

لیکن ہماری آزمائش کے لیے، مشیتِ ایزدی سے یہود اور ان کے ہم نوا ایللیس صفت عیسائیوں اور لحدوں کی گیارہ بارہ صدیوں کی محنت اپنا کڑوا ثمر لائی۔ خلافتِ عثمانیہ کی پیٹھ میں پہلا خنجر لارنس آف عربیہ کی محنتوں کی صورت میں امتِ محمد (علی صاحبہا آلف صلاۃ و سلام) میں قوم پرستی (nationalism) کے ناسور کو لا کر گھونپا گیا۔ بے دینی و لادینی کے باوجود بلکہ دین و ملت فروشی کے جذبے والی عرب قومیت کو جگا یا گیا، ایک عجمی ترک، مسلمان اور اولوالامر سلطان و خلیفہ گوارا نہ تھا، اس کی جگہ قریش عرب کے بنو ہاشم میں سے [لیکن دراصل ابو جہل و ابنِ سلول کے روحانی (شیطانی) وارثوں میں سے] شریفِ مکہ حسین اور اس کی اولاد کو کھڑا کیا گیا۔ کوئی شاہِ حجاز بنا، کوئی شاہِ شام، کوئی شاہِ عراق تو کوئی شاہِ اردن^۱۔ بعداً انگریزوں کو آلِ سعود، آلِ نہیان اور آلِ ثانی وغیرہ جیسے زیادہ وفا شعار پالتو میسر آ گئے تو اماراتِ تاقطر و سعودی عرب نئے ٹوڈیوں کو لا بیٹھا گیا۔ شریعت کی جگہ قومیت نے لی اور ذاتی مفادات والی قومیت کی بادشاہت نے وحدتِ اسلامی والی خلافت کو توڑ دیا۔ پھر سلطان محمد فاتح کے اسلامبول، دار الخلافہ استنبول میں آج سے ٹھیک سو برس قبل خلافت کی قبا کو ایک اور قوم پرست، لادین و عیار، فری مین کے رکن مصطفیٰ کمال اتاترک نے چاک کر دیا۔ یہ تھا وہ دوسرا اور مہلک خنجر کا وار جس نے ملتِ اسلامیہ کا شیرازہ بکھیر دیا۔ اس کے بعد بقول قائدِ مجاہدین بڑے صغیر استاد احمد فاروق شہید، 'امتِ مسلمہ کو ایک کیک کی مانند حصوں میں کاٹ کر، ملتِ اسلامیہ سے وابستہ رذیل ترین لوگوں میں حکمرانی کے لیے بانٹ دیا گیا۔ مسلمانوں کی عالمی خلافت کے سقوط سے ایک صدی یا اس سے کچھ زائد قبل بڑے صغیر میں بھی نظامِ اسلامی کا خاتمہ ہو گیا۔ بڑے صغیر میں دراصل سلطان عادل اور نگ زیب عالم گیر کی وفات کے ساتھ حکومتِ الہیہ کا سورج ڈوبنا شروع ہو گیا تھا جو اٹھارہویں صدی عیسوی میں اولاً نواب سراج الدولہ ثم سلطان فتح علی ٹیپو کی شہادت کے ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی 'بہادر' کی سیاہ و تاریک حکومت کی شکل اختیار کر گیا۔

غاصب یورپیوں میں سر فرسٹ کمپنی 'بہادر'، ثم برطانوی امپیریل ازم کی دنیا پر چودھر اہٹ ہو یا اس کے بعد امریکہ 'بہادر'، ان سب کی محنتوں کا ایک نفاطی ایجنڈا رہا 'الخنذر! آئین پیغمبر' سے سوار الخذر۔ ان غاصبوں نے عالمی جنگوں اور ان کے بعد پیدا ہونے والے بحرانوں سے اپنے آپ کو نکالنا چاہا تو ساتھ ہی مصر تا برما اور ملیشیا و انڈونیشیا تک قسم قسم کی جمہوریتوں، آمریتوں اور بادشاہتوں کو اپنے وفاداروں کے ذریعے مسلط کر دیا جو آج تک مسلم جغرافیے پر قابض ہیں۔ نیو ورلڈ آرڈر کے عالمی ٹھیکے دار امریکہ کے صدر، باراک اوبامہ سے اس کے دورہ مصر کے دوران پوچھا گیا کہ 'امریکہ تو ساری دنیا میں جمہوریت کا داعی ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ امریکہ مشرق وسطیٰ اور عرب ممالک میں آمریتوں کی تائید کرتا ہے؟'۔ جمہوریت کے علم بردار نے کہا 'بعض لوگ جمہوریت کے بغیر بھی اچھا کام کر رہے ہیں!۔'

یہ 'اچھا کام' کیا ہے؟ نفاذِ اسلام کی راہ میں روڑے اٹکانا، بلکہ جو نفاذِ شریعت کی محنت و مطالبہ کرے اس کے خلاف اپنے جملہ وسائل اور اسلحوں سے لیس ہو کر جنگ کرنا۔ مالی کے صحرائے اعظم میں جنگ ہو یا یمن کے عدن میں، صومالیہ کے دشت و ساحلوں میں جنگ ہو یا پاکستان کے سوات تا قبائل کے پہاڑوں میں، یہ سبھی جنگیں امریکہ اور اس کے حواریوں اور ان کے غلام اتحادیوں کی مسلط کردہ ہیں۔ حتیٰ کہ نفاذِ شریعت کا مطالبہ جامعہ حفصہ و لال مسجد کے منبر و محراب سے اٹھے تو سفید فاسفورس برسا کر اس مطالبے کی صدا کو دبانے پر بھی امریکہ 'بہادر' کا صلیبی صدر جارج ڈبلیو بش اپنے اتحادی پرویز مشرف کی تعریف کرتا ہے۔ ماضی قریب کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ امریکہ نے نائن الیون کے مبارک جہادی حملوں کو محض بہانا

^۱ یہی نسل آج تک اردن پر قابض ہے اور ہائے افسوس کہ اردن کی لادین پادشاہی مملکت کو 'المملکۃ الأردنیۃ الہاشمیۃ' کہتے ہیں، حالانکہ ان ابو جہلوں کو نبی ہاشمی و قرشی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نسبت نہیں!

بنا کر افغانستان پر بلہ بولا تھا۔ حالانکہ نائن الیون سے ما قبل ہی امریکی بحری بیڑے افغانستان کے پڑوس کے پانیوں میں پہنچ چکے تھے اور افغانستان پر حملے کی تیاری کر رہے تھے۔ امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد کا یہ بیان صفحات تاریخ پر محفوظ ہے کہ 'امریکہ کو اصل مسئلہ افغانستان میں نفاذ شریعت سے ہے، مسئلہ اسامہ بن لادن کا نہیں، آج کفار ایک مطالبہ کرتے ہیں تو کل یہ کوئی اور مطالبہ کریں گے'!¹۔ اور اگر مسئلہ اسامہ بن لادن کا بھی تھا تو اسامہ بن لادن بھی تو اہل اسلام ہی کا ایک سپہ سالار تھا، وہ اپنے اربوں ڈالر کے حملات، کاروبار اور اثاثے اسلام و اہل اسلام کی جنگ ہی کی خاطر تو چھوڑ کر افغانستان آیا تھا، مسلم سرزمینوں سے کفار کا اخراج اور ان سرزمینوں پر شریعت کا نفاذ ہی اس کی محنت کا محور تھا، اسی لیے تو عمر ثالث ملا عمر نے کہا تھا کہ 'مسئلہ اسامہ بن لادن کا نہیں، اسلام کا ہے..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی اسے کافروں کے حوالے کرتا ہے"، مدینہ منورہ سے جو شخص جہاد کی خاطر آیا میں اسے کیسے کافروں کے حوالے کر دوں؟'!²۔ آج بھی اگر امریکہ 'بہادر' کے پیٹ میں مروڑ اٹھتا ہے تو امارت اسلامیہ افغانستان کی سرزمین پر نفاذ شریعت و اقامت حدود اللہ پر اٹھتا ہے۔ امریکہ کو آج بھی افغانستان سے کوئی تکلیف ہے تو یہی کہ عورتیں باحجاب کیوں رہیں، عورتیں کیوں نہ امریکہ و یورپ کی طرح 'میرا جسم میری مرضی' کے فیمنسٹ کلمہ پر ایمان لائیں؟ اور امریکہ اگر کوئی فوجی کارروائی آج اکیس سال قبل کی طرح نہیں کرتا تو اس کا سبب بیس سال افغانستان میں ذلت آمیز مار کھانا ہے، جس میں امریکہ کو تین کھرب ڈالر کا خسارہ براہ راست صرف افغانستان میں اٹھانا پڑا، اسی جنگ سے وابستہ اربوں ڈالر کے دیگر خسارے الگ ہیں۔ بیس سال افغانستان میں مصروف رہنے کے سبب یک قطبی دنیا جس کا سردار امریکہ تھا اب چند قطبی دنیا میں بدل چکی ہے، ہر جنگ میں تکبر سے ڈکارتے ہوئے براہ راست کود جانے والا امریکہ، اپنے میٹو اتحادیوں سمیت اپنے دوست یوکرین کی مدد بھی اپنے قدیم حریف روس کے مقابلے میں براہ راست فوجی موجودگی سے نہیں کرتا۔ امریکہ کو اس حالت میں لانے کی واحد ذمہ دار قوت جہاد فی سبیل اللہ ہے، جس کے ذریعے امریکہ کو افغانستان میں توڑا گیا۔

افغانستان کا دفاع اسلام اور نفاذ شریعت کا 'جہادی تجربہ' امت مسلمہ پر ایک حجت ہے اور لائق تقلید اسوہ بھی۔

سچ تو یہ ہے کہ ہمارا مقصد حیات اللہ کی عبادت اس طریقے پر کرنا ہے جس طریقے سے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم فرما گئے۔ پھر یہ جہاد فی سبیل اللہ اور نفاذ شریعت کی مبارک محنت بھی تو من جانب اللہ فریضہ اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا منہج و طریقہ ہے۔ ہمیں بغور دیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ہم اللہ کی عبادت، اقامت صلاۃ تا اقامت دین اس طریق پر کریں جس کا مطالبہ ہم سے شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ انگریزی ایکٹوں کو قرارداد مقاصد کے preamble کے اضافے کے ساتھ اسلامی جاننا وقت نظری نہیں، اس آئین کو محض نظر طائرانہ سے دیکھنا ہے۔ آئین پیغمبر، شریعت محمدی (علی صاحبہا آلف صلاۃ و سلام) اگر کسی آئین کی اساس ہو، تو کیا ممکن ہے معیشت سودی ہو، فوج امریکہ کی فرنٹ لائن اتحادی ہو، آرمی چیف مرزائیوں کے سنگے رشتہ دار بن جائیں اور حدود اللہ کی جگہ حقوق نسواں مل لے لے، ٹرانس جینڈر ایکٹ اسی آئین کا اضافی حصہ بننے کو تیار ہو اور تہذیبی روایت میں سنسر بورڈ جو اے لینڈ کی منظوری دے دے؟

آئین یا اساسی قانون کے بارے میں تو امارت اسلامیہ افغانستان کے عالی قدر مشائخ الحدیث و زرائے کرام نے کتنی بہترین بات فرمائی کہ 'ہمیں کسی اساسی قانون (آئین) کی بھلا کیا ضرورت ہے؟ ہمارا اساسی قانون (آئین) تو کتاب و سنت ہے اور اسی کتاب و سنت سے اخذ کردہ فقہ'۔ لیکن اگر قرارداد مقاصد محض ایک قرارداد ہی ہو اور اس کی حیثیت قانون اساسی یعنی آئین میں حقوق نسواں (اور آخری کوشش میں ٹرانس جینڈر ایکٹ) کی

شعشعہ جیسی برابری ہو تو اس کو آئین و نظام اسلام سمجھنا غلط فہمی ہے۔ (کہنے کو نیا آنے والا) حافظ قرآن، آرمی چیف چھوڑیے، اگر پوری کی پوری فوج بھی حافظ قرآن بن جائے، لیکن محض آیات قرآن کا ازبر ہونا ملک کی اصل حاکم و مقتدر قوت کو امریکی فرنٹ لائن اتحادی بننے اور اس اسٹیبلشمنٹ کو ملک میں شریعت محمدیؐ کی جگہ جمہوریت کے روپ میں امریکی ڈکٹیشن پر چلنی والی جنگی آمریت نافذ کرنے سے نہ روکے، بلکہ جو مجاہدین قبائل نفاذ شریعت کا مطالبہ لے کر اٹھیں ان پر ضرب عضب مسلط کریں تو اللہ وحدہ لا شریک کی قسم! ایسے حاکم و مقتدر ہی شریعت محمدیؐ کے دشمن ہیں¹۔ ایسے وردی و بے وردی حکمرانوں کے خلاف دعوت و جہاد کے محاذ گرم کرنا بقدر استطاعت شرعی فرض ہے۔ ایسے وردی و بے وردی حکمران ہی ہیں جنہوں نے ستر سال سے زائد سے اہل کشمیر و جہاد کشمیر سے خیانت کو روا رکھا ہوا ہے اور جو جہاد کشمیر میں اپنا حصہ شریعت مطہرہ کے واضح احکام کے مطابق دامے درمے قدمے سنبھالنے والوں کو زندانوں کی تاریکیوں میں ڈال دیتے ہیں۔ جنہوں نے دو دہائیوں سے کشمیری مجاہدین کی سپلائی لائن روک رکھی ہے۔ انہی غدار و خائن جرنیلوں اور کارگل کے بھگوڑے اعلیٰ افسروں کی بزدلی اور مجاہدین کے ساتھ عیاری و مکاری نے زمانے کے بزدل ترین کافر، ہندو و ہندوستانیوں کو اتنا شیر کر دیا کہ وہ کشمیر کو بھارت کا حقیقی اٹوٹ انگ بنانے میں کامیاب ہوتا جا رہا ہے۔ بھارت نے مجاہدین کشمیر کی سرکوبی کے لیے امریکہ کے ساتھ کروڑوں ڈالر کے دفاعی معاہدے کر کے جدید سرویلنس سسٹمز اور پریڈیٹر (Predator) ڈرون خریدے جبکہ پاکستان فوج ’انڈیا جا جا کشمیر سے نکل جا‘ جیسے گانے آئی ایس پی آر سے بناتی رہی۔

پس حالات کا تقاضا اور شریعت مطہرہ کا عائد کردہ فرض ہے کہ بین الاقوامی و مقامی ان قوتوں کے مقابل دعوت، اعداد (تیاری قتال) اور جہاد و قتال کے لیے صف بندی کی جائے جو شریعت کے نفاذ میں رکاوٹ ہیں اور جمہوری سازشوں اور فوجی آپریشنوں کے ذریعے اہل دین کی محنتوں کے سامنے روڑے لگاتی ہیں۔ زیند رمودی اور یوگی ادیتاناتھ جیسے موذی ناگوں کا سر کھینچنے کے لیے از حد ضروری ہے کہ جہاد کشمیر کا محاذ تنظیموں اور مسلکوں سے بلند ہو کر خالص شرعی جہادی بنیادوں پر پوری قوت کے ساتھ گرمایا جائے کہ جہاد کشمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی الہامی پیشین گوئی غزوہ ہند کے ابواب میں سے ایک اہم باب ہے۔ لیکن غزوہ ہند کے اس اہم باب، جہاد کشمیر کو تب تک مکمل طور پر نہیں کھولا جاسکتا، جب تک غزوہ ہند کے لیے ارض نصرت پاکستان میں ایک مضبوط شرعی اصولوں پر قائم دعوتی و جہادی تحریک موجود نہ ہو، ایک ایسی تحریک جس کا مشن نفاذ شریعت اور نصرت مظلومین امت ہو۔ پاکستان میں دعوت و جہاد کی تحریک کو سید احمد شہید اور شیخ الہند کے منہج پر کھڑا کرنا ہو گا اور اس مبارک محنت میں مجاہدین قبائل اسی اساسی حیثیت کے حامل ہیں جس حیثیت میں شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایک صدی قبل قبائل یاغستان کے مشران (بزرگوں) کھڑے ہوئے تھے، پھر قیام پاکستان کے بعد حاجی صاحب میرزا علی خان سے امیر صاحب بیت اللہ محمود تک یہ ایک ہی قافلہ ہے۔ مشرقی بنگال میں سید تیتو میر، حاجی شریعت اللہ اور حضرت دودو میاں کے خطوط پر اٹھائی تحریک کی ضرورت ہے جو اولاً بنگلہ دیش میں سیکولر ازم و ہندو توائی

¹ یہاں یہ نقطہ یاد رکھنے کا ہے کہ فوج ایک نہایت منظم ادارہ ہے اور اس منظم ادارے میں آرمی چیف کی کرسی تک وہی افسران ابھرتے ہیں جو اس فوجی نظم کے مطابق بہترین ہوتے ہیں۔ اور بہترین فوجی افسران الاما شاء اللہ، امریکیوں کے منظور نظر ہوتے ہیں (لادین جرنیلوں میں پرویز مشرف تا اسد درانی کی کتابیں اور اہل دین میں سے جنرل شاہد عزیز شہید کی کتاب اس امر پر گواہ ہیں۔ یہاں یہ امر بھی مستحضر رکھنے کی ضرورت ہے کہ اگر کوئی حقیقی دین دار افسر، جرنیل کے رتبے تک پہنچ جائے تو فوج کا اپنا نظم ہی ایسے شخص کو اولاً کھٹے لائن لگا دیتا ہے اور بعد ازاں کے قتل یا جبری گمشدگی سے بھی نہیں چوکتا: جنرل مظفر حسین عثمانی، جنرل شاہد عزیز، بریگیڈئیر علی وغیرہ اس کی مثالیں ہیں)۔ پس سنے آنے والی آرمی چیف اور چیئر مین چیف آف جوائنٹ سٹاف کی حقیقت سمجھنے کے لیے یہ کافی ہے کہ اول الذکر ڈی جی ایم آئی اور ڈی جی آئی ایس آئی رہ چکا ہے اور آئی ایس آئی اور امریکی آئی اے کا پارٹنر اور ایک دوسرے کا اٹیلی جنس اتحادی ہونا کسی سے ڈھکا چھپا نہیں، بلکہ آئی ایس آئی کے کتنے ہی بڑے ریک کے افسران امریکی پے رول پر سی آئی اے کے لیے بھی کام کرتے ہیں (شیخ اسامہ بن لادن کا راز بچنے والا کرمل اس کی ایک مثال ہے)۔ جبکہ مؤخر الذکر جرنیل شریعت مطہرہ کا مطالبہ و محنت کرتے مجاہدین قبائل کے خلاف آپریشن ضرب عضب میں کمان کر رہا ہے اور سابق ڈی جی ملٹری آپریشنز اور چیف آف جنرل سٹاف جیسے عہدوں پر فائز رہا ہے۔

طوفان سے ٹپٹ کر، ڈھاکہ میں نفاذ اسلام کی راہ ہموار کرتے ہوئے، اس فوجی پیش قدمی کا آغاز کرے جو مرشد آباد میں نواب سراج الدولہ کی فوج کو ہونے والی شکست کا انتقام، کمپنی ’بہادر‘ ٹم رائٹل انڈین آرمی کی ہندوستان میں وارث بھارتی فوج سے لے۔

بظاہر یہ باتیں کسی دیوانے کا خواب معلوم ہوتی ہیں، لیکن تاریخ کا دھارا عالی ہمت اور اولو العزم دیوانے ہی موڑا کرتے ہیں۔ پھر اگر ایسے دیوانوں کو حضور علیہ آلف صلاۃ و سلام کی مبارک بشارتیں حاصل ہوں تو یہ بحر ظلمات میں گھوڑے بھی اتارتے ہیں اور خشکی کے راستے بحری جہاز بھی لے جا کر دشمن کی بندرگاہ میں اتار دیتے ہیں۔ درود و سلام ہوں دو تلواروں کے ساتھ مبعوث کیے جانے والے محبوب رب العالمین پر، آپ کی آل پر، آپ کے اصحاب پر اور تاقیامت آنے والے آپ کے طریق احسان کے سالکوں پر!

سلام اس پر کہ جس نے زندگی کا راز سمجھایا

سلام اس پر کہ جو خود بدر کے میدان میں آیا

سلام اس پر کہ جس کا نام لے کر اس کے شیدائی

الٹ دیتے ہیں تختِ قیصریت، اوجِ دارائی

سلام اس پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں

بڑھا دیتے ہیں کلڑا سر فروشی کے فسانے میں

سلام اس ذات پر کہ جس کے یہ پریشاں حال دیوانے

سنا سکتے ہیں اب بھی خالد و حیدر کے افسانے

اللهم وفقنا كما تحب و ترضى وخذ من دماننا حتى ترضى. اللهم زدنا ولا تنقصنا وأكرمنا ولا تهنا وأعطنا ولا تحرمنا وأثرا ولا تؤثر علينا وأرضنا وارض عنا. اللهم إنا نسئلك الثبات في الأمر ونسئلك عزيمة الرشد ونسئلك شكر نعمتك وحسن عبادتك. اللهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم، آمين يا رب العالمين!

♦♦♦♦♦

مجلد ’نوائے غزوہ ہند‘ اہل دین و دانش کے نصائح، رائے اور مشورے کا محتاج ہے

اور چاہتا ہے کہ اہل دین و دانش کے

قیمتی نصائح، رائے اور مشورے ادارے تک پہنچیں۔

editor@ngmag.com

ضرورت ہے!

افغانستان اور ہندوستان سے نمائندوں کی ضرورت ہے۔ دعوت و جہاد کا درد رکھنے والے احباب مدیر ادارہ کے برقی پتے (email) پر رابطہ فرمائیں۔

مترجمین کی ضرورت ہے:

ادارہ ’نوائے غزوہ ہند‘ کو درج ذیل زبانوں میں ترجمہ کرنے والے با استعداد مترجمین کی ضرورت ہے:

- عربی سے اردو
- (افغانی) پشتو سے اردو اور اردو سے پشتو
- انگریزی سے اردو

اپنی تحریرات بذریعہ ای میل ہم تک پہنچائیے

مجلہ ’نوائے غزوہ ہند‘ کے تمام ’نئے‘ و ’پرانے‘، حالاً رابطے میں ’موجود‘ یا رابطے میں ’غیر موجود‘ لکھاریوں سے التماس ہے کہ اپنی تحریرات مجلے کی مجلس ادارت تک بذریعہ ای میل پہنچائیں۔

رابطہ کیجیے:

editor@nghmag.com

اپنی حفاظت کا خیال رکھیے:

بطور نمائندہ، ادارہ ’نوائے غزوہ ہند‘ سے رابطہ کرنے کے لیے

1. VPN یا Proxy (مثلاً Tor Browser یا Open VPN) استعمال کرتے ہوئے،
2. کسی فرضی نام کا ای میل ایڈریس بنا کر ای میل بھیجیے۔

قَالَ اللَّهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ○ (سورۃ یوسف: ۶۴)

”خیر! اللہ ہی سب سے بڑھ کر محافظ ہے، اور وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔“

جزاکم اللہ خیر اکثیراً!

استغفار کے ثمرات

حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر تورات اللہ مرقدہ

نہ پوچھے سوائیک کاروں کے گر تو

کدھر جائے بندہ گنہگار تیرا

دوستو! گناہ گاروں کا بھی اللہ وہی ہے اور نیکیوں کا بھی وہی ہے۔ اللہ کو چھوڑ کر ہم کہاں جائیں گے۔ اور کوئی ٹھکانہ بھی نہیں ہے۔ توبہ و استغفار کا اہتمام نہایت ضروری ہے، شیطان ایسے وقت دل میں شرمندگی ڈالتا ہے، غلط حیا ڈالتا ہے، کہتا ہے تم کس منہ سے توبہ کرتے ہو؟ تمہیں شرم بھی نہیں آتی۔ روزانہ پھر وہی حرکت کرتے ہو جس سے توبہ ہو۔ یہ شرم، شرم نہیں ہے۔ حقیقت حیا کیا ہے؟ محدث عظیم ملا علی قاریؒ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

تیرا مولیٰ تجھے اپنی منع کی ہوئی حالت میں نہ پائے۔ اپنی نافرمانی کی حالت میں خدا ہمیں دن رات دیکھ رہا ہے اور ہم بڑے حیا دار بننے ہیں، توبہ کرتے ہوئے حیا آتی ہے اور گناہ کرتے ہوئے حیا نہیں آتی، یہ کتنا بڑا شیطانی دھوکا ہے، حالانکہ اصلی حیا یہ ہے کہ آدمی نافرمانی سے رُک جائے۔ گناہ کرتے ہوئے شرم آئے۔ بعض لوگ غالب کا یہ شعر پڑھتے ہیں:

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

اگر اس شعر پر عمل کرتے تو آج اہل ایمان کعبے سے محروم ہو جاتے، لہذا یہ شعر واجب الاصلاح تھا۔ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب جو شاہ فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی کے سلسلے کے خلیفہ ہیں، انہوں نے فرمایا کہ اختر میاں! میں نے اس شعر کی اصلاح کر دی، ورنہ غالب کا یہ شعر اللہ کی رحمت سے ناامید کر کے کعبے سے محروم کر دیتا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! سنا دیجیے، کیا اصلاح فرمائی؟ فرمایا کہ یہ اصلاح کر دی:

میں اسی منہ سے کعبہ جاؤں گا
شرم کو خاک میں ملاؤں گا
ان کو رو رو کے میں مناؤں گا
اپنی بگڑی کو یوں بناؤں گا

اللہ اللہ! دیکھو اللہ والوں کے شعر میں اور دنیا داروں کے شعر میں کتنا فرق ہوتا ہے۔ اگر مچھلی کو دس مرتبہ شکار کر لو، لیکن اس کے کان میں کہو کہ پانی میں جائے گی یا جیا کرے گی؟ تو وہ کہے گی:

ان المستغفرین نزلوا بمنزلة المتقين..... استغفار کی جو حدیث میں نے شروع میں پڑھی تھی، اب اس کا ترجمہ سنئے۔ سرورِ عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ جس نے استغفار کو لازم کر لیا..... لزوم بمعنی کثرت کے ہیں، یعنی جو شخص کثرت سے استغفار کرتا ہے، اس کی شرائط کے ساتھ، جس کی دو شرطیں تو بیان ہو گئیں:

۱۔ معصیت سے الگ ہو جائے۔

۲۔ اس گناہ پر قلب میں ندامت پیدا ہو جائے۔

تیسری شرط قبولیت توبہ کی محدثین نے یہ لکھی ہے:

ان يعزم عزمًا جازمًا ان لا يعود الى مثلها مثلها ابدا.

پکا عزم کر لے کہ اے خدا! اب آئندہ کبھی یہ گناہ نہیں کروں گا۔ اگر شیطان کان میں کہے کہ تو پھر یہ گناہ کرے گا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ عزم علی التقویٰ قبولیت توبہ کے لیے کافی ہے۔ اس عزم کو اللہ کے یہاں قبولیت حاصل ہے، بشرطیکہ اس عزم کو توڑنے کا عزم نہ ہو۔ اگر شکستِ ارادہ کا ارادہ نہیں ہے، تو یہ ارادہ اللہ کے یہاں قبول ہے۔ بس توبہ کے وقت اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر کہہ لیا جائے کہ اے اللہ! میں نے آپ کے بھروسے پر پکا ارادہ کر لیا کہ اب کبھی یہ گناہ نہیں کروں گا۔ اور اگر ٹوٹ جائے تو پھر معافی مانگ لیں۔ اللہ کو چھوڑ کر ہم کہاں جاسکتے ہیں؟

حضرت خواجہ عزیز الحسن مجددؒ فرماتے ہیں:

نہ چت کر سکے نفس کے پہلوؤں کو
تو یوں ہاتھ پاؤں بھی ڈھیلے نہ ڈالے
ارے اس سے کشتی تو ہے عمر بھر کی
کبھی وہ دبالے کبھی تو دبالے
جو ناکام ہوتا رہے عمر بھر بھی
بہر حال کوشش تو عاشق نہ چھوڑے
یہ رشتہ محبت کا قائم ہی رکھے
جو سو بار ٹوٹے تو سو بار جوڑے

آہ! گناہ تو نہ چھوڑا، اللہ کو چھوڑ دیا۔ ارے اللہ سے تعلق توڑ کر کہاں ٹھکانہ ہے، کیا کوئی دوسرا

خدا ہے؟

گرچہ در خشکی ہزاراں رکھاست

ماہیاں را با بیوست جنگھاست

اے شکار یو! اگرچہ تم نے خشکی میں ہزاروں رنگینیاں پیدا کر دی ہیں، مرنڈا بھی ہے، شامی کباب بھی ہے، بریانی بھی ہے لیکن یہ سب ہمارے لیے موت ہے۔

یہ بیوست ہمارے لیے مفید نہیں، ہمیں پانی میں ڈال دو، وہاں کے طوفان بھی ہمارے لیے مفید ہیں۔ مومن کے لیے اللہ کی رضامندی کے ساتھ سب کچھ خیر ہے، برکت ہے جس حالت میں بھی خدا رکھے۔ اور اگر اللہ ناراض ہے تو لاکھوں اسبابِ عیش میں اس کی روح مثل مانی بے آب کے بے چین رہے گی۔

سرورِ عالم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں من لزم الاستغفار..... جو شخص کثرت سے استغفار کرتا رہتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کو راضی کرتا رہتا ہے۔ گناہ سے جو تعلق ٹوٹ گیا، روکر، گڑا گڑا کر، الحاح کر کے، اشکبار آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق بندگی کا جوڑتا رہتا ہے، اس کو کیا انعامات ملتے ہیں، اس کا بیان آگے آ رہا ہے، لیکن دوستو! پہلے ان آنسوؤں کی قیمت سنو، مشکوٰۃ کی روایت ہے:

حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ کسی مومن بندے کی آنکھوں سے آنسو نہ امت کے اور اللہ کے خوف سے نکل جائیں، اگرچہ وہ مکھی کے سر کے برابر ہوں، تو اس چہرے پر اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ حرام فرما دیتے ہیں۔

میں نے اپنے شیخ شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ کو دیکھا کہ ہمیشہ اپنے آنسو چہرے پر مل لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ کو دیکھا کہ ہمیشہ آنسوؤں کو اسی طرح مل لیتے تھے، پھر میں نے ایک صحابیؒ کی روایت دیکھی کہ میں یہ آنسو چہرے پر اس لیے ملتا ہوں کہ میرے حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ آنسو جہاں لگ جاتے ہیں دوزخ کی آگ حرام ہو جاتی ہے۔

حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ اس پر ایک علمی اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگرچہ پر آنسو مل لیے توچہ تو جنت میں چلا گیا، لیکن باقی جسم کا کیا ہوگا؟ پھر حضرت نے اس کو سمجھانے کے لیے ایک واقعہ بیان کیا کہ بادشاہ عالمگیرؒ کے زمانے میں کسی ریاست کا ایک راجہ تھا، وہ مر گیا۔ اس کے لڑکے کے جو چچا وغیرہ تھے، وہ اس کی ریاست پر قبضہ کرنا چاہتے تھے اور اس کو محروم کرنا چاہتے تھے۔ وزیروں نے اس کے باپ کا نمک کھایا تھا، اس کو سکھایا کہ بیٹا! دہلی چلو، ہم عالمگیر سے سفارش کر دیں گے، تم بچے ہو بادشاہ رحم کر دے گا اور تمہیں تمہارے باپ کی گدی دے دے گا اور دو وزیر اس کو راستہ بھر پڑھاتے رہے کہ بادشاہ یہ پوچھے تو یہ کہنا اور یہ پوچھے تو یہ کہنا۔ پھر جب دہلی کا قلعہ قریب آیا تو لڑکے نے کہا کہ آپ لوگوں نے جو پڑھایا ہے اگر بادشاہ نے اس کے علاوہ کوئی دوسرا سوال کر لیا تو کیا جواب دوں گا؟ تب دونوں وزیر بیٹے اور کہا کہ یہ

لڑکا بہت چالاک ہے، یہ خود ہی جواب دے لے گا، اس کو رہبری کی ضرورت نہیں۔ عالمگیرؒ حوض پر نہا رہے تھے کہ یہ لڑکا پہنچا اور اس نے سلام کیا اور کہا کہ حضور! میں کچھ درخواست کرنا چاہتا ہوں۔ درخواست سن کر عالمگیرؒ نے اس کے دونوں ہاتھوں کو پکڑا اور کہا کہ میں تجھ کو اس پانی میں ڈبو دوں؟ لڑکا زور سے قہقہہ لگا کر ہنسنا۔ تب عالمگیرؒ نے کہا کہ ایسے پاگل کو کیا ریاست ملے گی۔ تجھ کو تو کہنا چاہیے تھا کہ ہمیں نہ ڈبوئیے، لیکن تو موقعِ خوف پر ہنس رہا ہے، یہ تو پاگلوں کا کام ہے، تو کیا ریاست سنبھالے گا۔ اس نے کہا کہ حضور! پہلے آپ مجھ سے سوال تو کر لیں کہ میں کیوں ہنس رہا ہوں، پھر جو آپ کا فیصلہ ہو وہ کریں۔ فرمایا کہ اچھا بتاؤ کیوں ہنسے؟ اس نے کہا کہ حضور! آپ بادشاہ ہیں، بادشاہ کا اقبال بہت بڑا ہوتا ہے، اگر میری انگلی آپ کے ہاتھ میں ہوتی تو میں نہیں ڈوب سکتا تھا، نہ یہ کہ میرے دونوں بازو آپ کے ہاتھوں میں ہیں۔

حضرت نے اس واقعے کو بیان کر کے فرمایا کہ ایک کافر کا بچہ دنیوی بادشاہ کے کرم پر اتنا اعتماد رکھتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے کرم کو کیا قیاس کرتے ہو کہ وہ جس کا چہرہ جنت میں داخل کر دیں تو کیا اس کا جسم دوزخ میں پھینک دیں گے؟ اللہ تعالیٰ کریم ہیں۔ کریم کی تعریف ملا علی قاریؒ نے یہ کی ہے: جو بلا اشتقاق عطا کر دے، نالائقوں پر فضل کر دے وہ کریم ہے۔ ان کے کرم سے یہ بعید ہے کہ جس کا چہرہ جنت میں داخل کریں گے اس کے جسم کو دوزخ میں ڈال دیں گے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے بارے میں سنا کہ آخری وقت میں 'یا کریم! یا کریم' فرماتے تھے۔

بس ہم کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے بالکل بے کھٹک استغفار و توبہ کریں اور اُمید رکھیں اور جب آنسو نکل آئیں تو ان کو مل کر چہرے پر پھیلا لیں اور اگر آنسو نہ نکلیں تو رونے والوں کی شکل بنالیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؒ کی روایت ہے، یہ تیسرے صحابی ہیں، فرماتے ہیں میں تیسرا مسلمان ہوں اور فرمایا میں پہلا وہ مسلمان ہوں جس نے اللہ کے راستے میں کافروں کے مقابلے میں پہلا تیر چلایا۔ سرورِ عالم ﷺ نے ان کو دعائی اللھم سدّد سہمہ واجب دعوتہ..... اے اللہ! سعد بن ابی وقاصؒ کے تیر کا نشانہ صحیح کر دے اور ان کی دعاؤں کو قبول فرما اور یہ بھی فرمایا: اے سعد! تیر چلاؤ، میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔

یہ نعمت صرف دو صحابیوں کو حاصل ہے، ایک حضرت زبیرؓ اور ایک ان کو۔ محدثین نے لکھا ہے کہ نبی ﷺ نے ان دو کے علاوہ کسی کے لیے یہ جملہ نہیں فرمایا، اور یہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، احد عشرہ بھی ہیں اور آخر عشرہ بھی ہیں، یعنی ان کے انتقال کے بعد عشرہ مبشرہ ختم ہو گئے۔ وہ روایت کرتے ہیں:

روؤ (اللہ کی محبت یا خوف سے) اور اگر رونانہ آئے تو رونے والوں کی شکل بنالو۔

ایک اور حدیث ہے کہ ایک صحابی نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ نجات کیسے ملے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا زبان کو قابو میں رکھو یعنی مضربا تین نہ نکلنے دو اور زبان پر اس طرح کا

مالکانہ حق استعمال کرو جیسے غلام کو قابو میں رکھا جاتا ہے۔ اور فرمایا، اور تمہارا گھر تمہارے لیے وسیع ہو جائے، یعنی بلا ضرورت گھر سے نہ نکلو اور ادھر ادھر پھرنے کی عادت نہ ڈالو، بلکہ اپنے نیک کاموں میں مشغول رہو۔ ملا علی قاریؒ اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہ زمانہ سکوت کا ہے اور گھروں میں چپکے رہنے کا ہے اور بقدر ضرورت معاش پر قناعت کا ہے یہاں تک کہ موت آجاوے۔ اور آخر میں فرمایا اپنی خطاؤں پر روتے رہو۔ معلوم ہوا کہ نجات کا راستہ ہے اپنی خطاؤں پر رونا، لیکن اگر رونانہ آئے تو کیونکہ رونا بندے کا اختیاری فعل نہیں اس لیے اس نبی رحمت ﷺ کے قربان جانیے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو متوجہ کرنے کے لیے اپنی امت کو ہدایت فرمادی کہ اگر رونانہ آئے تو رونے والوں کی شکل ہی بناو، کیونکہ رونے والوں کی شکل بنالینا تو ہر شخص کے اختیار میں ہے۔

بنا کر فقیروں کا ہم بھی غالب
تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

جب دنیا کے کریبوں کا یہ حال ہے کہ فقیروں کا بھی بنانے والوں کو بھی محروم نہیں رکھتے اور یہ کرم ان کا ذاتی نہیں ہے بلکہ اس کریم حقیقی کے خزانہ کرم کی ایک ذرہ بھیک ہے تو پھر اس سرچشمہ کرم حق تعالیٰ شانہ کی رحمت کا کیا عالم ہوگا! اس کا تو ہم اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ پس اگر آنسو نہ نکلے تو رونے والوں کی شکل بنا کر پھر اس کریم کے فضل و کرم کا تماشا دیکھیں۔ اب حدیث شریف کا ترجمہ مکمل کر کے بیان ختم کرتا ہوں:

من لزم الاستغفار جعل الله من كل ضيق مخرجا

جو شخص کثرت سے استغفار کرے گا، اللہ تعالیٰ ہر تنگی سے اس کو نجات دے دیں گے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ تنگی میں پھنسا ہوا ہوں کیا کروں؟ اس کا علاج استغفار ہے، ومن كل هم فرجا، اور 'ہم' سے اللہ تعالیٰ اس کو نجات دیتا ہے اور ہم کے معنی ہیں؛ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، وہ غم ہے جو انسان کو گھلا دے، حزن سے ہم زیادہ شدید ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے، إِنْ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ..... اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو محبوب رکھتے ہیں اور دنیا میں بھی کوئی شخص اپنے محبوب دوست کو غم میں نہیں دیکھ سکتا تو حق تعالیٰ شانہ جس کو اپنا محبوب بنالیں وہ کیسے غم میں رہ سکتا ہے اور حدیث شریف کا آخری جملہ ہے اور ورزقہ من حیث لا یحتسب..... مستغفرین تائبین کو اللہ تعالیٰ ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جہاں سے ان کا گمان بھی نہیں ہوتا۔

حضرت ملا علی قاریؒ نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث پاک میں گناہ گاروں کے لیے بڑی تسلی ہے کہ متقین کو نعمت تقویٰ پر جو انعامات ملتے ہیں رونے والوں کو، توبہ کرنے والوں،

مستغفرین نادین کو بھی استغفار و توبہ پر ان ہی انعامات کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ فنزلوا منزلة المتقین۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث پاک اس آیت شریف سے مقتبس ہے:

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۖ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَالِيْعُ أَمْرِهِ ۖ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝ (سورة الطلاق: آیت ۲-۳)
ان آیات کا ترجمہ حضرت حکیم الامت تھانوی نے یہ فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ (اور کیونکہ ایک شعبہ تقویٰ کا توکل ہے اور اس کی خاصیت یہ ہے کہ) جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرے تو اللہ تعالیٰ اس (کی اصلاح مہمات) کے لیے کافی ہے۔

دوستو! رحمۃ للعالمین ﷺ کے قربان جانیے کہ آپ کی رحمت نے یہ گوارا نہ کیا کہ میری امت کے خطاکار بندے محروم رہ جائیں۔ پس مستغفرین و تائبین کے لیے بھی ان ہی انعامات کا وعدہ فرمایا جو متقین کو عطا ہوں گے اور یہ کیا کم نعمت ہے کہ متقین کے درجے کو پہنچ جائیں، چاہے صفِ ثانی میں رہیں۔ حافظ عبد الولی صاحب بہر ایچی نے حضرت حکیم الامتؒ کو لکھا کہ حضرت! میرا حال بہت خراب ہے، نہ جانے قیامت کے دن میرا کیا حال ہوگا؟ حضرت نے تحریر فرمایا کہ ان شاء اللہ! بہت اچھا حال ہوگا۔ اگر کالمین میں نہ اٹھائے گئے تو ان شاء اللہ تائبین میں ضرور اٹھائے جائیں گے اور یہ بڑی نعمت ہے، اور فرمایا کہ یہ ہمارے سلسلے کی برکت ہے، جو لوگ اللہ والوں سے جڑے رہتے ہیں محروم نہیں رہتے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ جو کانٹے پھولوں کے دامن میں اپنا منہ چھپائے ہوئے ہیں ان کو باغبان گلستان سے نہیں نکالتا، لیکن جو خالص کانٹے ہیں اور پھولوں سے اعراض کیے ہوئے ہیں، ان سے مستغنی اور دور ہیں ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینک دیتا ہے۔ فرماتے ہیں:

آں خاری گر بست کہ اے عیب پوش خلق
شد مستجاب دعوت اور گلغزار شد

ایک کاٹنا زبان حال سے رو رہا تھا کہ اے مخلوق کے عیب چھپانے والے خدا! میرا عیب کیسے چھپے گا کہ میں تو کاٹنا ہوں۔ اس کی یہ فریاد و گریہ وزاری قبول ہوئی اور حق تعالیٰ کے کرم نے اس کی عیب پوشی اس طرح فرمائی کہ اس پر پھول اگا دیا جس کی پتھریوں کے دامن میں اس خاں نے اپنا منہ چھپالیا۔ پس اگر ہم کانٹے ہیں، نالائق ہیں تو ہمیں چاہیے کہ اللہ والوں کی صحبت میں رہا کریں۔ اس کی برکت سے ان شاء اللہ تعالیٰ اول تو ہم خلعتِ گل سے نواز دیے جائیں گے یعنی اللہ والے ہو جائیں گے، مثل خار کے محروم نہ رہیں گے۔ اس مضمون کو احقر نے اپنے اشعار میں شیخ کو مخاطب کرتے ہوئے یوں بیان کیا ہے:

(باقی صفحہ نمبر 24 پر)

أشراط الساعة

سود کا عام ہونا

منافع، سرمایہ کاری یا رہن یا گروی رکھنا..... سب ایک ہی چیز کے نام ہیں۔ رہا کا لفظی ترجمہ سود ہے مگر چونکہ یہ لفظ اب متروک ہے تو ہمیں اس کے لیے موجودہ دور میں رائج اصطلاحات کا علم ہونا چاہیے۔

سود گناہ کبیرہ ہے۔ یہ ان دو گناہوں میں سے ایک ہے کہ جن کے مرتکبین کے خلاف اللہ رب العزت کا اعلان جنگ ہے۔ صرف دو ہی گناہ ہیں کہ جن میں ملوث افراد کے خلاف اللہ رب العزت نے اعلان جنگ فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک گناہ تو یہ سود ہے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: ﴿فَأَذْنُتُوا يَحْزِبَ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾، تو خبردار ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے، اور دوسرا گناہ اولیاء اللہ سے دشمنی رکھنا ہے مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ (حدیث قدسی)۔ ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن سودی معاملات کرنے والے کو ایسے اٹھایا جائے گا گویا شیطان نے اسے چھو کر باؤلا کر دیا ہو ﴿يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَيْمَنِ﴾، اور اسے ہتھیار دیے جائیں گے اور اسے کہا جائے گا کہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ..... اللہ رب العزت سے جنگ کے لیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے:

”قیامت کے قریب سود عام ہو جائے گا۔“

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ جب سودی معاملات بہت عام ہو جائیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں سود کی دو قسمیں رائج تھیں، ایک رہا نیہ جس میں قرض کی واپسی کے لیے ایک محدود مدت مقرر کر دی جاتی تھی اور دوسرا بالفصل جس میں جس کے بدلے جس کی تجارت کی جاتی تھی، سونے کے بدلے سونا اور چاندی کے بدلے چاندی، مگر اس پر کچھ رقم کا اضافہ کر دیا جاتا تھا۔ یہ دوسری قسم اب بھی رائج ہے۔ موجودہ دور میں رائج سود دراصل رہا نیہ ہی کی مختلف شکلیں ہیں۔ دور جاہلیت میں رائج قرض کے لین دین کے جس روایتی طریقے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریف لا کر شریعت کی روشنی میں درست فرمایا

وہ مدت کے تعین ہی کا تھا۔ ایک شخص کسی دوسرے شخص کو کچھ رقم دیتا ہے اور ساتھ ہی مدت مقرر کر دیتا ہے کہ اگر قرض دار مقررہ مدت کے اندر اندر رقم لوٹا دے تو ٹھیک ورنہ مقررہ مدت گزرنے کے بعد اصل رقم سے زیادہ رقم ادا کرنی ہوگی۔ یہ قریباً وہی طریقہ ہے جیسے آج کل کریڈٹ کارڈز، کہ اگر آپ مقررہ مدت کے اندر اندر ادائیگی کر دیتے ہیں تو ٹھیک ورنہ اضافی پیسے دینے پڑیں گے۔ اسے اس طرح کہا جاتا کہ تقضی او تربی، یا (مقررہ مدت کے اندر) ادائیگی کرو ورنہ مزید پیسے ادا کرو۔ سود کی یہ قسم آج رہن پر شرح سود اور سرمایہ کاری جیسے بہت سے مختلف ناموں اور شکلوں میں موجود ہے۔ آپ کو الاما شاء اللہ ہی کوئی کمپنی ایسی ملے گی جو قلیل مدتی یا کثیر مدتی قرض پر نہ چل رہی ہو۔ امریکہ میں ہر ایک ہی کسی نہ کسی قسم کے قرض کے بوجھ تلے دبا ہے اور کسی نہ کسی درجے میں سود ادا کر رہا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذیل کی حدیث میں گویا دور حاضر ہی کی مثال بیان فرمائی جب فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ

لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى مِنْهُمْ أَحَدٌ إِلَّا أَكَلَ الرِّبَا فَحَمْنٌ لَمْ يَأْكُلْ أَصَابُهُ مِنْ غُبَارِهِ. (سنن ابن ماجہ)

”لوگوں پر ضرور ایسا زمانہ آئے گا جس میں کوئی شخص سود کھائے بغیر نہیں رہے گا۔ جو شخص سود نہیں کھائے گا اسے بھی اس کا گرد و غبار تو پہنچ ہی جائے گا۔“

سود اس قدر پھیل جائے گا کہ قریباً ہر فرد ہی سودی معاملات میں کسی نہ کسی طور شریک ہو گا۔ اور جو سودی معاملات سے اپنا دامن بچانے کی کوشش کرے گا وہ بھی کم از کم اس کے غبار سے آلودہ ہو کر رہے گا اور یوں سود کا کچھ نہ کچھ ضرر اسے پہنچ کر رہے گا۔

مذکورہ حدیث یہی واضح کر رہی ہے کہ بیشتر بیوپار سودی ہو گا لیکن جو اس سے بچنا چاہے گا وہ ان شاء اللہ کافی حد تک اس سے محفوظ رہے گا مگر اس کے اثرات سے مکمل طور پر بچ بھی نہیں پائے گا کیونکہ تمام بیوپار عالمی معیشت کا حصہ ہے۔

آخر آپ اپنا پیسہ کہ

مساجد کی تزئین

یہ بھی ان علامات قیامت میں سے ہے جو ظاہر ہو چکی ہیں۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَتَبَاهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ۔ سنن ابوداؤد

”رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ لوگ مسجدوں (کی تعمیر) پر فخر (اور آپس میں مقابلہ) نہ کریں گے۔“

یعنی مقابلہ اس بات پر ہو گا کہ کس کی مسجد زیادہ خوبصورت ہے۔ بخاری کی ایک اور حدیث میں ہے، دراصل یہ حدیث نہیں ہے بلکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ایک حکم ہے، ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کی چھت کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی تھی۔ لوگ کھجور کے درخت کی شاخیں اور پتے لاتے اور انہیں ایک دوسرے کے اوپر تہہ در تہہ بچھا دیتے اور یہی مسجد نبوی کی چھت ہوتی جس کا مقصد محض سایہ پہنچانا ہوتا، یہ پانی کو نہیں روک سکتی تھی، لہذا جب بارش ہوتی تو پانی مسجد کے اندر آتا اور پوری مسجد گیلی ہو جاتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مسجد نبوی اسی حالت میں تھی اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی۔ اس کے باوجود یہ دنیا کی سب سے بابرکت مسجد تھی اور دعوت اسلام کی شعاعوں نے یہیں سے پھوٹ کر پوری دنیا کو منور کیا۔ پس سادہ سی بات ہے کہ عمارت اور اس کی خوبصورتی معیار نہیں ہے۔ دنیا کی بابرکت ترین مسجد، مسجد نبوی شریف، جہاں سے پوری دنیا کو اسلام ملا، اس کی چھت وائر پروف نہیں تھی۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں ایک معمار کو بلوایا اور کہا کہ مسجد کی چھت ایسی بنادے جو نمازیوں کو بارش سے محفوظ رکھے۔ اور پھر فرمایا خبردار! اسے سرخ یا زرد نہ بنانا کہ لوگوں کی توجہ نماز سے ہٹ جائے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ لوگ مساجد پر فخر کریں گے مگر انہیں زندہ کرنے کی فکر نہیں کریں گے۔

وہ مسجد بنانے پر فخر تو کریں گے مگر اس مسجد میں جانے والا کوئی نہیں ہو گا۔ عمارت تو لوگ بنائیں گے بطور مسجد مگر نمازی اپنی نمازوں سے اسے زندہ نہیں کریں گے، وہ عمارت مردہ ہی رہے گی۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک وقت آئے گا کہ جب تم اپنی مسجدوں کو ایسے سجاؤ گے جیسے یہودی اور عیسائی اپنی عبادت گاہوں کو سجاتے ہیں۔

اب تو ہم سرخ اور زرد رنگوں کے استعمال کی حد سے بہت آگے نکل چکے ہیں۔ اب تو مساجد کی چھتیں اور دیواریں سونے سے، بڑے بڑے جھلملاتے فانوسوں سے، اور انتہائی شوخ رنگوں کی

ہاں رکھیں گے؟ چیکنگ اکاؤنٹس (جاری کھاتے) میں، جو کہ سودی نہیں ہوتے (بہت سے جاری کھاتے سودی ہوتے بھی ہیں) بہر حال بعض جاری کھاتے منافع نہیں دیتے مگر سود کا غبار آپ کو پھر بھی پہنچتا ہے کیونکہ آپ اپنی رقم ایک ایسے ادارے کے پاس جمع کر رہے ہیں جو صد فی صد سودی بنیادوں پر قائم ہے۔ بے شک آپ بذات خود سودی معاملے میں شریک نہیں ہیں مگر اس کی گرد سے آپ کیسے محفوظ رہ سکیں گے۔ غبار دراصل تمثیل ہے، پرانے زمانے میں سڑکیں کچی ہوتی تھیں اور جب کوئی سواری وہاں سے گزرتی تو مسافر گرد سے بچنے کی کوشش کے باوجود گرد و غبار سے کچھ نہ کچھ اٹ ہی جاتے تھے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ سود سے ضرور بچیں جتنا کہ آپ بچ سکتے ہیں مگر بہر حال اس کی گرد سے آپ کسی حال میں بھی بچ نہیں سکتے۔

سود سراسر تباہی ہے۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں: يَحْتَقِ اللَّهُ الرِّبَا، اللہ رب العزت سود کو تہس نہس فرمادیتا ہے، لہذا سود میں کوئی برکت نہیں ہو سکتی اور سودی معاملات میں ملوث دنیا کو بھی کہیں کوئی برکت نظر نہیں آسکتی۔ ہم اسے نہ بھی استعمال کریں پھر بھی ہمیں اس کا نقصان پہنچتا ہے کیونکہ عالمی معیشت کے جال سے دنیا کا کوئی کونہ محفوظ نہیں ہے اور سود اس عالمی معیشت کا ایک بنیادی ستون ہے۔ سبحان اللہ! گویا پوری دنیا ہی سود کے سمندر میں غرق ہے۔ ان معنوں میں یہ بدترین دور ہے۔ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، جو نہ صرف یہ کہ انسان کو عبادت کے طریقے سکھاتا ہے بلکہ اسے اس کے مالی معاملات میں بھی مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اللہ کا دین مکمل ہے مگر ہم اس کامل دین کو اپنی زندگیوں سے نکالنے پر تلے بیٹھے ہیں۔ اگر ہم اپنی معیشت، سیاست اور معاشرت کو اسلام سے جدا کر دیں تو اسلام میں پھر کیا چیز باقی رہ جائے گی؟

”عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِي الْمَرْءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ أَمِنْ الْخَلَالِ أَمْ مِنَ الْخَرَامِ“ (رواه البخاری)

”رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی کو جو مال ملے گا اس کے بارے میں وہ اس کی پروا نہیں کرے گا کہ یہ حلال ہے یا حرام۔“

لوگوں کا مقصد محض اور محض پیسہ بنانا ہو گا۔ ان کا ایک نصب العین ہو گا اور وہ نصب العین، وہ ہدف دولت کمانا ہو گا، زیادہ سے زیادہ دولت اور کچھ نہیں۔ ایسے لوگ اس بات کی پروا تو کرتے ہیں کہ وہ ملکی قوانین کے دائرے میں رہتے ہوئے مال کمائیں، مگر اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کی پابندی سے وہ بے نیاز ہوتے ہیں۔ لیکن اللہ رب العزت روز قیامت ان سے ایک ایک پیسے کا حساب لے گا کہ انہوں نے کہاں سے اسے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ یہ ان چار سوالوں میں سے ہے جن کا سامنا ہر انسان کو کرنا ہی ہو گا، تم نے مال کیسے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ ایک ایک پیسے کا حساب دینا ہو گا۔

خطاطی سے مزین ہوتی ہیں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا مسجد کی چھت کے لیے سرخ اور زرد رنگ کے استعمال سے منع کرنا محض ان رنگوں کے استعمال کی ممانعت نہیں تھا بلکہ مقصد یہ تھا کہ شوخ رنگوں کی وجہ سے نمازیوں کی توجہ نماز سے نہ ہٹے۔ اللہ اعلم غالباً یہی دو رنگ تھے جو اس دور میں مصوری وغیرہ میں استعمال ہوتے تھے کیونکہ وہ کسم (زعفران کا ذب) استعمال کرتے تھے جو سرخ یا زرد رنگ میں رنگنے کے لیے استعمال ہوتا تھا، اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معمار کو اس رنگے والی جڑی بوٹی کے استعمال سے روکا۔ اور اب آپ دیکھیں تو جو جائے نمازیں لوگ نماز پڑھنے کے لیے استعمال کرتے ہیں، وہ طرح طرح کے رنگوں اور نقش و نگار سے مزین ہوتی ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ ترکی نے ایک جدید الیکٹرک انک جائے نماز تیار کی جس کے حاشیے پر برقی قفے لگے ہوئے ہیں تاکہ آپ اندھیرے میں نماز پڑھیں تو بھی مشکل نہ ہو اور یہ جائے نماز آپ کے رکوع و سجود کی گنتی بھی کرتی رہے گی تاکہ اگر آپ کوئی رکعت بھول جائیں تو یہ الارم کے ذریعے آپ کو متنبہ کر دے۔ علماء سے جب اس بارے میں فتویٰ لیا گیا تو انہوں نے اس کے استعمال کو ناجائز قرار دیا کہ یہ جائے نماز نمازی کی توجہ نماز سے ہٹانے والی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ”اگر تم اپنے مصاحف اور مساجد کو سجاوے تو ہلاکت تمہارا مقدر ہوگی۔“ مساجد و مصاحف کو سجانا تباہی کی علامت ہے اور یہی ہم اب کر رہے ہیں۔ آپ کو سونے کی خاص طباعت سے مزین، نہایت قیمتی جزدان میں لپٹے انتہائی قیمتی مصاحف بھی ملیں گے اور ایسی مساجد بھی جنہیں خطیر رقم خرچ کر کے تعمیر کروانے والے وہ لوگ ہیں جو خود نماز ہی نہیں پڑھتے، وہ شاہان اور وہ صدور جن کی شہرت ہی بے نمازی ہونے کی ہے ایسی جگہ پر مساجد تعمیر کرواتے ہیں جہاں نماز پڑھنے کوئی نہیں آتا۔ آپ دیکھیں گے کہ نہایت خوبصورت مسجد کے عین ساتھ بازاروں میں بے انتہا شہر ہے، مگر مسجد میں نماز پڑھنے والا کوئی بھی نہیں۔ اور بعض جگہ آپ دیکھیں گے کہ مسجد تو اتنی وسیع اور خوبصورت ہے کہ عجوبہ کے طور پر لوگ متاثر کن اسلامی طرز تعمیر کے اس شاہکار کو دیکھنے آتے ہیں مگر نماز کے وقت وہاں نماز پڑھنے کوئی نہیں آتا۔ ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ تباہی کی علامت ہے۔ یہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کی فرست ہے کیونکہ مصاحف و مساجد کو سجانا اصل چیز کو چھوڑ کر نمود کے پیچھے لوگوں کے بھاگنے کی علامت ہے۔ لوگوں کو بس وہ چیز چاہیے جو انہیں اچھی نظر آئے خواہ اس میں کچھ افادیت نہ ہو اور یہ ان کی بربادی کی نشانی ہے۔

اوپچی عمارتوں کی تعمیر

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم.....وَأَنَّ تَرَى الْخَفَاةَ الْغُرَاةَ الْعَالَةَ رِغَاءِ الشَّائِ يَنْطَلَوْنَ فِي الْبُنْيَانِ۔ رواه مسلم

”اور یہ کہ تم ننگے پاؤں، ننگے بدن، محتاج، بکریاں چرانے والوں کو دیکھو کہ وہ اوپچی سے اوپچی عمارتیں بنانے میں ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کر رہے ہیں۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نشانی ننگے پاؤں اور ننگے بدن فرمائی۔ ننگے بدن سے یہ مراد نہیں کہ ان کے پاس سرے سے لباس ہی نہ ہو گا بلکہ وہ اس قدر غریب ہوں گے کہ بمشکل اتنا لباس ان کے پاس ہو گا جس سے وہ اپنی شرم گاہیں ڈھانپ سکیں۔ مزید یہ کہ وہ غریب چرواہے ہوں گے اور اوپچی اوپچی عمارتوں کی تعمیر میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کریں گے۔

واللہ اعلم مگر ان احادیث کے مطالعے سے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا یہ مسلمانوں کا حال بیان کر رہی ہیں نہ کہ کافروں کا۔ قیامت کی بیشتر نشانیاں بیان فرماتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ حالات بیان فرمائے ہیں جو ان کی امت کو، امت مسلمہ کو پیش آئیں گے۔ بعض علامات قیامت کے ذیل میں یقیناً پوری دنیا کے حالات کا یا کچھ خاص لوگوں کے حالات کا ذکر کیا گیا ہے، مگر جن علامات کے ساتھ تخصیص نہیں ہے وہ امت مسلمہ کے بارے میں ہی معلوم ہوتی ہیں۔ مذکورہ حدیث میں بھی امت مسلمہ کے بعض افراد کا ذکر ہے جو انتہائی غریب تھے اور پھر اچانک وہ مال دار ہو گئے اور ان کے پاس اتنا مال آگیا کہ وہ عمارتیں بنانے لگے، کسی ضرورت کے لیے نہیں بلکہ صرف مقابلہ بازی کے لیے۔ يَنْطَلَوْنَ فِي الْبُنْيَانِ کا معنی ہے کہ وہ اس بات میں مقابلہ کریں گے کون زیادہ اوپچی عمارت بنائے گا۔ اس کی مثال آپ کو خلیجی ریاستوں میں نظر آسکتی ہے۔ تیل کی دولت نے لوگوں کو مال دار بنادیا۔ وہ لوگ جو پہلے اپنے رہنے کے لیے ایک مکان بنانے کی استطاعت تک نہیں رکھتے تھے، اب اوپچی سے اوپچی عمارتیں بنانے کا مقابلہ کرنے لگے ہیں يَنْطَلَوْنَ فِي الْبُنْيَانِ اور یہ عمارتیں ایسی جگہ پر بنائی جا رہی ہیں جہاں اوپچی عمارتوں کی سرے سے کوئی ضرورت ہی نہیں ہے، زمین اتنی کشادہ اور وسیع ہے کہ وسیع و عریض افقی تعمیر کی جاسکتی ہے۔ خلیجی یارک شہر کی طرح نہیں ہے کہ جہاں آپ کو زمین پر مزید جگہ میسر نہیں ہے لہذا اوپچی اوپچی عمارتیں بنائی جاتی ہیں، ان کے یہاں تو حد نگاہ تک پھیلا ہوا صحرا ہے، جہاں چاہیں اور جتنی وسیع چاہیں عمارت بنائیں، ان کی راہ میں اگر کوئی چیز آئے گی بھی تو وہ ریت کے ٹیلے کے سوا کچھ نہ ہو گا۔ اس کے باوجود بھی لوگ اوپچی اوپچی عمارتیں بنا رہے ہیں تو ظاہر ہے کہ ان کا مقصد سوائے مقابلہ بازی کے اور کچھ نہیں۔ اور عمارتیں بنانے کا یہ شوق اور یہ صفت قوم عاد میں تھی ﴿اَتَّبَعُونَ بِكُلِّ رِيحٍ آيَةً تَعْبَثُونَ﴾ ان کے نبی ہود علیہ السلام نے انہیں متنبہ فرمایا کہ یہ کیا ہے کہ تم ہر پہاڑ کے اوپر بلا وجہ ایک یادگار بنا دیتے ہو؟ رہتے وہ لوگ وادیوں میں تھے مگر پہاڑوں کی چوٹیوں پر بلا وجہ اور بے کار ہی یادگاریں تعمیر کرتے تھے جن کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ تَعْبَثُونَ یعنی فضول، بے کار، عبث، مال کا ضیاع صرف فخر و مباہات کے لیے۔

لونڈی اپنی مالکہ کو جنے گی

أَنَّ تِلْدَ الْأُمَّةِ رَيْتَهَا۔ متفق علیہ

ایک نشانی یہ ہے کہ ”لونڈی اپنی مالکہ کو جنے گی۔“

یہ مشہور حدیث جبریل کا حصہ ہے جسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ جبریل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے علامات قیامت کے بارے میں سوال کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک نشانی یہ ہے کہ عورت اپنی مالکہ کو جنے گی، یا لونڈی اپنی مالکہ کو جنے گی۔ علماء اس کی مختلف تفاسیر بیان فرماتے ہیں، ایک تفسیر یہ ہے کہ اولاد اس قدر بے ادب، نافرمان اور بد اخلاق ہو جائے گی کہ وہ اپنی ماں سے ایسا سلوک کرے گی گویا وہ اس کی لونڈی ہو۔ ان کا باہم رشتہ ماں بیٹی کی بجائے مالک اور غلام کا سا نظر آئے گا۔ اولاد مالک اور ماں غلام معلوم ہوگی۔ ماں کی کوئی عزت نہ ہوگی۔ یہ رائے ابن حجرؒ کی ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ تفسیر اپنے عموم کی وجہ سے رائج ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہم سب ہی اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے تک مسلمانوں اور کافروں سبھی میں اپنے والدین اور بڑوں کے لیے ادب و احترام نظر آتا تھا۔ آپ کو ایٹھائی اور ہندو معاشرہ میں بھی یہ احترام واضح نظر آتا تھا۔ حتیٰ کہ امریکہ تک میں جو کہ خود بھی دو تین صدیوں سے زیادہ قدیم نہیں ہے، کچھ نسلوں پہلے تک ہم والدین اور بڑوں کے ساتھ بچوں کے تعامل میں اور آج ان کے تعامل میں بہت بڑا فرق دیکھتے ہیں۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ اٹھارہ سال یا اس سے بھی کم عمر بچے والدین سے جدا ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے اوپر والدین کا کوئی حق بھی نہیں سمجھتے۔ اور قانون بھی یہی کہتا ہے کہ اٹھارہ سال سے اوپر کے بچے پر والدین کا کوئی حق نہیں، وہ مکمل طور پر خود مختار ہوتے ہیں۔ والدین اگر اپنی اولاد کو عدالت کے سامنے پیش کر کے اپنا حق وصول کرنا چاہیں تو قانونی طور پر انہیں کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اور قانون اور اخلاق کی حد تک کی پاسداری بھی کون کرتا ہے، معاشرتی معاملات میں لوگوں کا رویہ ناقابل بیان ہے۔ اولاد کی اپنے والدین کے ساتھ تعامل کی انتہائی بھیانک کہانیاں سننے کو ملتی ہیں، جن کا ذکر یہاں ضروری نہیں ہے۔

نہ صرف اسلام ہمیں والدین کے ادب کی تعلیم دیتا ہے بلکہ عقل سلیم بھی اس کی تائید کرتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ والدین اپنی اولاد کے لیے بہت زیادہ قربانی دیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت کے حق کے بعد والدین کا حق ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت کی ذات وہ ہے کہ جس کا اپنے بندوں پر سب سے زیادہ احسان ہے، اس نے انہیں سب سے زیادہ نوازا اور سب سے زیادہ عطا کیا ہے، ہم اللہ کے احسان مند ہیں اور اللہ رب العزت پر ہمارا کوئی احسان نہیں، لہذا ہمیں اللہ رب العزت کا شکر گزار ہونا چاہیے۔

دوسرا حق والدین کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا..... ”اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے تم اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا“، اللہ رب العزت نے اپنے ذکر کے معاً بعد والدین کے ساتھ احسان کا حکم فرمایا۔ اولاد کی پرورش کے دوران ماں اور باپ دونوں ہی تکالیف برداشت کرتے ہیں، جب بچہ بالکل بے بس ہوتا ہے اور سر اسرماں باپ کے رحم و کرم پر ہوتا ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کی پرورش کریں۔ مگر سبحان اللہ کفران نعمت کی حد یہ ہے کہ پندرہ برس کی عمر تک پہنچنے تک بچہ والدین کو کچھ بھی نہیں لوٹاتا، یہ معاشرتی فساد نہیں تو اور کیا ہے؟

خونریزی عام ہو جائے گی

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ وَيَنْقُصُ الْعَمَلُ وَيُلْقَى الشَّيْخُ وَيَكْثُرُ الْهَنْجُ قَالُوا وَمَا الْهَنْجُ قَالَ الْقَتْلُ الْقَتْلُ۔ رواه البخاری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وقت بڑی تیزی سے گزرے گا، عمل کم ہوتے جائیں گے، دلوں میں بخیلی سما جائے گی اور ہرج بہت زیادہ ہو جائے گا۔ لوگوں نے پوچھا: ہرج کیا ہوتا ہے؟ (کیونکہ یہ عربی زبان کا لفظ نہیں ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اہل حبشہ کی زبان کا لفظ ہے۔ اللہ اعلم کہ یہ اب بھی رائج ہے یا نہیں) آپ ﷺ نے فرمایا: خونریزی اور قتل وغارت۔“ اور ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بِلِسَانِ الْحَبَشَةِ الْقَتْلُ۔

بعض اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر عربی الفاظ بھی استعمال فرمائے ہیں اور قریش کے تلفظ سے مختلف تلفظ بھی۔ مثلاً ایک مرتبہ یمن سے ابو موسیٰ اشعریؓ کی قوم کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ وہ ’ال‘ کی جگہ ’ام‘ بولتے تھے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، هل من امیر امصیام فی امسفر؟ (هل من البر الصیام فی السفر؟) یعنی کیا سفر میں روزہ رکھنا نیکی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کے تلفظ کے ساتھ جواب دیا اور فرمایا: لَيْسَ مِنْ امِيرٍ امصِيَامٍ فِي امسَفَرٍ سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے۔ یعنی اس معاملے میں رخصت ہے اور سفر میں روزہ توڑنے کی اجازت ہے۔

یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے الہرج کا لفظ استعمال فرمایا جس کا معنی ہے قتل، اور حدیث بتاتی ہے کہ قرب قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ خونریزی اور قتل عام پھیل جائے گا، لوگوں کی زندگی ارزاں ہو جائے گی۔ قتل عام ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمانوں اور کافروں کے مابین جنگ ہوگی، صحابہ نے اس کا یہی معنی سمجھا جو ذیل کی حدیث سے واضح ہوتا ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کے عام ہو جانے کا ذکر فرمایا تو صحابہ نے دریافت کیا:

...قَالُوا أَكْثَرُ مِمَّا نَقْتُلُ إِنَّا لَنَقْتُلُ كُلَّ عَامٍ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ أَلْفًا

کیا جتنی خونریزی ابھی ہے، اس سے بھی زیادہ خونریزی ہو سکتی ہے؟ ہم تو ایک سال میں ستر ہزار سے بھی زیادہ کافروں کو قتل کر دیتے ہیں تو کیا اس تعداد سے بھی زیادہ قتل ہو گا جتنے ہم ابھی قتل کر دیتے ہیں؟ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

قَالَ إِنَّهُ لَيْسَ بِقَتْلِكُمُ الْمُشْرِكِينَ وَلَكِنْ قَتْلُ بَعْضِكُمْ بَعْضًا

”اس سے مراد مشرکین کو قتل کرنا نہیں ہے بلکہ ایک دوسرے کو قتل کرنا مراد ہے۔“
مسلمان مسلمانوں کو قتل کریں گے۔ صحابہ نے دریافت کیا، سبحان اللہ! صحابہ کی فکر دیکھیے:

قَالُوا وَمَعَنَا عُقُولُنَا يَوْمَئِذٍ؟

کیا اس موقع پر ہماری عقلیں ہمارے ساتھ ہوں گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قَالَ إِنَّهُ لَنَنْزِعُ عُقُولَ أَهْلِ ذَلِكَ الزَّمَانِ وَيُخَلِّفُ لَهُ هَبَاءٌ مِنَ النَّاسِ يَحْسِبُ أَكْثَرُهُمْ أَنَّهُمْ عَلَى شَيْءٍ وَلَيْسُوا عَلَى شَيْءٍ۔ مسند احمد

”اس زمانے کے لوگوں کی عقلیں چھین لی جائیں گی اور ایسے بےوقوف لوگ رہ جائیں گے جو یہ سمجھیں گے کہ وہ کسی دین پر قائم ہیں حالانکہ وہ کسی دین پر نہیں ہوں گے۔“ وہ سمجھیں گے کہ وہ اللہ کے دین پر کاربند ہیں مگر درحقیقت وہ کسی دین کے پیروکار نہیں ہوں گے اور ان کے دماغ کمزور ہوں گے۔ یعنی وہ لوگ جو اس طرح بلاوجہ ایک دوسرے کو قتل کریں گے ان کی عقلیں ان کا ساتھ چھوڑ چکی ہوں گی۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتَّى يَأْتِيَ عَلَى النَّاسِ يَوْمٌ لَا يُدْرِي الْقَاتِلُ فِيْمَ قَتَلَ وَلَا الْمَقْتُولُ فِيْمَ قُتِلَ فَقِيلَ كَيْفَ يَكُونُ ذَلِكَ قَالَ الْهَنْجُ الْقَاتِلُ وَالْمَقْتُولُ فِي النَّارِ۔ رواه مسلم

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، دنیا ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ لوگوں پر ایک دن آئے گا کہ قتل کرنے والا نہ جانے گا کہ اس نے کیوں قتل کیا اور جو مارا گیا وہ نہ جانے گا کہ وہ کیوں مارا گیا۔ لوگوں نے دریافت کیا: یہ کیوں کر ہو گا؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ”کشت و خون ہو گا؛ قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں۔“

یعنی ایک شخص قتل کرے گا اور اسے یہ معلوم ہی نہ ہو گا کہ وہ کیوں قتل کر رہا ہے نہ مرنے والے کو یہ علم ہو گا کہ اسے کیوں مارا گیا۔ مارنے والا اور مرنے والا دونوں جہنمی ہوں گے، کیوں؟ کیونکہ ہر ایک ہر دوسرے کو قتل کرنا چاہتا ہو گا۔ جو مقتول ہوا وہ بھی دوسروں کو قتل کرنے کی نیت رکھتا ہو گا۔ یہ فتنے کا وقت ہو گا۔ معاملات واضح نہیں ہوں گے اور یہ ایسا وقت ہو گا کہ جب لوگ روح کو ہلکا سمجھنے لگیں گے اور اسے کوئی اہمیت نہیں دیں گے اور بے محابا خون بہائیں گے۔

قتل بذات خود بہت بڑا گناہ ہے اور اہل دنیا کے لیے تباہی ہے مگر دوسری طرف ہمیں اس گفتگو کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے جو ابو بردہؓ اور ایک انصاری کے مابین ہوئی۔

ابو بردہؓ فرماتے ہیں کہ میں زیادہ کے دور میں (اموی دور میں) ایک بازار میں کھڑا تھا اور (حیرت کے باعث) میں نے تالی بجائی تو ایک انصاری، جن کے والد صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے نے پوچھا کہ آپ کو کس بات پر اس قدر حیرت ہو رہی ہے؟ ابو بردہؓ نے فرمایا کہ میں اس بات پر حیران ہوں کہ ان لوگوں کا ایک دین ایک نبی ایک دعوت ایک حج اور ایک جہاد ہے اور پھر بھی یہ ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیونکر ایسی امت جس کا ایک رب ہے، ایک نبی ہے، ایک کتاب ہے ایک عبادت ہے..... ہر چیز ایک ہے، آپس میں لڑ رہی ہے؟ یہ ہو کیسے سکتا ہے؟ ہم کیسے اس حد تک گر گئے؟ انصاری نے کہا کہ آپ حیران نہ ہوں۔ میں نے اپنے والد سے سنا کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ أُمَّتِي أُمَّةٌ مَرْخُومَةٌ لَيْسَ عَلَيْهَا فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ إِنَّمَا عَذَابُهُمْ فِي الدُّنْيَا الْقَتْلُ وَالْبَغْيُ وَالزَّلَازِلُ۔ مسند احمد

”میری امت، امت مرحومہ ہے، آخرت میں اس پر کوئی عذاب نہیں ہو گا اس کا عذاب دنیا ہی میں ہے۔ اس کا عذاب دنیا میں قتل و غارت، پریشائیاں اور زلزلے ہیں۔“ یعنی اس امت کے گناہ اس دنیا میں ہی ان پر آنے والی آزمائشوں کے ذریعے دھل جائیں گے۔ بظاہر امت جس برے حال میں نظر آتی ہے، دراصل یہ بھی اللہ کا اس امت پر رحم ہے کہ اس کے بدلے یہ امت آخرت کے عذاب سے بچالی جائے گی۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم آپس میں قتل و قتال جاری رکھیں، ہمیں اس سے بچنے اور اسے روکنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے، مگر ساتھ ہی یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اس امت پر جتنی بھی بلائیں اس دنیا میں آئیں گی وہ آخرت میں ان کے لیے راحت کا باعث ہوں گی۔

وقت کا سکڑنا اور وقت کا تیزی سے گزرنا

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَتَقَارَبَ الزَّمَانُ۔ رواه البخاری

”قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک زمانہ قریب نہ آجائے۔“ ایک اور حدیث میں یہی بات ذرا تفصیل کے ساتھ ہے:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَتَقَارَبَ الزَّمَانُ فَتَكُونَ السَّنَةُ كَالشَّهْرِ وَتَكُونَ الشَّهْرُ كَالْجُمُعَةِ وَتَكُونَ الْجُمُعَةُ كَالْيَوْمِ وَتَكُونَ الْيَوْمُ كَالسَّاعَةِ وَتَكُونَ السَّاعَةُ كَالْحَزَاقِ السَّعْفَةِ۔ مسند احمد

”قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک زمانہ قریب نہ آجائے، چنانچہ سال مبینہ کی طرح مہینہ ہفتہ کی طرح ہفتہ دن کی طرح دن گھنٹے کی طرح اور گھنٹہ چنگاری سلگنے کے بقدر رہ جائے گا۔“

یعنی اس قدر تیزی سے وقت گزرے گا۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ وقت کے سکڑنے کا کیا مفہوم ہے؟ علماء کی اس بارے میں مختلف آراء ہیں:

1. برکت کی کمی ہوگی۔ وقت میں کوئی برکت نہیں ہوگی یعنی وقت سے برکت اٹھ جائے گی۔ اس کا مشاہدہ ہم کر رہے ہیں۔ دن پر دن گزرتے چلے جاتے ہیں مگر ہمارے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ سال پر سال گزر جاتے ہیں اور ہمیں لگتا ہے کہ ہم نے کچھ نہیں پایا، ہمارے اندر کچھ بہتری نہیں آئی۔ ہمارے دن اسی طرح چوبیس گھنٹوں پر مبنی ہیں جیسا کہ ابو بکرؓ اور تمام علماء کے۔ ان کے پاس بھی وہی چوبیس گھنٹے ہیں جو ہمارے پاس ہیں، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگوں نے اتنے ہی وقت میں اتنا کچھ کر لیا کہ جتنا ہم خود نہیں کر پائے۔ جب ہم کچھ ایسے لوگوں کی مثال دیکھتے ہیں جن کے اوقات میں برکت تھی تو ہمیں لگتا ہے کہ وقت بہت تیزی سے گزر رہا ہے۔ مثلاً ابن جوزیؒ جب فوت ہوئے تو ان کی تصانیف کے صفحات شمار کیے گئے اور انہیں ان کی زندگی کے دنوں پر تقسیم کیا گیا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے اوسطاً گیارہ صفحے روز لکھے۔ اور ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ہم جب طالب علم تھے تو ہمارے لیے امتحانی پرچہ حل کرنا بھی ایک کام ہوتا تھا، جبکہ وہ ہر روز گیارہ صفحے تصنیف کرتے تھے۔ ابن تیمیہؒ نے عقیدے کے موضوع پر اپنی مشہور کتاب العقیدہ واسطیہ محض ظہر اور عصر کے مابین وقت میں لکھی۔ یہ کتاب اسلامی یونیورسٹیوں میں چھ ماہ یا سال بھر کے عرصے میں پڑھائی جاتی ہے اور پھر بھی طالب علم شکایت کرتے ہیں کہ یہ وقت اس کتاب کے مطالعے کے لیے کافی نہیں ہے جبکہ ابن تیمیہؒ ظہر کی نماز پڑھ کر اسے لکھنے بیٹھے اور عصر کے وقت تک اسے مکمل کر چکے تھے۔

اس طریقے سے ہم بہت سے کامیاب لوگوں کی زندگیوں کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ یہ ایک نقطہ نظر ہے اور دوسرا نقطہ نظر وقت میں برکت کی کمی کے حوالے سے یہ ہے کہ امریکہ میں ہمارا طرز زندگی بھی ایسا ہے کہ ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ وقت بہت کم ہے۔ آپ بعض دوسرے ممالک کا سفر کریں تو آپ کو لگے گا کہ زندگی نسبتاً آہستہ رفتار سے گزر رہی ہے۔ وہاں ہر چیز اس قدر پیچیدہ نہیں ہے۔ آپ کو محسوس ہوتا ہے کہ آپ کے پاس پورے دن میں بہت سا وقت ہے۔ وہاں آپ کو بہت سا فارغ وقت بھی مل جاتا ہے جب کہ یہاں امریکہ میں ہمارے پاس فرصت نام کی کوئی چیز نہیں۔ ہر ایک جلدی میں ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ امریکہ کے ہی بعض علاقے دوسرے علاقوں سے مختلف ہیں۔ شہری علاقوں میں زندگی بہت تیز ہے جب کہ دیہی علاقوں اور چھوٹے قصبوں میں زندگی کی رفتار نسبتاً آہستہ ہے۔

سبحان اللہ! وقت ایک عجیب چیز ہے۔ اللہ اعلم ہم اس کی حقیقت کو پا بھی سکے ہیں یا نہیں، کیونکہ ایک گھنٹہ کسی دوسرے علاقے کے ایک گھنٹے سے مختلف ہوتا ہے، حالانکہ پیمائش میں وہ ہر دو جگہ ایک گھنٹہ ہی ہے۔ آپ جہاں بھی جائیں ایک دن ایک جتنا ہی ہوتا ہے مگر ہر جگہ اس کی طوالت مختلف محسوس ہوتی ہے، واللہ اعلم۔ تو علماء کی ایک رائے یہ ہے کہ وقت کے سکڑنے کا باعث برکت کی کمی ہے۔

2. کچھ علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ امام مہدی کے دور میں ہوگا۔ پر آسائش طرز زندگی کی وجہ سے ایسا معلوم ہو گا گویا وقت بھاگ رہا ہے۔ اللہ اعلم کہ پر آسائش زندگی میں آپ کو وقت تیزی سے گزرتا محسوس ہوتا ہے یا ٹھہر ٹھہر کر..... یہ تو اللہ ہی بہتر جانتے ہیں۔

3. ابلاغ اور نقل و حمل کے جدید طریقوں کی وجہ سے وقت کا سکڑنا۔ چند صدیوں پہلے تک جس سفر کے لیے آپ کو مہینے درکار ہوتے تھے اب وہ چند گھنٹوں میں ہو جاتا ہے۔ دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک چند گھنٹوں میں پہنچا جاسکتا ہے۔ سمندر پار جانے کے لیے لوگوں کو سالوں درکار ہوتے تھے مگر اب چند گھنٹوں میں ہی سات سمندر پار پہنچا جاسکتا ہے۔ یہ بات تو ہوئی نقل و حمل کی، اب ذرائع ابلاغ کو دیکھیں تو وہ بھی اس قدر تیز ہیں کہ دنیا کے کسی بھی کونے میں موجود ایک شخص کو آپ ای میل کرتے ہیں اور وہ چند لمحوں میں اس تک پہنچ جاتی ہے۔ آپ دنیا میں کسی بھی جگہ کسی کو بھی کسی بھی وقت فون کر سکتے ہیں۔ انہی تیز تر ذرائع آمد و رفت اور ابلاغ کی بدولت وقت سکڑ کر رہ گیا ہے۔ وہی کام جن کے لیے بہت سا وقت درکار ہوتا تھا اب بہت کم وقت میں کیے جاسکتے ہیں۔

4. ایک آخری رائے یہ بھی ہے کہ حقیقی معنوں میں وقت سکڑ جائے گا۔ زمین کی تیز تر گردش کے باعث سال، مہینہ، ہفتہ حقیقتاً کم طویل ہو جائے گا۔ زمین کی گردش تیز ہو جائے گی اور یہ سورج کے گرد مزید تیزی سے گھومے گی۔ یہ نہ سمجھیں کہ اجرام فلکی کی یہ حرکات مستحکم ہیں اور تبدیل نہیں ہو سکتیں۔ کائنات تبدیل ہو رہی ہے، پھیل رہی ہے اور اس بارے میں مختلف آراء ہیں کہ اس کا اختتام کیسے ہوگا۔ سائنس دانوں کو پختہ یقین ہے کہ کائنات ایک بڑے دھماکے کے نتیجے میں وجود میں آئی اور پھیلنا شروع ہوئی جسے بگ بینگ کہتے ہیں اور اس کا انجام ایک بڑی چرمر اہٹ (بگ کرانچ) کے ساتھ ہوگا۔ بگ بینگ اس کائنات کے پھیلاؤ کی وجہ بنا اور یہ ایک چرمر اہٹ کے ساتھ ختم ہوگی یعنی سب کچھ واپس آپس میں یکجا ہو جائے گا۔ اللہ رب العزت قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ سورج زمین کے قریب آجائے گا اور ستارے اور چاند گر جائیں گے اور ہر چیز دوبارہ یکجا ہو جائے گی۔ یہ بگ کرانچ تو صرف ایک نظریہ ہے، ہم اس کے ذریعے قرآن کی تفسیر نہیں کر سکتے۔ البتہ اللہ رب العزت کی یہ آیات روز قیامت کے بارے میں ہیں۔ چنانچہ وقت سکڑ سکتا ہے، یہ ہو سکتا ہے کہ سال بہت تیزی سے گزرے، سال بھر میں بجائے تین سو پینسٹھ دنوں کے کم دن ہوں کیونکہ زمین اپنے مدار کے گرد

مزید تیزی سے گردش کر رہی ہو۔ چونکہ زمین اپنے مدار کے گرد تیزی سے گردش کرے گی تو ایک دن میں چوبیس سے کم گھنٹے ہوں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ دن کی طوالت آپ کے مقام کی نسبت سے ہے۔ اگر آپ چاند پر ہوں تو دن کی طوالت مختلف ہوگی زمین پر دن کی طوالت سے۔ اور اگر آپ مشتری پر ہوں تو دن ایسے ہوگا جیسے ایک سال کیونکہ وہاں سال بہت مختصر ہے۔

بازاروں کا نزدیک ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”قیامت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ بازار ایک دوسرے سے قریب ہوں گے۔“

سبحان اللہ! یہ تو واقع ہو چکا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک ہر محلے میں پرچون کی ایک آدھ چھوٹی سی دکان ہو ا کرتی تھی اور پورے قصبے کا ایک بڑا بازار ہوتا تھا۔ بڑا بازار عموماً قصبے کے کسی مرکزی مقام پر ہوتا تھا جبکہ گلی محلوں میں چھوٹی موٹی دکانیں ہوتی تھیں۔ اب ہر محلے میں ایک تجارتی مرکز ہوتا ہے اور قرب وجوار میں ہر جگہ منڈیاں اور بازار موجود ہیں۔ ہر جگہ بڑی بڑی دکانیں کھل رہی ہیں۔ مثلاً یمن میں کسی جگہ اتوار بازار ہوتا تھا، کسی جگہ منگل بازار وغیرہ جو صرف اسی مخصوص دن کھلتا تھا۔ اسی ایک دن کسان اپنی پیداوار اس بازار میں لا کر بیچتے اور لوگ ہفتے کے ایک دن اس مرکزی بازار میں جا کر اپنی ضروریات خرید لاتے۔ اب یہ بازار روزانہ کھلتے ہیں اور روز خرید و فروخت ہوتی ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ جگہ جگہ امریکی طرز کی بڑی بڑی دکانیں اور تجارتی مراکز بنائے جا رہے ہیں اور یہ سب مسلم دنیا میں ہو رہا ہے۔ ایک نیا عجوبہ تجارتی اضلاع ہیں جن کے لیے بڑی بڑی تعمیرات کی جا رہی ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے تک اور یہ کوئی بہت قدیم زمانہ نہیں ہے بلکہ چند سال یا چند عشروں پہلے تک تجارتی مراکز یا بازار بہت کم ہوتے تھے مگر اب یہ ہر جگہ ہیں۔ بیتقارب الاسواق، بازار نزدیک نزدیک ہوں گے۔ پہلے تو بازار جانے کے لیے باقاعدہ سفر کرنا پڑتا تھا کچھ خریدنے کے لیے جانا ایک پورا کام ہوتا تھا ورنہ بصورت دیگر لوگ اپنے کھیت سے اپنی ضرورت پوری کر لیتے تھے۔ بازار سے کچھ خریدنے کے لیے آپ کو سفر کرنا پڑتا تھا یا بازار کھلنے کے دن کا انتظار کرنا پڑتا تھا، جب کہ اب ایسا نہیں ہے۔ ہر جگہ ہر وقت بازار کھلے ملتے ہیں۔

تجارت کا پھیل جانا

إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَفْشَوْا الْمَالَ وَيَكْثُرَ وَتَفْشُوَ التَّجَارَةُ وَيَظْهَرَ الْعِلْمُ وَيَبِيعَ الرَّجُلُ النَّبِيْعَ فَيَقُولَ لَا حَتَّى أَسْتَأْذِنَ تَاجِرَ بَنِي فَلَانٍ وَيَلْتَمَسَنَّ فِي الْحَيِّ الْعَظِيمِ الْكَاتِبَ فَلَا يُوْجَدُ۔ سنن نسائی

”بے شک یہ بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ مال عام اور بہت زیادہ ہو جائے گا۔ تجارت پھیل جائے گی۔ علم (دیکھنے میں) عام ہوگا (مگر) آدمی کوئی سودا کرے گا تو کہے گا: میں سودا کا

نہیں کرتا حتیٰ کہ میں فلاں قبیلے کے تاجر سے مشورہ کر لوں۔ اور ایک بہت بڑے قبیلے میں کاتب تلاش کیا جائے گا تو نہیں ملے گا۔“

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ ”تجارت اس قدر پھیل جائے گی کہ انسان اپنی بیوی کو بھی اپنے ساتھ تجارت میں شریک کرے گا۔“

یہ نشانی تو ہم اپنی آنکھوں کے سامنے پوری ہوتی دیکھ رہے ہیں۔ کاروبار اس قدر پھیل گیا ہے کہ لوگ زراعت چھوڑ کر کاروبار کر رہے ہیں، نوکریاں چھوڑ کر کاروبار کی طرف آرہے ہیں (مثلاً entrepreneurship، از مترجم)۔ کمپیوٹر اور معلومات کی فراوانی نئے نئے مواقع پیدا کر رہی ہے، لوگ نئی نئی صنعتوں کا رخ کر رہے ہیں اور کاروبار کی نئی نئی قسمیں ایجاد ہو رہی ہیں۔ الیکٹرانک تجارت (ای کامرس) نے تجارت کی ایک نئی دنیا کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اب آپ اپنی تمام چیزیں آن لائن خرید اور بیچ سکتے ہیں۔ اس سب سے تجارت کو بہت زیادہ فروغ مل رہا ہے مگر اس کی وجہ سے تجارت و کاروبار بہت زیادہ وقت اور محنت طلب ہو گئے ہیں۔ لہذا بجائے اس کے کہ شوہر کاروبار کرے اور بیوی گھر بسنے بن کر گھر سنبھالے اور بچوں کی دیکھ بھال کرے، میاں اور بیوی دونوں مل کر کاروبار کر رہے ہیں۔ اکثر جگہ پر میاں بیوی مل کر کاروبار چلاتے نظر آتے ہیں اور دونوں اپنی اپنی باریوں پر کام کرتے ہیں۔ کچھ سال پہلے تک منظر کچھ اور ہوتا تھا، شوہر کھیت میں یا دکان پر کام کے لیے جاتا تھا اور بیوی گھر سنبھالتی تھی۔ کاروبار کے بہت زیادہ پھیل جانے کی وجہ سے دونوں میاں بیوی کاروبار چلا رہے ہیں اور بچے ڈے کئیر یا مراکز اطفال میں ڈال دیے جاتے ہیں۔ مذکورہ حدیث یہی بتاتی ہے کہ کاروبار اس قدر پھیل جائے گا کہ آدمی اپنی بیوی کو بھی اس میں شریک کرے گا اور دونوں مل کر کام کریں گے۔ کیا یہ ٹھیک ہے؟ واللہ اعلم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

...مَا يَسُرُّكُمْ فَوَاللَّهِ لَا الْفَقْرُ أَخْشَى عَلَيْكُمْ وَلَكِنْ أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمْ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا وَتُهْلِكُكُمْ كَمَا أَهْلَكْتُمْ۔ رواہ البخاری

”اللہ کی قسم! مجھے تمہاری ناداری اور فقیری کا ڈر نہیں بلکہ مجھے تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ دنیا تم پر کشادہ کر دی جائے گی جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں کے لیے کشائش کی گئی تھی۔ پھر تم ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو گے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے کیا تھا۔ پھر وہ تمہیں ہلاک کر دے گی جیسا کہ ان لوگوں کو ہلاک کر دیا تھا۔“

اس دنیا میں مسابقت ہلاکت ہے، اسی طرح جیسے اس نے پچھلی قوموں کو ہلاک کر دیا تھا۔ یہی امت مسلمہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ غربت اس امت کے لیے کبھی بھی بہت بڑا مسئلہ نہیں بنے گی، اللہ اس امت کو بہت مال سے نوازے گا۔ اس امت کے پاس بہت سے وسائل ہیں، اس کی غربت اموال اور وسائل کی کمی کی وجہ سے نہیں بلکہ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم اور تدبیر کی وجہ سے ہے۔ اصل مسئلہ

دولت کا غلط استعمال ہے۔ غیر منصفانہ تقسیم نہ ہو تو امت مسلمہ کی زمین اللہ رب العزت نے پوری دنیا کے وسائل سے بھر دی ہے۔

امت میں شرک کا ظہور

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي بِالْمُشْرِكِينَ وَحَتَّى يُعْبِدُوا الْأَوْثَانَ۔ جامع ترمذی

”قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ میری امت کے کچھ قبیلے مشرکین سے مل جائیں، اور بتوں کی پرستش کریں۔“

شرک کی بہت سی اقسام تو ظاہر ہو ہی چکی ہیں، مردوں سے مانگنا، قبروں کے سامنے سجدہ کرنا وغیرہ، واللہ اعلم اس کے علاوہ بھی کچھ ظاہر ہونا رہتا ہے یا نہیں۔ یہ سب کچھ ہوتا رہا ہے اور تاحال ہو رہا ہے۔

زلزلے

زلزلے کا معنی ہے زلزلے اور اس کا ایک معنی بڑی آزمائشیں اور مصیبتیں بھی ہے۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَكْثُرَ الزَّلَازِلُ۔ رواہ البخاری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ زلزلے کثرت سے نہ ہونے لگیں۔“

فَقَالَ يَا ابْنَ حَوَالَةَ إِذَا رَأَيْتَ الْخِلَافَةَ قَدْ نَزَلَتْ الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ فَقَدْ دَنَتْ الزَّلَازِلُ وَالْبَلَايَا وَالْأُمُورُ الْعِظَامُ وَالسَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ إِلَى النَّاسِ مِنْ يَدَيَّ هَذِهِ مِنْ رَسُولِكَ۔ مسند احمد

”فرمایا اے ابن حوالہ! جب تم دیکھو کہ خلافت ارض مقدس (یعنی فلسطین) میں پہنچ گئی ہے تو سمجھ لو کہ زلزلے، مصیبتیں اور بڑے بڑے امور قریب آگئے ہیں اور اس وقت قیامت لوگوں کے اس سے بھی زیادہ قریب آجائے گی جیسے میرا یہ ہاتھ تمہارے سر کے قریب ہے۔“

الْخِلَافَةُ قَدْ نَزَلَتْ الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ واللہ اعلم اس کا کیا مطلب ہے، غالباً یہ آنے والے وقتوں میں ہوگا، مسلمانوں کے لیے خلافت کا مرکز ارض مقدس ہوگی جہاں امام مہدی اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ہوں گے۔ وہ وقت امن اور عافیت کا ہوگا لیکن اس کے بعد بدترین تباہی پھیلے گی اور پھر دنیا ختم ہو جائے گی۔

خسف، مسخ اور قذف

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُونُ فِي آخِرِ الْأُمَّةِ خَسْفٌ وَمَسْخٌ وَقَذْفٌ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَتَهْلِكُ وَفِينَا الصَّالِحُونَ قَالَ نَعَمْ إِذَا ظَهَرَ الْخُبْتُ۔ رواہ ترمذی

حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

”اس امت کے آخر میں (یہ عذاب نازل ہوں گے) زمین میں دھنسا دینا، چرے کا مسخ ہونا اور آسمان سے پتھروں کی بارش، پھر فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! کیا ہم ہلاک کر دیے جائیں گے حالانکہ ہم میں نیک لوگ بھی ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! جب فسق و فجور عام ہو جائے گا۔“

جب فسق و فجور عام ہو جائے گا اور فساق و فجار کی کثرت ہوگی تو نیک لوگوں کی موجودگی کے باوجود امت ہلاک کر دی جائے گی۔ اس حدیث مبارک میں خسف کا ذکر ہے جس کا معنی ہے دھنسا جانا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے بعض حصے دھنسا دیے جائیں گے۔ قذف پتھروں کی بارش کو کہتے ہیں اور مسخ انسانوں کا جانوروں میں تبدیل ہو جانا ہے۔ انسان سور، بندر یا کسی اور جانور کی شکل میں تبدیل ہو جائے گا۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ مسخ کی یہ کیفیت درحقیقت جسمانی تبدیلی ہوگی جبکہ بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ دلوں کا تبدیل ہو جانا ہے علماء کی اقلیت یہ رائے رکھتی ہے۔ دل جانور کے دل کی طرح ہو جائے گا۔ جسم انسانوں کی طرح کارہے گا اور دل اور کردار جانور کا ہو جائے گا۔ علماء کی قلیل تعداد یہ رائے رکھتی ہے جب کہ اکثر کی رائے یہی ہے کہ یہ تبدیلی جسمانی ہوگی اور انسان کا جسم جانور کے جسم میں بدل جائے گا۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

[یہ سلسلہ مضامین نابھہ روزگار مجاہد وداعی شیخ انور العولقی شہید رحمۃ اللہ علیہ کے انگریزی میں ارشاد کیے گئے سلسلہ دروس 'Al-Aakhirah – The Hereafter' کا اردو ترجمہ ہیں، جو بتوفیق اللہ، قسط وار مجلہ 'نوائے غزوہ ہند' میں شائع کیے جا رہے ہیں۔ شیخ انور کو دعوت الی اللہ کے جرم میں امریکہ نے ایک ڈرون حملے کا نشانہ بنایا جس میں آپ اپنی ایک اہلیہ سمیت سنہ ۲۰۱۱ء کے نصف ثانی میں جام شہادت نوش کر گئے!]

امیر المومنین

شیخ ہبہ اللہ اخوندزادہ نصرہ اللہ

کی ہدایات..... مجاہدین کے نام

مجاہد کے لیے آداب

اس مہمان کو کھانا کھلائیں، انہوں نے جواب دیا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو پیغمبر مبعوث کیا ہے، میرے پاس پانی کے سوا کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے دوسری زوجہ کی طرف پیغام بھیجا، وہاں سے بھی یہی جواب آیا۔ یہاں تک کہ سب ازواج نے یہی اطلاع دی کہ اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے ہمارے گھر میں پینے کے پانی کے سوا کچھ نہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو مخاطب کیا اور پوچھا کہ کون اس مہمان کو آج رات کھانا کھلائے گا؟ انصار کی طرف سے ایک صحابی نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ! میں کھلاؤں گا۔ تو وہ انصاری صحابی مہمان کو اپنے ساتھ گھر لے گئے اور اپنی اہلیہ سے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا مہمان ہے، ان کا خوب اکرام کرو۔ دوسری روایت میں ہے کہ ان صحابی نے اپنی اہلیہ سے پوچھا کہ گھر میں کھانے کے لیے کچھ ہے؟ بیوی نے جواب دیا کہ بچوں کے کھانے کے سوا کھانے کے لیے کچھ نہیں۔ صحابی نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ بچوں کو کسی طرح کسی چیز پر بہلاؤ اور جب کھانے کا وقت ہو جائے تو انہیں سلا دینا، پھر جب مہمان گھر میں داخل ہو جائے تو چراغ بجھا دینا اور ہم مہمان پر ایسے ظاہر کریں گے کہ جیسے ہم بھی کھانا کھا رہے ہیں۔ گھر والوں نے ایسا ہی کیا، مہمان نے کھانا کھایا جبکہ گھر والے سب بھوکے رہ گئے۔ جب صبح ہو گئی اور یہ صحابی رسول اللہ ﷺ کے دربار میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا ”رات کو مہمان کے ساتھ آپ لوگوں نے جو معاملہ کیا، اللہ کو یہ بہت پسند آیا اور اس کی تعریف کی ہے۔“

امام ترمذی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ ایک انصاری کے پاس رات کو مہمان آیا، ان کے گھر بچوں کے کھانے کے علاوہ کچھ نہیں تھا، تو انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ بچوں کو سلاؤ، چراغ بجھا دو اور مہمان کے لیے وہ سارا کھانا لے آؤ جو گھر میں ہے۔ اس پر ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ﴾ آیت نازل ہوئی۔

تفسیر قرطبی میں ہے:

”وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: أَهْدِي لِرَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَ شَاةٍ فَقَالَ: إِنَّ أَحْيَ فُلَانًا وَعِيَالَهُ أَحْوَجُ إِلَيَّ هَذَا مِثًا، فَبَعَثَهُ إِلَيْهِمْ، فَلَمْ يَزَلْ يَبْعَثُ بِهِ وَاحِدًا إِلَىٰ آخَرَ حَتَّىٰ تَدَاوَلَهَا سَبْعَةُ أَبْنِيَاءٍ، حَتَّىٰ رَجَعَتْ إِلَىٰ أَوَّلِيكَ، فَتَزَلَّتْ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ. ذَكَرَهُ التَّعَلُّبِيُّ عَنْ أَنَسٍ قَالَ: أَهْدِي لِرَجُلٍ مِنَ الصَّحَابَةِ رَأْسَ شَاةٍ وَكَانَ مَجْهُودًا فَوَجَّهَ بِهِ إِلَىٰ جَارِلَهُ، فَتَدَاوَلَتْهُ سَبْعَةُ أَنْفُسٍ فِي سَبْعَةِ أَبْنِيَاءٍ، ثُمَّ عَادَ إِلَى الْأَوَّلِ، فَتَزَلَّتْ: وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ الْآيَةُ۔“

(۹) مجاہدین کے لیے لازم ہے کہ کارروائی جنگ شروع کرنے سے پہلے کوئی نیک کام انجام دیا کریں، اس متعلق امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں ایک خصوصی باب قائم کیا ہے۔ باب کا نام ہے تَابٌ: عَمَلٌ صَالِحٌ قَبْلَ الْقِتَالِ اس میں آپ نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے: «إِنَّمَا تُقَاتِلُونَ بِأَعْمَالِكُمْ» ترجمہ: ”تم اپنے اعمال کے بل بوتے پر لڑتے ہو“ یعنی اعمال صالحہ تمہیں صبر و ثبات عطا کرتے ہیں اور ان کے باعث تمہیں جنگ میں برتری حاصل ہوتی ہے۔

(۱۰) مجاہد کے لیے ضروری ہے کہ اپنے ساتھی کی مدد کرے، اسے مضبوط کرے اور اسے دشمن کے سامنے تہانہ چھوڑے، بلکہ اس سے پہلے اور آگے دشمن کا مقابلہ کرے۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا»، ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ (البخاری حدیث نمبر ۲۰۲۶) ترجمہ: ایک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت کی اینٹوں کی مانند ہے کہ ایک اینٹ دوسری کو مضبوط کرتی ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے بطور مثال ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈال دیں۔ اس طرح انصار کی مدد و تعریف میں اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ ترجمہ: اور یہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود تنگی میں ہوں۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

«جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ : إِنِّي مَجْهُودٌ ، فَأَرْسَلْ إِلَى بَعْضِ نِسَائِهِ ، فَقَالَتْ : وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ ، مَا عِنْدِي إِلَّا مَاءٌ ، ثُمَّ أَرْسَلْ إِلَى أُخْرَى ، فَقَالَتْ مِثْلَ ذَلِكَ ، حَتَّى قُلْنَ كُلُّهُنَّ مِثْلَ ذَلِكَ : لَا ، وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ ، مَا عِنْدِي إِلَّا مَاءٌ ، فَقَالَ : مَنْ يُضَيِّفُ هَذَا اللَّيْلَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ؟ فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ ، فَقَالَ : أَنَا ، يَا رَسُولَ اللَّهِ ، فَأَنْطَلَقَ بِهِ إِلَى رَحْلِهِ ، فَقَالَ لِإِمْرَأَتِهِ : هَلْ عِنْدَكَ شَيْءٌ ؟ قَالَتْ : لَا إِلَّا قُوتٌ صَبِيَانِي ، قَالَ : فَعَلِّمِي بَشِيءًا ، فَإِذَا دَخَلَ ضَيْفُنَا فَأَطْفِئِي السِّرَاجَ ، وَأَرِيهِ أَنَا نَأْكُلُ ، فَإِذَا أَهْوَى لِيَأْكُلَ ، فَقُومِي إِلَى السِّرَاجِ حَتَّى تَطْفِئِيهِ ، قَالَ : فَفَعَّلُوا وَآكَلَ الضَّيْفُ ، فَلَمَّا أَصْبَحَ غَدَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَقَالَ : قَدْ عَجِبَ اللَّهُ مِنْ صَنِيعِكُمَا بِضَيْفِكُمَا اللَّيْلَةَ.» (متفق عليه)

ترجمہ: ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا میں مشقت میں ہوں، یعنی مجھے بھوک لگی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ایک زوجہ محترمہ کے ہاں اطلاع بھیجی کہ

ہمیں معلوم ہے تیرے چمن میں خار ہے اختر
مگر خاروں کا پردہ دامن گل سے نہیں بہتر
چھپانا منہ کسی کانٹے کا دامن میں گل تر کے
تعجب کیا چمن خالی نہیں ہے ایسے منظر سے

اہل اللہ کی صحبت کا ادنیٰ فائدہ یہ ہے کہ ان سے تعلق رکھنے والا گناہ پر قائم نہیں رہتا، توفیقِ توبہ ہو جاتی ہے اور شقاوتِ سعادت سے تبدیل ہو جاتی ہے۔ بخاری کی روایت ہے:

هم الجلساء لا يشقى جلسهم.

اہل اللہ صالحین کی صحبت میں بیٹھنے والا ان ہی کے ساتھ درج ہو جاتا ہے۔ ان تمام نعمتوں میں جو اللہ تعالیٰ اللہ والوں کو عطا فرماتا ہے اور اہل اللہ کا اکرام ہوتا ہے۔ جیسے معزز مہمان کے ساتھ ان کے ادنیٰ خدام کو بھی وہی اعلیٰ نعمتیں دی جاتی ہیں جو معزز مہمان کے لیے خاص ہوتی ہیں۔ پس اہل اللہ کے جلس و ہم نشین کو بھی ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ محروم نہیں فرماتے۔

بس اب دعا کر لیجیے کہ جو کچھ عرض کیا گیا، اللہ تعالیٰ اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، ہم لوگوں کو دل سے استغفار و توبہ کی توفیق نصیب فرمائے اور ہم سب کو اللہ تعالیٰ اپنا صحیح اور قوی تعلق نصیب فرمائے۔ اور اے اللہ! صدیقین کا جو انتہائی مقام ہے، جہاں ولایت ختم ہو جاتی ہے، اے اللہ! آپ کریم ہیں اور نالوں پر بھی فضل فرمانے والے ہیں۔

أنت الكريم، اے اللہ! اپنے کریم ہونے کی شان کے مطابق ہم سب کو اولیائے صدیقین کے آخری مقام ولایت، جو انتہائے ولایت ہے جہاں پر ولایت ختم ہوتی ہے، اے اللہ! ہم سب کو وہاں پہنچا دیجیے اور اولیاء کے اخلاق، ان کا ایمان اور ان کا یقین ہم سب کو نصیب فرما دیجیے۔ ہماری دنیا و آخرت بنا دیجیے، ہماری اور ہمارے بچوں کی، ہمارے گھر والوں کی اصلاح فرما دیجیے، تزکیہ نفس فرما دیجیے، ہم سب کی دنیا بھی سنوار دیجیے اور آخرت بھی بنا دیجیے، آمین۔

☆☆☆☆☆

ترجمہ: حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابہ میں سے ایک کو ایک بکرے کا سر تحفہ کے طور پر پیش کیا گیا۔ اس نے کہا: میرا فلاں بھائی اور اس کے اہل ہم سے زیادہ اس کے ضرورت مند ہیں۔ انہوں نے وہ سر اس کی طرف بھیج دیا۔ وہ سر لگاتار ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف بھیجا جاتا رہا یہاں تک کہ وہ سات گھروں تک پہنچا اور پھر انہی تک واپس آگیا تو یہ آیت نازل ہوئی، تعلیٰ نے اسے حضرت انس (رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا ہے۔ صحابہ کرام میں سے ایک کو بکری کا سر تحفہ کے طور پر پیش کیا گیا جو بہت تنگدست تھے۔ انہوں نے وہ سر اپنے پڑوسی کو بھیج دیا۔ وہ سر سات گھروں میں گھومتا رہا، حتیٰ کہ وہ پہلے کی طرف لوٹ آیا تو یہ آیت ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ﴾ نازل ہوئی۔

ہر مسلمان اور بالخصوص مجاہد کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ اپنی ضرورت پر دوسرے مسلمان اور مجاہد کی ضرورت کو ترجیح دے۔

”عَنْ أَبِي جَهْمٍ بْنِ حَذِيفَةَ الْعَدَوِيِّ، قَالَ: " انْطَلَفْتُ يَوْمَ الْبُرْمُوكِ أَطْلُبُ ابْنَ عَمِّي، وَمَعِيَ شَنَّةٌ مِنْ مَاءٍ، أَوْ إِنَاءٌ، فَقُلْتُ: إِنْ كَانَ بِهِ رَمَقٌ سَقَيْتُهُ مِنَ الْمَاءِ، وَمَسَحْتُ بِهِ وَجْهَهُ، فَإِذَا أَنَا بِهِ يَنْشَعُ، فَقُلْتُ: أَسْقِيكَ؟ فَأَشَارَ: أَيُّ نَعَمْ، فَإِذَا رَجُلٌ يَقُولُ: آه، فَأَشَارَ ابْنُ عَمِّي أَنْ أَنْطَلِقَ بِهِ إِلَيْهِ، فَإِذَا هُوَ هِشَامُ بْنُ الْعَاصِ أَخُو عَمْرٍو، فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ: أَسْقِيكَ؟ فَسَمِعَ آخَرَ فَقَالَ: آه، فَأَشَارَ هِشَامٌ: أَنْ أَنْطَلِقَ بِهِ إِلَيْهِ، فَجِئْتُهُ فَإِذَا هُوَ قَدْ مَاتَ، فَجَعَلْتُ إِلَى هِشَامٍ فَإِذَا هُوَ قَدْ مَاتَ، فَجَعَلْتُ إِلَى ابْنِ عَمِّي فَإِذَا هُوَ قَدْ مَاتَ " (البیهقی فی شعب الایمان، رقم 3208)

ترجمہ: ابو جہم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یرموک کے دن میں زخیوں میں اپنے چچا کے بیٹے کو تلاش کر رہا تھا اور میرے ہاتھ میں پانی تھا، میں سوچ رہا تھا کہ اگر اس میں ابھی تک جان ہو تو میں اس کو ایک گھونٹ پانی پلا دوں گا اور اس کے چہرے کا بھی چھڑکاؤ کر لوں گا، اس دوران اچانک وہ مجھے ایسی حالت میں نظر آیا کہ بس وہ آخری سانس لے رہا تھا، میں نے اس سے پوچھا کہ پانی پلاؤں؟ اس نے اشارہ سے جواب دیا کہ ہاں دے دو، اس دوران ایک دوسرا زخمی کراہنے لگا، تو میرے چچا کے بیٹے نے کہا کہ اس کو دے دو۔ میں نے دیکھا کہ وہ دوسرے زخمی عمرو کے بھائی ہشام ابن العاص تھے، میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کو پانی پلاؤں؟ میری یہ بات ایک تیسرے زخمی نے سن لی اور اس کی زبان سے آہ نکل گئی، ہشام نے کہا کہ (مجھے مت دو، پہلے) اس کو دے دو۔ جب میں اس کے پاس گیا تو وہ شہید ہو چکے تھے، میں ہشام کی طرف واپس لوٹا تو دیکھا کہ وہ بھی زندہ نہیں، پھر چچا کے بیٹے کی طرف گیا تو یہاں کے ساتھ وہ بھی شہید ہو گئے تھے۔

یہ ان اہل ایمان کا ایثار اور وفاداری تھی کہ اس قدر سخت وقت میں بھی اپنے اوپر دوسرے مسلمان اور ساتھی کو ترجیح دی۔

(وما علينا إلا البلاغ المبين!)

مجاہد جہاد کیوں چھوڑ جاتا ہے؟

ابو البراء الإبطی

یہ تحریر یمن کے ایک مجاہد مصنف ابوالبراء الإبطی کی تصنیف تبصرة الساجد فی أسباب انتكاسة المجاهد کا ترجمہ ہے۔ انہوں نے ایسے افراد کو دیکھا جو کل تو مجاہدین کی صفوں میں کھڑے تھے، لیکن آج ان صفوں میں نظر نہیں آتے۔ جب انہیں تلاش کیا تو دیکھا کہ وہ دنیا کے دیگر دھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ایسا کیوں ہوا؟ اور اس سے کیسے بچا جاسکتا ہے؟ یہ تحریر ان سوالوں کا جواب ہے۔ (ادارہ)

چودھویں وجہ: عجب

عجب کیا ہے؟ امام ابن المبارک رحمہ اللہ نے اسے مختصر عبارت میں بیان کیا ہے:

”کہ تم دیکھو کہ تمہاری پاس ایسی چیز ہے جو دوسرے کے پاس نہیں۔“

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے آپ کی بھلائی بیان کرنے اور تعریف کرنے سے منع کیا ہے۔ پس فرمایا:

فَلَا تَرْكُؤْا أَنْفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَى ○ (سورۃ النجم: ۳۲)

”تو اپنے آپ کو پاک صاف نہ جتاؤ۔ جو پرہیز گار ہے وہ اس سے خوب واقف ہے۔“

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”انسان کا اپنے آپ کے بارے میں عجب کرنا یہ ہے: کہ وہ یہ گمان کرے کہ وہ کامل ہے۔ جبکہ اللہ کے انعامات بھول جائے۔ اگر اس احساس کے ساتھ وہ دوسروں کو حقیر بھی جانے تو یہ وہ تکبر ہے جس کی مذمت کی جاتی ہے۔“

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (غزوہ حنین کے موقع پر) نبی کریم ﷺ کے ہونٹ ہلتے رہتے تھے اور مجھے سمجھ نہ آتی تھی وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ اور نہ ہی وہ ہمیں بتاتے تھے۔ بعد میں آپ ﷺ نے فرمایا: أَفَطَنْتُمْ لِي، ”کیا تم لوگوں نے محسوس کر لیا؟“۔ ہم نے کہا: جی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: إِنِّي ذَكَرْتُ نَبِيًّا مِنْ الْأَنْبِيَاءِ أُعْطِيَ جُنُودًا مِنْ قَوْمِهِ (وفی رواية: أعجب بامتہ)، فَقَالَ: مَنْ يُكَافِ هَؤُلَاءِ؟ أَوْ مَنْ يَقُومُ لَهُؤُلَاءِ؟ أَوْ غَيْرَهَا مِنْ الْكَلَامِ (وفی الروایة الأخری: من يقوم لهؤلاء ولم يشك). فَأُوجِبِي إِلَيْهِ أَنْ اخْتَرِ لِقَوْمِكَ إِحْدَى ثَلَاثٍ إِمَّا أَنْ تُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ غَيْرِهِمْ أَوْ الْجُوعَ أَوْ الْمَوْتَ. فَاسْتَشَارَ قَوْمَهُ فِي ذَلِكَ. فَقَالُوا: أَنْتَ نَبِيُّ اللَّهِ فَكُلُّ ذَلِكَ إِلَيْكَ خِزْلَنَا. فَقَامَ إِلَى الصَّلَاةِ وَكَانُوا إِذَا فَرَعُوا فَرَعُوا إِلَى الصَّلَاةِ فَصَلَّى مَا شَاءَ اللَّهُ. قَالَ: ثُمَّ قَالَ: أَيُّ رَبٍّ أَمَّا عَدُوٌّ مِنْ غَيْرِهِمْ فَلَا أَوْ الْجُوعَ فَلَا وَلَكِنْ الْمَوْتُ. فَسَلِّطَ عَلَيْهِمُ الْمَوْتَ فَمَاتَ مِنْهُمْ (فی يوم) سَبْعُونَ أَلْفًا فَهَمْسِي الَّذِي تَرَوْنَ أَنِّي أَقُولُ: اللَّهُمَّ بَكَ أَحُولُ وَلَكَ أَصُولُ وَبِكَ أَقَاتِلُ (وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ).

”مجھے ایک نبی کی یاد آئی جنہیں اپنی امت میں بڑی تعداد میں جنگجو دیے گئے۔ ان کے منہ سے یہ جملہ نکل گیا کہ: ان لوگوں کے برابر کون ہے۔ یا ان کا مقابلہ کون کر سکتا ہے۔ یا اسی طرح کی

کوئی اور بات۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر ان کی طرف وحی بھیجی اور انہیں تین میں سے کسی ایک بات کا اختیار دیا کہ: یا تو ان پر کسی دوسری قوم کا دشمن مسلط کر دوں۔ یا بھوک کو مسلط کر دوں۔ اور یا موت کو؟ پیغمبر نے اپنی قوم سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا: آپ اللہ کے پیغمبر ہیں۔ یہ سب آپ کی مرضی ہے۔ آپ ہمارے لیے منتخب کریں۔ وہ پیغمبر نماز پڑھنے لگے۔ کیونکہ جب انہیں مشکل پیش آتی تو وہ نماز کی طرف لپکتے تھے۔ انہوں نے جتنی چاہی نماز پڑھی۔ پھر فرمایا: اے رب! دوسری قوم سے دشمن تو نہیں۔ اور بھوک بھی نہیں۔ البتہ موت مسلط کر دیں۔ تو ان میں سے ستر ہزار مر گئے۔ تو آپ جو میرے ہونٹ ہلتے دیکھتے ہیں تو میں یہ کہتا ہوں: اللَّهُمَّ بَكَ أَحُولُ وَلَكَ أَصُولُ وَبِكَ أَقَاتِلُ (وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ).

”اے اللہ! میں تری ہی مدد سے حیلہ کرتا ہوں۔ تیری ہی مدد سے حملہ کرتا ہوں۔ اور تیری ہی مدد سے قتال کرتا ہوں۔ اور اللہ کے سوانہ کسی کا چارہ ہے اور نہ قوت۔“ (بروایت احمد۔ صحیح الزبانی)

اے مجاہد بھائی! پیغمبر کو اپنے سپاہیوں اور ان کی تعداد پر عجب ہو۔ تو اللہ نے ان پر گرفت کی۔ یہ شرعی سنت ہے جس پر ایمان لانا چاہیے۔ اور اسے اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔ جو بندہ بھی اپنی قوت، جاہ، مال، اقتدار، شرافت، خاندان، عقل یا عسکری تجربہ پر عجب کرتا ہے۔ اللہ اسے بھی سزا دیتا ہے اور جو ان کے ساتھ ہوتے ہیں انہیں بھی۔ چاہے ان کے درمیان سردار کائنات اور بہترین صحابہ ہی کیوں نہ ہوں۔ جیسے کہ اللہ رب العزت نے حنین کے دن اپنے نبی ﷺ اور صحابہ کا قصہ بیان کیا:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَوَعَدَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ (سورۃ التوبة: ۲۵)

”خدا نے بہت سے موقعوں پر تم کو مدد دی ہے اور (جنگ حنین کے دن۔ جب تم کو اپنی جماعت کی) کثرت پر غرہ تھا تو وہ تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی۔ اور زمین باوجود (اتنی بڑی) فرانگی کے تم پر تنگ ہو گئی۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اکثر عجب کے ساتھ دکھاوا بھی مل جاتا ہے۔ اور دکھاوا (ریاکاری) لوگوں کو اللہ کے شریک بنانے میں سے ہے۔ جبکہ عجب اپنے آپ کو اللہ کے شریک بنانے میں سے ہے۔ یہ متکبر کی

حالت ہے۔ ریاکار اللہ تعالیٰ کے فرمان اِيَّاكَ نَعْبُدُ (اے پروردگار ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں) کو پورا نہیں کرتا۔ اور عجب زدہ اللہ کے فرمان اِيَّاكَ ذَسْتَعِيْنُ (اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں) کو پورا نہیں کرتا۔ جو اللہ کے قول کو پورا کرے توہ ریاکاری سے نکل جاتا ہے۔ اور جو اللہ کے قول کو پورا کرتا ہے وہ عجب سے بچ جاتا ہے۔“

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ثلاث مهلكات: شح مطاع و هوى متبع و إعجاب المرء بنفسه [وہی اشدھن]۔

”تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں: ایسا حرص و بخل انسان جس کا غلام بن جائے۔ ایسی خواہش نفس جس کی پیروی کی جائے۔ اور مرد کا اپنے نفس پر گھمنڈ کرنا ہے۔ (اور یہ تیسری چیز ان سب میں بدترین خصلت ہے)۔ (بروایت بیہقی۔ حسن از البانی)

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

يَبْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي فِي حُلَّةٍ تُعْجِبُهُ نَفْسُهُ مُرْجَلٌ جُمْتُهُ إِذْ خَسَفَ اللَّهُ بِهِ فَهُوَ يَتَجَلَّجَلُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

”ایک آدمی حلقہ پہنے ہوئے اپنے سر میں کنگھی کرتا ہوا اپنے دل میں بہت خوش ہوتا جا رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دھنسا دیا اور قیامت تک اسی طرح دھنستا رہے گا۔“ (متفق علیہ)

اپنے کسی کام کو بڑا جاننا عجب ہی ہے۔ اور انسان کا اپنے آپ پر عجب کرنا بھی شر ہے۔ اور بڑا اثر ہے۔

ابن المبارک رحمہ اللہ نے فرمایا:

”میں نمازیوں میں عجب سے زیادہ بری چیز نہیں جانتا۔“

اگرچہ گناہ ہلاکت خیز بھی ہوتے ہیں لیکن بسا اوقات وہ گناہ گار پر رحمت کا سبب بھی بنتے ہیں کیونکہ وہ ان کے ذریعے سے عجب سے بچ جاتا ہے جو کہ یقینی ہلاکت ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَوْلَمْ تَكُونُوا تَذْنِبُونَ، خَشِيتُ عَلَيْكُمْ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ : الْعَجَبُ.

”اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے ہوں مجھے تم پر اس سے زیادہ چیز کا خطرہ ہوتا (یعنی کہ) عجب۔ (بروایت بیہقی۔ حسن از البانی)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”ہلاکت دو چیزوں میں ہے: عجب اور مایوسی۔“

ان دونوں کو اکٹھا اس لیے ذکر کیا کہ خوشحالی چاہنے اور کوشش کیے بغیر نہیں آتی۔ جبکہ مایوس کوشش ہی نہیں کرتا۔ اور عجب میں مبتلا شخص یہ سمجھتا ہے کہ اسے اپنی مراد حاصل ہو گئی ہے اس لیے وہ بھی کوشش نہیں کرتا۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”جو عجب میں مبتلا ہو۔ اسے چاہیے کہ اپنے گناہوں پر سوچے۔ اگر اسے اپنی اچھائیوں پر عجب ہو تو ڈھونڈے اس میں کتنے برے اخلاق ہیں۔ اگر اسے اپنے آپ میں کوئی غلطی نظر نہ آئے اور وہ گمان کرنے لگے کہ اس میں کوئی عیب ہی نہیں۔ تو جان لے کہ اس کی مصیبت کی انتہا نہیں۔ اور یہ کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ ناقص ہے اور سب سے بڑا عیب اس میں ہے اور تمیز کرنے میں سب سے زیادہ کمزور ہے۔ پہلی بات کہ اس کی عقل کمزور ہے اور جاہل ہے۔ اور اس سے سخت عیب کوئی اور نہیں۔ اس لیے کہ عاقل وہ ہے جو اپنے نفس کے عیوب کی تمیز کرے اور ان پر غلبہ حاصل کرے اور کوشش کرے کہ وہ ختم ہو جائیں۔ اور احمق وہ ہے جو اپنے عیوب سے جاہل ہو۔ چاہے وہ علم کی کمی کے سبب ہو یا سوچی کی کمزوری کے سبب۔ اور یا اس لیے کہ وہ اپنے عیوب کو خوبیاں سمجھ رہا ہو۔“

ابن بادیس رحمہ اللہ نے فرمایا: ”جب آدمی اپنے آپ پر عجب کرے تو وہ اپنی خامیوں سے اندھا ہو جاتا ہے۔ اور انہیں دور کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اور خوبیوں سے غافل ہو جاتا ہے۔ انہیں حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اس طرح وہ بغیر اخلاق کے جینے لگتا ہے۔ ہر شر کا منبع ہوتا ہے۔ اور ہر خیر سے دور۔“

امام ذہبی رحمہ اللہ میزان میں فرماتے ہیں: ”عالم کو چاہیے کہ وہ اپنے ارادے اور حسن نیت کے مطابق بات کرے۔ لیکن اگر اسے اپنی بات پر عجب ہونے لگے تو چپ ہو جائے۔ اور جب اسے چپ رہنے پر عجب ہو تو بولنا شروع کرے۔ وہ خود احتسابی میں کمزور نہ پڑ جائے۔ کیونکہ نفس کو تو نمایاں ہونا اور تعریف پسند ہوتی ہے۔“

ابن المعثر رحمہ اللہ نے فرمایا: ”عقل کی آفتوں میں سب سے بری عجب ہے۔“

عجب میں مبتلا شخص اپنے مد مقابل کی طرف سے آنے والے حق کو قبول نہیں کرتا۔ بلکہ اسے نیچ اور حقیر جانے لگتا۔ یہ دونوں طرف سے حق قبول کرنے میں مانع ہے۔

اسحاق بن خالد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ابلیس کی کمر توڑنے والا اس سے بڑھ کر کچھ نہیں کہ انسان کہے: کیا جانوں میرا خاتمہ کیسے ہو گا؟ اس وقت ابلیس مایوس ہو جاتا ہے اور کہتا ہے: اسے اپنے فضل پر عجب کب ہو گا؟“

اپنے آپ کو حقیر جاننا اور عاجزی ناگزیر ہے۔

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا کہ:

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ يُؤْتِي بِلَاذِنِ اللَّهِ ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ۝ (سورة فاطر: ۲۰)

”پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا جن کو اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا۔ تو کچھ تو ان میں سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ اور کچھ میانہ روی ہیں۔ اور کچھ خدا کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں۔ یہی بڑا فضل ہے۔“

تو انہوں نے فرمایا:

”نیکیوں میں آگے نکل جانے والے تو وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھے اور ان کے لیے آپ ﷺ نے جنت کی گواہی دی۔ میانہ رو تو آپ ﷺ کی پیروی کرنے والے وہ صحابہ ہوں جو ان کے ساتھ جا ملے۔ جبکہ اپنے آپ پر ظلم کرنے والے میری اور تمہاری طرح کے لوگ ہیں۔“ پس انہوں نے اپنے آپ کو سوا لیوں کے ساتھ گردانا۔

شیخ محمد حامد الفقی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: ”انہوں نے یہ عاجزی اور انکساری میں کہا ورنہ وہ سابقین مقررین میں سے ہیں۔“

ابن القیم رحمہ اللہ نے فرمایا: ”جو اپنی عیب کو نہ جانتا ہو وہ اسے ختم نہیں کر سکے گا۔ اور جب اپنے عیب پر مطلع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی خاطر اسے برا جانے گا۔“

بکر المرزئی رحمہ اللہ نے فرمایا: ”میں نے جب عرفات والوں کو دیکھا تو مجھے گمان ہو کہ ان کی مغفرت کی جائے گی اگر میں ان میں نہ ہوتا۔“

محمد بن واسع رحمہ اللہ نے فرمایا: ”اگر گناہوں کی بدبو ہوتی تو میرے ساتھ کوئی بیٹھ نہ سکتا۔“

یونس بن عبید رحمہ اللہ نے فرمایا: ”میں بھلائی کی سو خصلتوں میں سے کوئی ایک نہیں جانتا جو مجھ میں ہو۔“

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”انسان مکمل فقیہ نہیں ہو سکتا ہے جب تک اللہ تعالیٰ کے معاملے میں لوگوں کو برا جانے۔ پھر جب اپنے آپ کو دیکھے تو اسے اور بھی برا جانے۔“

[اے اللہ تحریر ہذا کے مؤلف، مترجم و دیگر خدام کی مغفرت فرما اور عجب جیسے ہلاکت خیز گناہ سے اپنی پناہ میں رکھ، ولا حول ولا قوۃ الا بک!]

☆☆☆☆☆

بقیہ: سیلاب زدگان کی امداد

آخر میں ہماری دعا ہے کہ اللہ سیلاب سے متاثر ہمارے ان بھائیوں بہنوں کے لیے آسانیاں پیدا فرمائے، اس نقصان کا انہیں نعم البدل عطا کرے، ان کے بچوں، بزرگوں اور خواتین پر رحم

فرمائے، جو بیمار ہیں انہیں شفا دے اور جو اس مصیبت میں وفات پا چکے ہیں اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔ تمام مسلمانوں اور بالخصوص متاثرین سے یہ درخواست بھی کرتے ہیں کہ وہ دنیا بھر کے مظلومین کو اپنی دعا میں یاد رکھیں اور مسلمانانِ ہند و کشمیر کے لیے بھی یہ دعا کریں کہ اللہ انہیں مشرکین کے ظلم سے نجات دے، ان کے دین، جان، مال اور عزت کی حفاظت کرے، بنگلہ دیش کے ہمارے بھائیوں کا بھی اللہ حامی و ناصر ہو، جس سیکولر اور ہند تو ایلاخار کا انہیں سامنا ہے، یہ ایک نازک اور حساس محاذ ہے، اس میں اللہ ان کے لیے آسانی پیدا فرمائے، انہیں رہنمائی سے نوازے اور پورے برصغیر کے اہل ایمان کی آنکھوں کی ٹھنڈک انہیں ثابت کرے، یہ بھی دعا کریں کہ اللہ امت مسلمہ کے دفاع میں کھڑے تمام مجاہدین کی مدد و نصرت فرمائے، ظلم کی اس رات کو برصغیر اور پوری دنیا میں ختم کرے اور ہمیں وہ صبح یہاں دکھائے کہ جس میں اللہ کا دین غالب ہو اور غیر اللہ شیطاں کا دین مغلوب ہو، آمین ثم آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

[بشکریہ: ادارہ السحاب برصغیر]

☆☆☆☆☆

امت کے قائدین: علمائے راسخین ہیں!

”عالم اسلام میں علما کی مثال ایسی ہے جیسے جسم میں شریانیں۔ جو فعال رہیں تو جسم نشوونما پاتا ہے اور مضبوط رہتا ہے۔ جب شریانیں کمزور ہو جائیں اور اپنا کام چھوڑ دیں تو روح جسم کا ساتھ چھوڑنے لگتی ہے، افعال معطل ہو جاتے ہیں اور جسم مردہ ہو جاتا ہے۔ اگر عالم اسلام کے علمائے کرام فکر اور عمل میں متفق ہو جائیں تو دنیا کی کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس لیے کہ سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی ترقی مسلمانوں کی جماعتوں کے اتحاد پر منحصر ہے اور ان جماعتوں کے قائد علمائے راسخین ہیں۔ میں ایک بار پھر تاکید کرتا ہوں کہ اے برادر علمائے کرام! آپ متحد رہیں اور اس تحریک میں ہمارے ساتھ جو تعاون ممکن ہو، کر گزریں۔“

(امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد رحمہ اللہ کا مسلمانانِ افغانستان سے پہلا خطاب)

سیلاب زدگان کی امداد ضرورت، فضیلت اور درخواست

استاد اسامہ محمود

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله الكريم

بزرگوار پوری دنیا میں بسنے والے میرے مسلمان بھائیو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

پاکستان میں سیلاب کے باعث آج کروڑوں ہمارے بھائی بہن بے گھر ہیں، لاکھوں کی تعداد میں ان کے مویشی ہلاک ہو گئے ہیں اور زرعی اراضی کا کوئی دو تہائی حصہ تباہ ہو گیا ہے، اسی طرح لاکھوں مرد، خواتین اور بچے وبائی امراض کا شکار ہیں اور اس سے بھی زیادہ بڑی تعداد کو خوارک کی کمی کا سامنا ہے۔

یہ ہمارا موضوع ہے، اس پر ان شاء اللہ آج بات کریں گے، مگر یہاں یہ وضاحت بھی عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ بعض ناگزیر مسائل اور سفر کے سبب ہم اپنی یہ باتیں اپنے بھائیوں تک بروقت نہیں پہنچا سکتے اور اب، جب موقع میسر آیا ہے تو آپ کے سامنے یہ رکھ رہے ہیں۔

تو عرض یہ ہے کہ سیلاب اور اس کے بعد کی یہ صورت حال مسلمانان پاکستان، بلکہ پوری دنیا کے اہل ایمان کے لیے کسی امتحان سے کم نہیں ہے۔ ایک طرف خود سیلاب سے متاثرہ افراد سے یہ امتحان تقاضہ کرتا ہے کہ وہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں، اس تکلیف میں بھی ان کے ہاتھ سے صبر کا دامن نہ چھوڑے اور یہ یقین رکھیں کہ اس مصیبت میں اگر انہوں نے اپنے رب، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو راضی رکھا، اس سے خیر ہی کی امید رکھی تو جس نقصان کا انہیں سامنا ہے، وہ رب دنیا میں بھی انہیں اس کا بہترین بدلہ عطا کر دیں گے اور آخرت میں بھی اس کے ثمر سے ان شاء اللہ یہ محروم نہیں ہوں گے۔

دوسری طرف پاکستان کے دیگر اہل ایمان، بلکہ پوری امت کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنے ان بھائیوں کی مدد کرے اور مصیبت کی اس گھڑی میں انہیں اکیلا نہ چھوڑے۔ بے شک مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور مصیبت میں مبتلا اپنے بھائی کی مدد کرنا اللہ کو راضی کرنے کا ایک یقینی وسیلہ ہے، جو بھی اپنے بھائی کی ایسے وقت میں دادرسی کرتا ہے، اللہ دنیا و آخرت دونوں میں اس کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑتا، جبکہ جو استطاعت کے باوجود اپنے ضرورت مند بھائی کی پکار پر لبیک نہیں کہتا، اللہ ایسے فرد کو اس کی اس بے حسی پر جلد یا بدیر ضرور پکڑتا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرتا ہے، اللہ اس کی ضرورت پوری کرتا ہے، من کان فی حاجة أخیه کان اللہ فی حاجتہ، اور اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا ہے

کہ جو کسی بیوہ اور مسکین کی حاجت روی کرتا ہے اور ان کی خدمت کے لیے محنت اٹھاتا ہے تو اس کی مثال اللہ کی راہ کے مجاہد جیسی ہے، ”الساعي على الأرملة والمسكين كالمجاهد في سبيل الله“۔

اس موقع پر ہم پاکستان میں موجود تمام مجاہدین اور تحریک جہاد سے محبت رکھنے والے سب اہل ایمان سے یہ گزارش کرتے ہیں کہ وہ خود بھی متاثرین کی خدمت کے لیے آگے بڑھیں، اس میں اپنا حصہ ڈالیں اور دیگر لوگوں کو بھی اس کی تحریض دیں۔ ہماری تحریک جہاد کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہمارے بھائیوں کا دین اور دنیا محفوظ ہو اور وہ عزت، عافیت اور اطمینان کے ساتھ اپنے رب کی بندگی کریں۔ اس مقصد کے لیے جہاں ظالم طواغیت کے خلاف ہم مجاہدین برسر جنگ ہیں اور اپنے جہاد کو عدل و انصاف اور امن و امان کے قیام کا ایک بڑا وسیلہ سمجھتے ہیں، بالکل اسی طرح اپنے بھائیوں مسلمان عوام کی خدمت کرنا، ان کے دکھ درد میں ان کا ساتھ دینا، ضرورت میں ان کے کام آنا اور ان سے تکلیف ہٹانا بھی ہم مجاہدین کی ذمہ داری ہے اور ضروری ہے کہ یہ بھی ہماری تحریک جہادی زندگی کا ایک اہم حصہ ہو۔ اس موقع پر اچھا ہو گا کہ اپنی اور دیگر بھائیوں کی تذکیر کے لیے یہاں ایک اور مبارک حدیث بھی آپ کے سامنے رکھوں جس کو طبرانیؒ نے نقل کیا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے: ”أَحَبُّ النَّاسِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ“..... لوگوں میں اللہ کو سب سے زیادہ محبوب وہ آدمی ہے جو دیگر لوگوں کے لیے زیادہ مفید ہو..... ”وَأَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى سُورُورٌ تُدْخِلُهُ عَلَى مُسْلِمٍ“..... اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے محبوب عمل کسی مسلمان کو خوشی دینا ہے..... ”أَوْ تَكْشِفُ عَنْهُ كُرْبَةً“..... یا اس سے تکلیف ہٹانا ہے..... ”أَوْ تَقْضِي عَنْهُ دَيْنًا“..... یا اس کی طرف سے قرض اتارنا ہے..... ”أَوْ تَطْرُدُ عَنْهُ جُوعًا“..... یا اس کی بھوک میں اس کو کھانا کھانا ہے..... ”وَلَنْ أَمُوتَ مَعَ أَحْيٍ فِي حَاجَةٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَعْتَكَفَ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ - يَعْنِي مَسْجِدَ الْمَدِينَةِ - شَهْرًا“..... اور ایک مسلمان بھائی کی حاجت پوری کرنے کے لیے اگر میں اس کے ساتھ چلوں تو یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اس مسجد میں (یعنی مسجد نبویؐ میں) ایک ماہ کا اعتکاف کروں..... ”وَمَنْ كَفَّ غَضَبَهُ سَتَرَهُ اللَّهُ عَوْنَهُ“..... اور جس نے اپنا غصہ روک لیا اللہ اس کے عیوب پر پردہ ڈالے گا..... ”وَمَنْ مَشَى مَعَ أَخِيهِ فِي حَاجَةٍ حَتَّى يَهْتَيَّ لَهُ“..... اور جو اپنے بھائی کے ساتھ اس کی حاجت پوری کرنے کے لیے چلا

اور اس کو پورا کیا..... ”اُتْبَتَ اللَّهُ قَدَمَهُ يَوْمَ تَرْوُلُ الْأَعْدَامُ“..... اللہ اُس دن اس کے قدموں کو مضبوط کرے گا جس دن قدم ڈگمگائیں گے۔^۱

افسوس ہے کہ قوم پر مسلط سیاسی و عسکری طبقے کو مصیبت کی اس گھڑی میں بھی اللہ کی طرف رجوع کی توفیق نہیں ہوئی اور یہ اپنی روش سے توبہ تائب ہونے کی بجائے التامزید اپنی سرکشی میں آگے بڑھ گئے۔ اس موقع پر بھی انہوں نے باہر جا کر امت کے دشمنوں کے سامنے اسلام اور اہل اسلام کے خلاف جنگ میں ان کا ساتھ دینے کی بھرپور یقین دہانی کرائی اور نام نہاد ’دہشت گردی‘ کے خلاف جنگ کا ڈھونگ رچا کر ایک دفعہ پھر ڈالروں کی بھیک مانگی۔ یہ طرز عمل ایک دفعہ پھر دکھا رہا ہے کہ اس طبقے کو نہ اللہ کا خوف ہے اور نہ ہی یہ کسی طرح قوم کا خیر خواہ ہے، یہ واضح کرتا ہے کہ اس طبقے کا ہدف بس اپنا مفاد، اپنا پیٹ، اپنی ترقی، اپنا رویہ اور اقتدار ہے اور یہ وہ مقاصد ہیں کہ جن کی وجہ سے ان کا اول و آخر مقصد بس اپنی برائے نام خدمت کی نمود و نمائش ہے۔

اس صورت حال میں یہاں کے اہل دین طبقات کی ذمہ داری مزید بڑھ جاتی ہے اور ان کے لیے ناگزیر ہو جاتا ہے کہ وہ بھی اپنی مدد آپ کے تحت اس میدان میں خود کھڑے ہوں اور اپنے وسائل و ذرائع استعمال کرتے ہوئے اپنے بھائیوں کی خدمت کی یہ ذمہ داری سنبھالیں۔ الحمد للہ اہل دین کی ایک مناسب تعداد اس طرف متوجہ ہے اور بے لوثی کے ساتھ وہ عوام کی خدمت کر رہی ہے، ہم ان بھائیوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور ان کے لیے دعا گو ہیں، اللہ انہیں اس کارِ خیر پر جزائے خیر دے اور ان کی ان مساعی میں برکت ڈالے۔ ماضی میں ثابت ہوا ہے کہ یہاں ایسے مواقع پر بھی بہت زیادہ بد عنوانی ہوئی ہے نتیجتاً امدادی ساز و سامان کی موجودگی کے باوجود حق دار اپنے حق سے محروم رہے۔ ایسے میں ان دینی شعور رکھنے والے بھائیوں کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے کہ وہ اخلاص، ہمدردی اور خدا ترسی کا جذبہ لیے اس خدمت کو ذمہ داری اور دیانت داری کے ساتھ خود منظم کریں۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ یہ بھائی متاثرین کے زخموں پر مرہم رکھنے کے ساتھ ساتھ ان کا دین بچانے والے بھی بن جائیں اور اس موقع کو انہیں اپنے رب کے ساتھ جوڑنے کے لیے بھی استعمال کریں۔ افسوس ہے کہ ماضی میں بعض قوتوں نے امداد کے نام پر متاثرین کے دین پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی اور ان کے اس عمل نے دکھا دیا تھا کہ ان کا اہم مقصد مسلمانوں کو بس ان کے دین سے بے زار کرنا ہے۔

یہاں ہم یہ بھی عرض کریں کہ امداد کے ساتھ ساتھ دوسرا اہم کام مستقبل میں ایسی کسی آزمائش میں نقصان کا سد باب کرنا ہے، افسوس ہے کہ ۲۰۱۰ء کے سیلاب کے بعد اگر حکومتی سطح پر سنجیدگی کے ساتھ اس ضمن میں کوئی کوشش ہو چکی ہوتی تو آج نقصان نسبتاً کم ہوتا۔ اب

یہ موقع ہے کہ قوم کے فکر مند افراد منصوبہ بندی کریں اور اصحاب اختیار کو مجبور کریں کہ وہ قومی وسائل کا ایک حصہ قوم کے تحفظ کے اس ضروری کام پر بھی صرف کریں۔

اس سے متصل اور اہم بات یہ ہے کہ عالمی سطح پر، یہ موجودہ قدرتی آفات آج کے اس سرمایہ دارانہ نظام کی آخری حد تک قباحیت اور خطرناکی ہمیں دکھا رہی ہیں، یہ نظام صرف انسانوں کے اخلاق، ان کے خاندان اور ان کی روحانی و معاشرتی زندگی کو تباہ نہیں کر رہا ہے، بلکہ اس دجالی نظام کے باعث آج زمین پر موجود پوری کی پوری زندگی کو خطرہ ہے۔ خود مغربی ماہرین کہتے ہیں کہ ان سیلابوں اور طوفانوں کا سبب زمین کے درجہ حرارت میں اضافہ ہے اور یہ درجہ حرارت کیوں بڑھ رہا ہے، اس کا سبب اسباب کی دنیا میں وہ کارخانے ہیں کہ جن میں یہ سرمایہ پرست Capitalist محض اپنا سرمایہ بڑھانے کے لیے بے تحاشہ ایسا مواد استعمال کرتے ہیں کہ جو climate change کا باعث ہے اور جس کے سبب نتیجتاً زمین کے درجہ حرارت میں اضافہ ہو رہا ہے اور یوں اس کی قیمت آج ان قدرتی آفات کی صورت میں پوری انسانیت چکا رہی ہے، بلکہ انسان ہی کیا زمین پر موجود سب چرند پرند اور دریاؤں اور سمندروں تک کی مخلوق بھی ان سے محفوظ نہیں ہے۔ یہ امن و مسادات اور خدمت انسان کا دعویٰ کرنے والے ان جھوٹوں کا اصل چہرہ ہے اور یہی ان کے ظلم و کفر کا وہ کنز و پھل ہے کہ جو زمین پر موجود سب جان داروں کو آج کھانا پڑ رہا ہے، اللہ رب العزت کا فرمان ہے ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾ ”لوگوں کے اپنے ہاتھوں کے اعمال کی وجہ سے خشکی اور تری (یعنی زمین اور دریاؤں اور سمندر) میں فساد پھیلنا“، ﴿لَيَذِيقَهُمْ بَعْضُ الَّذِي عَمِلُوا﴾ ”تا کہ جو اعمال انہوں نے کیے ہیں اللہ انہیں ان میں سے کچھ کا مزہ چکھائے“ ﴿لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ ”شاید یہ اللہ کی طرف لوٹ جائیں“۔ لہذا یہ موضوع بھی ایک طرف پوری دنیا کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اللہ کی طرف لوٹ جائے اور خود اپنے ساتھ اور پوری انسانیت کے ساتھ ظلم چھوڑ دے، کیونکہ انسان کے اعمال اور بالخصوص ظلم و گناہ کا اثر اور اس کی خواست پوری دنیا پر پڑتی ہے، دوسری طرف یہ موضوع نظام ظلم، سرمایہ دارانہ نظام اور اس کے اس عالمی فساد کے خلاف دعوت و جہاد کی اہمیت بھی واضح کرتا ہے اور یہ دکھاتا ہے کہ اہل اسلام کے جہاد اور جس پیغام و مقصد کے لیے یہ جہاد فی سبیل اللہ ہو رہا ہے اور تاقیامت جاری رہے گا، اس میں نہ صرف عالم اسلام کے مظلوموں کی دادرسی ہے، بلکہ اسی میں پوری انسانیت کی بقا اور حفاظت ہے، اور یہی جہاد و اسلام ہی ہے کہ جو اس دنیا کو غلامی انسان کی تنگیوں سے نکال کر اللہ کی رحمتوں میں داخل کرتا ہے۔

(باقی صفحہ نمبر 27 پر)

مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد

نہایت دکھ کے ساتھ ہمیں یہ خبر موصول ہوئی ہے کہ عالم اسلام کے معروف عالم دین، صدر دارالعلوم کراچی، مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب (نور اللہ مرقدہ) کے فرزند اور مولانا مفتی محمد تقی عثمانی (حفظہ اللہ) کے برادرِ کبیر، مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب، طویل عرصہ علیل رہنے کے بعد جہانِ فانی سے کوچ کر گئے ہیں، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔ بلاشبہ جو بھی اس دنیا میں آیا اس کو جانا ہے اور ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولانا موصوف پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے، فردوسِ اعلیٰ کو ان کا مسکن بنائے اور پسماندگان و اہل خاندان، مفتی صاحب مرحوم کے شاگردوں اور عقیدت مندوں کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین!

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين وصلى الله تعالى على نبينا الأمين، آمين!

کامیابی کا واحد، کھلا اور سیدھا راستہ

استاد اسامہ محمود

اتباع سے مراد پیروی کرنا، قدم پر قدم رکھنا اور ایک فرد جو عمل جس طرح کرے عین اسی طرح اُس عمل کو بجالانا ہے، گویا اپنی پوری زندگی میں، ہر ہر گوشہ حیات کے اندر آپ ﷺ کی مکمل طور پر پیروی کرنا اور آپ ﷺ کے مبارک طریقے کے مطابق اپنے آپ کو ہو بہو ڈھالنا اتباع رسول ﷺ کہلاتا ہے۔ آپ ﷺ کی ایسی پیروی ہی اللہ کی محبت کا دروازہ ہے۔ ابن قیم رحمہ اللہ نے اللہ کی محبت و رضا اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی و اتباع کی اس شرط کے متعلق اچھا قول نقل کیا ہے، کہتے ہیں:

”شیخ طریقت حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ راستے سارے بند ہیں مگر صرف رسول کریم ﷺ کے نقش قدم پر قدم رکھ کر جو آئے گا اس کے لیے راستہ کھلا ہے، اللہ ذوالجلال کا اعلان ہے کہ ’میری عزت اور جلال کی قسم! اگر سارے راستوں سے یہ میری طرف آئیں اور ہر دروازے پر کھڑے ہو کر اسے کھکھائیں تو اے محمد ﷺ اس وقت تک دروازہ نہیں کھولوں گا جب تک یہ تیرے پیچھے (تیری پیروی میں، تیرے قدم پر قدم رکھ کر) نہ آئیں۔“¹

رسول کریم ﷺ کا یہ اتباع اللہ کی محبت حاصل کرنے کی ایک بنیادی شرط ہے، مگر یہ اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ اتباع و پیروی کے لیے محبت لازم ہوتی ہے، کسی کی پیروی تب ہی کی جاسکتی ہے جب دل اس کا اسیر ہو اور اس کے ہر قول، ہر عمل اور ہر ہر ادا سے دل کے اندر محبت ہو۔ اور یہ بات بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ اللہ کے ہاں ایمان کے مقبول اور کامل ہونے کی شرط رسول اللہ ﷺ سے محبت ہے، آپ ﷺ نے ایمان کے صحیح ہونے کی شرط ہی اپنی محبت بتائی ہے اور محض محبت بھی نہیں، بلکہ صرف اُس محبت کو باعثِ نجات قرار دیا ہے جو آپ ﷺ کے ساتھ اپنی جان، اہل و عیال اور پوری دنیا سے زیادہ ہو۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ”لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهِ وَوَالِدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ“²..... ”تم میں سے کوئی اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ میں اسے اپنی اولاد، والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، ”یا رسول اللہ آپ ﷺ مجھے اپنی جان کے سوا ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”لَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ“³..... ”نہیں! اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اُس وقت

ساری تعریفیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے ہیں، ہمارے اُس رب کے لیے جو پوری کائنات کو پیدا کرنے والا، اسے چلانے والا اور اس کا بلا شرکتِ غیرے بادشاہ ہے۔ ہم فدا ہوں اپنے محبوب، محبوبِ کبریا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر..... لاکھوں کروڑوں، بے انتہا درود و سلام ہوں دلوں کی دھڑکن، ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک، محسنِ انسانیت، امامِ انبیاء، رسول اللہ ﷺ پر، آپ ﷺ کی آل و اولاد پر، آپ ﷺ کے صحابہ کرام پر اور اُن تمام اہل ایمان پر جنہوں نے آپ ﷺ کی پیروی کی..... بلاشبہ ایک بندے کی سعادت، نجات اور کامیابی بس اسی میں ہے کہ وہ اپنے رب، خالقِ کائنات کی نظر میں محبوب ٹھہرے اور اس کی بدترین محرومی، تباہی اور آخری حد تک بد نصیبی یہ ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کی محبت سے محروم ہو جائے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ہاں اس سے نفرت ہو۔ اللہ کی یہ محبت تمام تر سعادتوں، خوش بختیوں اور رفعتوں کی اصل ہے اور اس محبت سے محرومی تمام تر شقاوتوں، بد بختیوں اور ذلتوں کا اصل اور بنیادی سبب ہے۔ جب یہ حقیقت ہے تو پھر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ ایک بندے کو یہ انتہائی اہم اور اعلیٰ ترین نعمت، ’اللہ کی محبت‘ کیسے مل سکتی ہے؟ وہ کیا راستہ اور کیا طریق ہے کہ جس پر چل کر بندہ اپنے مالک کی نظروں میں محبوب و مقبول بن جائے؟ اللہ کو پانے کی طلب، اُس کو راضی کرنے کا شوق اور اس مقصد کے لیے پھر حد درجہ محنت و مشقت، یہ سب یقیناً ایسی صفات ہیں کہ جن سے یہ نعمتِ عظمیٰ ملا کرتی ہے، مگر صرف یہ شرط اس منزل کو پانے کے لیے کافی قطعاً نہیں ہیں۔ اللہ رب العزت نے اپنی محبت دینے کے لیے رسول کبریا محمد ﷺ کا اتباع بنیادی شرط کے طور پر مقرر کیا ہے اور اعلان فرمایا ہے کہ میرا محبوب اگر بنتا ہے، میرے ہاں مقبولیت اگر چاہتے ہو اور حقیقی وادبی کامیابی اگر تمہیں درکار ہے تو اس کا واحد طریق محمد مصطفیٰ ﷺ کے راستے پر چلنا، آپ ﷺ کی اطاعت کرنا اور آپ ﷺ کے نقوش پا پر قدم رکھ کر آگے بڑھنا ہے اور یہی وہ واحد راستہ ہے کہ اگر اسی پر تم آگے تو بس تب ہی میری محبت، میری مغفرت اور میری رحمت تمہیں نصیب ہوگی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (سورۃ آل عمران: ۳۱)

”کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔“

تک بات نہیں بنے گی (یعنی ایمان قبول نہیں ہوگا) جب تک میں تمہیں اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔“ عمر رضی اللہ عنہ فوراً بول پڑے ”اللہ کی قسم، آپ ﷺ اب مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا ”اب بات بنی۔“ آپ ﷺ سے محبت اور اس کی کم سے کم یہ مذکورہ سطح مطلوب ہے اور صرف ایسی محبت ہی پھر ایمان کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ محبت اختیاری نہیں ہوا کرتی ہے، اپنی جان اور اہل و عیال کے ساتھ محبت بھی غیر ارادی ہوتی ہے اختیاری نہیں، ایسے میں پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ان ساری محبتوں پر رسول اللہ ﷺ کی محبت غالب ہو؟ شارحین حدیث علمائے کرام کے مطابق محبت کی دو اقسام ہیں، عقلی محبت اور طبعی محبت۔ عقلی محبت اختیار میں ہوتی ہے جبکہ طبعی غیر اختیاری ہے، یہاں حدیث میں عقلی محبت مراد ہے^۱۔ جب رسول اللہ ﷺ کو قلب و دماغ میں ارادہ و عزم کی بنیاد پر ایسا محبوب بنایا جائے کہ بندہ اپنے ساتھ یہ پکا عہد اور مضبوط ارادہ کرے کہ میں آپ ﷺ کو دیگر ساری محبتوں پر ترجیح دوں گا، آپ ﷺ کی پیروی کروں گا اور اس پیروی کی عملی کوشش بھی ساتھ ساتھ کرے، تو یہ عقلی محبت ہے، یہ لازمی ہے اور اس عقلی محبت میں صدق و اخلاص کا دامن اگر نہ چھوٹے، تو خود سیرت رسول اللہ ﷺ کے اندر اللہ نے ایسا بے پناہ حسن اور دلوں کو کھینچنے کی ایسی عظیم قوت ڈال دی ہے کہ پھر عقلی محبت خود بخود طبعی محبت میں بدل جاتی ہے اور اس حد تک یہ دل میں گھر کر جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہی پھر دل دھڑکتا ہے، آپ ﷺ کی ذات ہی پھر سارے جہاں سے زیادہ محبوب ترین بنتی ہے، آپ ﷺ کی سنت و سیرت جاننے، اس کے مطابق عمل کرنے اور آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجنے سے پھر دل کو سرور ملتا ہے اور آپ ﷺ کی حرمت و ناموس اور آپ ﷺ کے دین کی خدمت و دفاع میں پھر فدا ہونا ہی ایک مومن کا مقصد حیات بن جاتا ہے۔ گویا اتباع محبت کو جنم دیتا ہے اور محبت اتباع کو پیدا کرتی ہے، دونوں ایک دوسرے کو تقویت پھر دیتی ہیں، پھر یہ ایمان، محبت اور اتباع (عمل صالح) کا امتزاج ہوتا ہے کہ جو بندے کو پھر اللہ کا محبوب اور مقبول بناتا ہے۔ یہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا حال تھا، ان کے دلوں میں اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت بھی لبالب بھری ہوئی تھی اور اتباع رسول اللہ ﷺ کے بھی وہ ایسے شیدائی تھے کہ ہر چھوٹے بڑے معاملے میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر اور پوچھ کر عمل کرتے تھے، یوں شمع رسالت کے وہ ایسے پروانے بنے کہ زمین پر کسی کے ساتھ بھی ایسی محبت کبھی کسی نے نہیں دیکھی اور نہ ہی کسی نے کسی ایسی پیروی کبھی کی ہوگی۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر، جب صلح کی باتیں ابھی شروع نہیں ہوئی تھی اور قریش کے ساتھ جنگ ہونے کا خطرہ تھا، مشرکین مکہ کی طرف سے بات کرنے کے لیے عروہ بن مسعود ثقفی

^۱ اسنن ترمذی اور طبرانی نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «أَجِبُوا اللَّهَ بِمَا يَغْذُوكُمْ مِنْ نِعْمِهِ، وَأَجِبُونِي لِحُبِّ اللَّهِ. وَأَحْبُوا أَهْلَ بَيْتِي لِحُبِّي» ”اللہ سے محبت کرو، کیوں کہ اللہ تمہیں اپنی نعمتوں

آیا، عروہ نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے سامنے صحابہ کی نظریں جھکی اور آوازیں پست ہیں، آپ ﷺ کی خدمت و اطاعت میں ہر صحابی دوسرے سے آگے بڑھ رہا ہے، آپ ﷺ وضو کرتے ہیں تو اس کا پانی زمین پر گر نہیں دیا جاتا ہے بلکہ صحابہ اسے ہاتھوں میں لے کر اپنے منہ پر ملتے ہیں، آپ ﷺ تھوکتے ہیں تو آپ ﷺ کے لعاب مبارک تک کو بھی اٹھا کر جسموں پر ملا جاتا ہے۔ عروہ آپ ﷺ کے ساتھ بات کرنے بیٹھتا ہے تو دو صحابہ ہتھیر لے کر آپ ﷺ کے قریب آپ ﷺ کی حفاظت میں کھڑے ہو جاتے ہیں، باتوں باتوں میں ایک دفعہ عروہ نے آپ ﷺ کی داڑھی مبارک کو ہاتھ لگایا، ساتھ کھڑے صحابی نے تلوار کے نوک سے فوراً عروہ کا ہاتھ مارا اور کہا، ”ہاتھ دور رکھو رسول اللہ ﷺ سے۔“ عروہ نے صحابی کی طرف دیکھا، پوچھا ”یہ کون ہے؟“ (صحابی کا منہ چادر میں لپیٹا ہوا تھا) کہا گیا، یہ مغیرہ بن شعبہ ہیں، تمہارے بھتیجا ہے!۔ سبحان اللہ عروہ کا اپنا بھتیجا، اپنے ہی بچا کے خلاف آج رسول اللہ ﷺ کا پہرا دے رہا ہے!! عروہ واپس گیا تو مشرکین کے سامنے یہ روداد سنائی اور بے اختیار بولا ”اللہ کی قسم! میں بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار میں گیا ہوں، میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار بھی دیکھے ہیں، مگر محمد ﷺ کے ساتھی آپ ﷺ کو جتنی عزت و احترام دیتے ہیں یہ میں نے کہیں کسی کا نہیں دیکھا ہے۔“..... رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت کی ایک اور مثال بھی ملاحظہ کیجیے... زید بن حنیف رضی اللہ عنہ کو مشرکین نے پکڑ کر اپنا قیدی بنایا اور پھر مکہ کے اندر لوگوں کے سامنے شہید بھی کر دیا، جب آپ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لیے جمع میں لایا گیا تو عین اُس وقت ایک سردار قریش نے انہیں قسم دلا کر سوال کیا، کہا ”بچ بناؤ کیا تم پسند کرو گے کہ تم (بچ کر) اپنے گھر میں جا بیٹھو اور تمہاری جگہ یہاں محمد ﷺ مصلوب ہو جائیں؟“ حضرت زید مسکرائے، کہا ”میں تو یہ بھی برداشت نہیں کروں گا کہ حضرت محمد ﷺ کو کبھی کاٹنا چھپے اور میں اپنے گھر میں آرام سے بیٹھا رہا ہوں۔“..... آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام کی یہ محبت ہی تھی کہ ایک صحابی کو ایک دن عجیب فکر لاحق ہو جاتی ہے، اور وہ یہ کہ یہاں تو جب چاہوں محبوب کا دیدار ہو جاتا ہے، جنت میں تو آپ ﷺ کا مقام بہت اونچا ہو گا، وہاں دیگر انبیاء اور اولیاء اللہ بھی بہت ہوں گے، ایسا نہ ہو کہ وہاں پھر آپ ﷺ کی زیارت مشکل ہو! یہ سوچ کر دل مغوم ہوا اور عجیب اضطراب کی کیفیت پیدا ہوئی۔ اس غم میں جنت کی اُن نعمتوں کا خیال نہیں جو نہ آنکھ نے دیکھی ہیں، نہ کان نے سنی ہیں اور نہ ہی کوئی ان کا تصور کر سکتا ہے، خیال ہے تو رسول اللہ ﷺ کی زیارت و دیدار کا! یوں دل کا چین جب بے چینی میں تبدیل ہوتا ہے، تو اس غم میں وہ صحابی دربار رسالت میں حاضری دیتے ہیں اور آپ ﷺ کے سامنے اپنی پریشانی رکھ دیتے ہیں۔ جواب میں آپ ﷺ انہیں اتباع رسول ﷺ اور حب رسول ﷺ کی شرط بتا کر امید دلاتے ہیں کہ جو جتنا اس پر کار بند ہو گا، اتنا وہ

سے رزق دیتا ہے، اور مجھ سے محبت کرو اس لیے کہ اللہ کی مجھ سے محبت ہے اور میرے اہل بیت کے ساتھ محبت کرو کیوں کہ ان سے میری محبت ہے۔“

میرے قریب ہو گا چاہے زمان و مکان کے لحاظ سے وہ جہاں بھی ہو۔ آپ ﷺ کے ساتھ یہ محبت اور آپ ﷺ کی یہ اطاعت و پیروی ہی وہ صفات تھیں کہ جنہوں نے صحابہ کرام کو اللہ کا محبوب بنایا اور آسمانوں میں موجود ملائکہ تک کے لیے بھی وہ قابل رشک ٹھہر گئے۔

اللہ سے محبت کا دعویٰ اور پھر اللہ کی جگہ خواہش نفس کو اپنا معبود بنانا کہ جو نفس کہے، اس پر عمل ہو، اللہ کی ناراضگی کو دعوت دینا ہے اور عشق رسول ﷺ کا زعم رکھنا مگر رسول کریم ﷺ کی شریعت کیا ہے؟ آپ ﷺ کی سیرت و سنت کیا کہتی ہے؟ اس سے غافل رہنا، اس کو اہمیت نہ دینا بلکہ زمانے کا سیلاب جس رُخ بہے اس میں بہتے جانا اور وقت کی ضرورت اور اپنی خواہش جس راستے پر بھی ہمیں چڑھائے اس پر چڑھ جانا..... یہ ضلالت و گمراہی ہے، اور یہ اُن ”مغضوب علیہم“ اور ”ضالین“ کا طرز عمل ہے کہ جن کی راہ سے بچنے کی ہمیں تاکید کی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ پیروی معمولی اور چھوٹے سمجھے جانے والے اعمال میں ہو یا بڑے اور اہم امور میں، ہر عمل اللہ کی رضا کا عمل ہے اور اللہ کے دربار میں کوئی بھی ایسا عمل ضائع نہیں ہو گا، بلکہ اُس قدر دان ذات کے ہاں بہت معمولی سمجھتی جانے والے مستحبات کی بھی کچھ کم قدر نہیں ہو گی۔ اللہ کا فضل و کرم ہوتا ہے اُس بندہ مومن پر جو کسی بھی نیکی کو حقیر نہیں سمجھتا بلکہ ہر چھوٹے بڑے عمل میں حکم شرعی جاننے اور اتباع رسول ﷺ پر کاربند ہونے کا اہتمام کرتا ہے۔ مگر اس کے برعکس یہ بہت ہی زیادہ افسوس کی بات ہو گی کہ انتہائی اہم امور میں بھی ہمارے ہاں عمل کا پیمانہ شریعت نہ ہو بلکہ ضرورت اور فائدہ ہو، اور یہ دونوں اگر بالکل غیر شرعی امور کا بھی تقاضہ کرتے ہوں تو ہمیں اس کے کرنے میں کوئی عار یا خوف محسوس نہ ہو بلکہ خدمت دین و ملت کے نام پر ایسے غیر شرعی امر کو شرعی اور برائی کو اچھائی ثابت کرنے کے لیے ہم تاویلات پیش کرنے پر تلے ہوں۔ یقیناً یہ دین اسلام کی غربت کا زمانہ ہے اور اس میں دین و امت کی کسی بھی سطح کی خدمت کرنے والے اس امت کا سرمایہ ہیں، مگر دین کی دعوت و احیاء، اس کو غالب کرنے کی جدوجہد، نظام باطل کی قیادت و دفاع کرنے والوں کے ساتھ تعامل و برتاؤ، اعدائے دین کی سازشوں اور اسلام کے خلاف ان کی جنگ کے مقابل موقف و عمل، منکرات پھیلانے اور معروف کا راستہ روکنے والوں کے ساتھ ہمارا رویہ، اس طرح خود اپنوں کے ساتھ اختلاف، اتفاق اور معاشرتی برتاؤ، یہ سب میدان برابر تقاضہ کرتے ہیں کہ ان میں ہماری سیاست و تحریک، ہماری دعوت و جدوجہد، ہماری حمایت و مخالفت، ہماری دوستی و دشمنی اور ہماری جنگ و صلح مکمل طور پر شریعت محمدی ﷺ پر مبنی ہو اور یہاں ہمارے ہر عمل و رویے میں رسول اللہ ﷺ ہی کی پیروی ہو۔ یہ اہتمام ہو گا تو ہم اللہ کی ناراضگی سے بچیں گے، ہماری دعوت و عمل سے خیر پھیلے گی، منکرات کا مقابلہ ہو گا، معروف کو رواج ملے گا، اللہ کی تائید و نصرت شامل حال ہو گی اور دنیا و آخرت دونوں میں ہم اللہ کے محبوب اور مقبول

۱ رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین و شریعت کے مقابل ہر نظریہ، ہر نظام، ہر تہذیب و تمدن اور ہر طرز زندگی جاہلیت ہے اور اللہ کا دین ایک مومن سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ان سب کا انکار کرے، ان سے دور ہو جائے اور بس خالص اللہ کی بندگی کا طوق اپنے گلے میں ڈال دے۔

نہیں گے۔ مگر اس کے بجائے اگر معاملہ الٹ ہو، مقصد و ہدف تو ہمارا اچھا بیان ہو، مگر اس تک پہنچنے کا راستہ خود ساختہ اور من پسند ہو، حالات کے جبر اور نئے دور کے تقاضوں کا بہانا بنا کر اتباع رسول سے ہٹنے کے لیے عذر تراش رہے ہوں اور اپنے غلط افکار اور وہ طرز عمل کہ جس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہ ہو اس کا ہم ایسا دفاع کر رہے ہوں کہ جیسے یہ ہی اس دور کی دینی خدمت ہو اور جیسے آج کوئی اصلاح، کوئی تعمیری کام یا دینی و ملی خدمت ان طریقوں کے بغیر ممکن نہیں، یہ اگر ہمارا رویہ رہا تو اس طرح ہم خود ہی اپنے اوپر اللہ کی محبت اور اس کی نصرت کا راستہ بند کر رہے ہیں، ایسا کر کے اپنے ہی کردار سے ہم اپنے حق پر ہونے کا عملاً انکار جبکہ باطل کے سامنے ہتھیار رکھ کر تسلیم ہونے کا اقرار کر رہے ہیں، اور جب یہی ہمارا طرز عمل ہو گا تو پھر اللہ کو بھی پرواہ نہیں کہ ہم بطور فرد یا قوم کس گھاٹی میں ہلاک ہوں، یوں پھر ایک پوری عمر بھی اگر ہم ان بے کار ہنگاموں اور کھیل تماشوں میں گزار لیں، ہماری حالت بد سے بدتر تو ہو گی مگر بہتری کی طرف ایک قدم بھی ہم نہیں بڑھائیں گے، ان بندگیوں میں خود بھی سرگرداں رہیں گے اور دوسروں کو بھی جھوٹے خواب دکھا کر سراپوں کے پیچھے لگائیں گے، اور یہ حقیقت اپنی جگہ وہیں کی وہیں قائم ہو گی کہ ہم خود بھی خیر سے محروم ہوں گے، اہل ایمان سے اللہ کو جو کردار مطلوب ہے اس کی توفیق ہم سے چھنتی چلی جائے گی، دوسروں کے لیے بھی خیر و ہدایت کا ذریعہ نہیں بنیں گے اور یوں گمراہی، بد حالی اور تباہی کے گڑھوں میں گرتے جائیں گے۔ اور یہ سب اس لیے کہ خیر و ہدایت کا راستہ رائج الوقت جاہلیت^۱ کے ساتھ مصالحت نہیں ہے، بلکہ جاہلیت سے کٹ کر خاص اُس اسلام کے ساتھ اپنا آپ جوڑنے اور اسی کا داعی اور سپاہی بننے میں فلاح ہے جو آج بھی اپنے اصل تعبیرات کے ساتھ الحمد للہ محفوظ ہے اور جس کی حفاظت کا وعدہ اور بندوبست اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بعثت نبوی ﷺ سے لیکر آج تک کیا ہے اور تاقیامت کریں گے۔

حقیقت بہر حال یہی ہے کہ خود ہم خسران عظیم سے صرف اُس وقت بچ پائیں گے اور اس امت کو بھی کسی قسم کی خیر بس صرف اس وقت ہی دے سکیں گے جب اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی اور پوری تحریکی جدوجہد میں، ہر سطح پر مقصد و منزل کو بھی ہم اپنا بس اُسی کو بنائیں جو بطور مومن اللہ کا دین ہمیں اپنانے کا پابند کرتا ہے اور اُس منزل کو حاصل کرنے کے لیے راستہ، تدبیر اور وسیلہ بھی بس خاص وہی اختیار کریں جو شریعت مطہرہ اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت و سنت ہمیں بتاتی ہے۔ دین و آخرت کے معاملے میں ایک سنجیدہ بندہ وہی ہو سکتا ہے جو مشتبہ راستوں کو چھوڑ کر صرف اُس راستے پر چلے جس کے حق ہونے میں اللہ کی شریعت میں کوئی غبار نہ ہو۔ اللہ کا دین ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ جس معاملے میں تھوڑا سا بھی غلط ہونے کا شک ہو، اس کو چھوڑ دو اور جس میں صحیح ہونے کے لحاظ سے یقین ہو بس اسی راہ کو پکڑو، نیز جن امور

بقیہ: قوموں کے لیے موت ہے مرکز سے جدائی

اور اس امت کے لیے اللہ کے رنگ کے سوا کوئی رنگ نہیں، اللہ کے رنگ کو چھوڑ کر یہ جس رنگ میں بھی رنگنا چاہے گی، جس کی چال بھی چلنا چاہے گی ذلت و خواری ہی اس کا مقدر ہوگی۔

قوموں کے لیے موت ہے مرکز سے جدائی

ہو صاحب مرکز تو خودی کیا ہے، خدائی!

☆☆☆☆☆

بقیہ: قطر، فیفا ورلڈ کپ اور ’خدمتِ اسلام‘

- جو ”اسلام“ بھوکے سو جانے والے کے پڑوسی کے اسلام و ایمان پر شک کا اظہار کرے یا وہ ”اسلام“ جو دو سو بیس ارب ڈالر کی عیاشی کے لیے ایک فٹ بال سٹیڈیم بنوائے؟

کون سا اسلام؟!

☆☆☆☆☆

’نوائے غزوہ ہند‘ کے سوشل میڈیا اکاؤنٹس

تمام معزز قارئین کو مطلع کیا جاتا ہے کہ ’نوائے غزوہ ہند‘ کے ’سوشل میڈیا اکاؤنٹس‘، توزیعی مقاصد (propagation) کے لیے ہیں۔ ان اکاؤنٹس کو ’نوائے غزوہ ہند‘ کی مجلس ادارت یا مدیر سے رابطے کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔

’نوائے غزوہ ہند‘ سے رابطے کے لیے مجلے کے تازہ ترین شمارے میں درج مجلس ادارت یا مدیر کے ’ای میل ایڈریس‘ کو استعمال کیا جائے۔

شکریہ، جزاکم اللہ خیر اکثراً

(مجلس ادارت ’نوائے غزوہ ہند‘)

میں شرعی لحاظ سے واضح احکامات ہوں، وہاں اگر تقویٰ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے، تو اللہ ان امور میں بھی حق واضح کر دیتا ہے کہ جہاں حق و ناحق میں تمیز مشکل ہو۔ آخرت کے متعلق یہ فکر مندی، یہ تقویٰ اور رسول اللہ ﷺ کا اتباع، یہ وہ راستہ ہے جو نجات و کامیابی کی طرف لے جانے والا ہے اور جو کبھی بند نہیں ہوگا، نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ یہ آخرت میں بھی اپنے چلنے والوں کو اللہ کے رضوان، اللہ کے دیدار اور اللہ کی جنتوں تک پہنچاتا ہے اور دنیا میں بھی حق و باطل کے بیچ جاری اس جنگ میں صرف اسی راستے پر چلنے والوں کے ساتھ اللہ نے نصرت کا وعدہ کیا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ اس سیدھے، کھلے اور اللہ کی رحمتوں والے راستے کے وہ ہمیں مسافر بنائیں، ہمیں توفیق دیں کہ دنیا میں بھی کبھی اس سے نہ اتریں اور آخرت میں بھی اس کے چلنے والوں کے ساتھ ہمارا حشر ہو، اور اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آخری حد تک محبت کرنے، آپ ﷺ کی پیروی کرنے اور آپ ﷺ کی قربت حاصل کرنے والوں میں شامل کریں۔ اللہمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ حُبَّكَ، وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ، وَالْعَمَلَ الَّذِي يُبَلِّغُنَا حُبَّكَ، اللَّهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ إِلَيْنَا مِنْ أَنْفُسِنَا وَأَهْلِينَا وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ، آمِينَ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ!

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين ، وصلى الله تعالى على خير خلقه
مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ!

☆☆☆☆☆

بقیہ: جمہوری عدالتیں اور اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلے نہ کرنا

”میرے نزدیک ان تمام اقوال میں زیادہ درست یہ قول ہے کہ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی، کیونکہ اس آیت سے پہلے اور بعد والی آیات بھی یہود کے بارے میں ہیں..... تو اگر کوئی کہنے والا یہ اعتراض کرے کہ اللہ تعالیٰ نے تو اس حکم کو ہر اس شخص کے لیے عام رکھا جو اللہ تعالیٰ کی شریعت سے فیصلہ نہ کرے تو آپ کس طرح اس کو (یہود کے ساتھ) خاص کر دیا؟

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کا عام حکم بیان کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے قانون کا انکار کرتے ہوئے چھوڑتے ہیں، چنانچہ فیصلہ میں اللہ تعالیٰ کے قانون کو اس طرح چھوڑنے والے، جس طرح ان (یہود نے) چھوڑا، کافر ہیں۔ اسی طرح جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار کرتے ہوئے چھوڑے گا وہ کافر ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ’اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم (قانون) کا انکار کرنا بعد اس کے کہ اس کو معلوم ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب نازل کیا ہے، یہ ایسا ہے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنا، بعد اس کے کہ اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کا علم ہے۔“ (تفسیر طبری، الجزء ۱۰)

’برہ شریف‘ اور جہاد!!

مولانا ذاکر عبید الرحمن المرابط

تلقین کرنے لگے کہ ایسی باتیں نہ چھیڑیں کیونکہ ان باتوں سے نوجوان غلط مطلب لیتے ہیں اور پھر ملک میں فساد پیدا ہوتا ہے!! گویا جہاد کے حوالے سے ہمارے معاشرے نے مغرب کی اصطلاح کے مطابق ’خود ساختہ سنسر شپ‘ اپنائی ہے۔ اس اصطلاح کا استعمال مغرب میں اس وقت زیادہ ہوا جب ان کے ہاں نبی اکرم ﷺ کے کارٹون بنانے کا مسئلہ سامنے آیا۔ اس اصطلاح کو سمجھنے کے لیے مختصر اگستاخانہ کارٹونوں کا قضیہ ذکر کرتا ہوں۔

۲۰۰۵ء میں ڈنمارک کے ایک مصنف ’کیری بلوگن‘ Kåre Bluitgen نے بچوں کے لیے ’قرآن اور پیغامبر محمد ﷺ‘ نامی ایک کتاب لکھی اور اس کی خواہش تھی کہ موضوع کے حوالے سے اس کتاب میں چند تصاویر بھی ڈالے۔ لیکن جن مصوروں سے اس نے رابطہ کیا انہوں نے اس کی پیشکش مسلمانوں کی جانب سے انتقام کے ڈر کے سبب مسترد کر دی۔ ایک

مصور نے انکار کا سبب سال ۲۰۰۴ء میں ڈچ فلم ڈائریکٹر ’تھیو وان گوخ‘ Theo van Gogh کا قتل گردانا۔ جسے مراکشئی نژاد ڈچ بطل اسلام محمد بوری (فک اللہ اسرہ) نے اس لیے قتل کیا تھا کہ اس نے ایک صومالی مرتد عورت کے ساتھ مل ’اسلام‘

Submission نامی فلم بنائی تھی جس کا موضوع والعیا باللہ ’مسلمانوں‘ کے ہاں نہیں بلکہ ’اسلام میں خواتین کے ساتھ بد سلوکی تھا‘ اور جو دین اسلام کے مقدسات کے خلاف گستاخی سے بھری تھی۔

مصنف کی جانب سے کوشش اور مصوروں کی جانب سے انکار اگلے دن اخباروں کی شہ سرنخی بن گئی۔ مصوروں کے انکار کو خوف کے سبب ’خود ساختہ سنسر شپ‘ کے طور پر پیش کیا گیا جو مغرب کے خیال میں ’آزادی رائے‘ کے خلاف ہے۔ ڈنمارک کے سب سے بڑے اخبار جیلنڈس پوسٹن Jyllands Posten نے اس تصور کو چانچنے کے لیے کہ آیا ڈچ معاشرہ حضرت محمد ﷺ کی تصویر بنانے سے ڈرتا ہے یا نہیں تصویر نگاری یونین کے ارکان کو ایسی تصویریں بنانے کا کہا جس کے نتیجے میں یہ تصویریں منظر عام پر آئیں۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مغرب معاشرے میں ہمارے دل و جان سے محبوب حضرت محمد ﷺ کی گستاخی کوئی نئی بات ہے۔ مغرب کیا یہ تو مشرکین مکہ بلکہ تمام منکرین وحی کا انبیاء علیہم السلام

خاتم الانبیاء، اشرف المخلوق حضرت محمد ﷺ کی دنیا میں آمد کے دن ہر مسلمان کے دل میں اپنے پیغمبر پاک ﷺ کی محبت کے جذبات اٹھ آتے ہیں اگرچہ یہ ہماری زندگی بھر کا جزو لا ینفک ہونا چاہیے۔ بہر حال ان جذبات کے اظہار کے لیے قدیم زمانے سے ایک بنیادی ذریعہ اشعار کی صورت میں آپ کی مدحت اور آپ سے محبت کا بیان ہے جسے برصغیر میں ’نعت نبوی ﷺ‘ کہا جاتا ہے۔ سوچاریج الاول کا مہینہ ہے تو کیوں نہ کوئی پرانی نعت پڑھوں۔ ذہن میں فوراً ’قصیدہ برہ شریف‘ آیا جس کا ایک مشہور بیت برصغیر میں تقریباً ہر مسلمان نے ہی سنا ہو گا:

مَوْلَايَ صَلَّيْ وَسَلَّمْ دَائِمًا أَبَدًا ... عَلَى حَبِيبِكَ خَيْرُ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

اگرچہ معلوم ہوا کہ یہ بیت قصیدہ برہ کا حصہ نہیں بلکہ حضرت بویری رحمہ اللہ کا منظوم درود ہے جسے وہ اپنے قصیدے کے اشعار کے درمیان تب پڑھتے تھے جب بھی رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ آتا تھا۔ میرے لیے حیرانی کی بات یہ تھی کہ سب سے پہلا قصیدہ برہ حضرت بویری رحمہ اللہ کا نہیں

ہے بلکہ مشہور شاعر صحابی حضرت کعب بن زہیر رحمہ اللہ کا تھا۔ البتہ عالم اسلام میں حضرت کعب رحمہ اللہ کے قصیدے سے حضرت بویری رحمہ اللہ کا برہ زیادہ مشہور ہوا جس کی ایک وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ حضرت کعب رحمہ اللہ کا قصیدہ انتہائی گاڑھی عربی میں ہے جس سے خود عرب آہستہ آہستہ اجنبی ہوتے گئے۔ پھر حضرت بویری رحمہ اللہ کے قصیدے کے وزن پر جدید دور میں عالم عرب کے مشہور شاعر احمد شوقی رحمہ اللہ نے اپنا مشہور قصیدہ ’نچ البرہہ لکھا۔ لیکن اس سے بڑھ کر حیرانی کی بات یہ تھی کہ یہ تینوں قصیدے آج کل کی مروجہ نعتوں کے برخلاف ’جہاد‘ کے تذکرے سے بھرے پڑے ہیں!! جس سے ذہن میں خیال آیا کہ ایسا کیوں ہے کہ ہمارے معاشرہ میں جہاد پر عمل کرنا تو درکنار اس کے تذکرے سے بھی کترایا جانے لگے؟!

مجھے یاد ہے کہ اندازاً ۲۰۰۸ء میں، میں لاہور کی ایک مسجد میں تھا کہ نماز کے بعد امام صاحب نے نبی اکرم ﷺ کی سیرت کا تذکرہ کرتے ہوئے جہاد کے بارے میں کئی واقعات سنائے۔ جیسے ہی امام کا بیان ختم ہوا تو دیکھتا ہوں کہ کوئی چار پانچ مقتدی ان کے گرد جمع ہو کر انہیں

کے ساتھ رویہ رہا ہے¹۔ لیکن مجھے برصغیر کے معاشرے میں مغرب کے برعکس جہادی موضوعات پر خود ساختہ سنسر شپ پر حیرانی ہے۔ میں کہاں اور مقام سردار کائنات کہاں۔ لیکن میں نے سوچا کہ مشہور قصیدے 'بردہ شریف' میں نبی اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ کے اہم حصے اور قتال و جہاد کے میدان آپ ﷺ کی شجاعت و بہادری کا تذکرہ کر کے مسلم معاشروں میں پائی جانے والی خود ساختہ سنسر شپ کو توڑ کر مغرب کی 'آزادی رائے' کی خاطر نہیں بلکہ قیامت کے دن 'رضائے الہی' اور 'شفاعت رسول ﷺ' کے حصول کے لیے امیدوار ٹھہروں۔

آئیے 'بردہ شریف' کے ان تینوں قصیدوں میں نبی الملاح اور امام المجاہدین محمد ﷺ کا تذکرہ دیکھتے ہیں۔

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ اور 'بردہ شریف' کا قصہ

حضرت کعب بن زہیر بن ابی سلمیٰ رضی اللہ عنہ مخضرم اور مشہور ترین شاعر تھے۔ مخضرم اس شاعر کو کہتے جو دور جاہلیت اور دور اسلام دونوں میں شاعر رہا ہو۔ انہوں نے دور جاہلیت میں پیغمبر پاک ﷺ کی شان میں گستاخی کی تھی جس کے سبب نبی اکرم ﷺ نے یہ کہتے ہوئے ان کے خون کو مباح قرار دیا کہ "جو بھی کعب کو پائے وہیں اسے قتل کر دے"۔ فتح مکہ کے وقت جن لوگوں کو امان حاصل نہیں تھی ان میں سے ایک حضرت کعب بھی تھے۔ فتح مکہ کے بعد بدلتے حالات سے حضرت کعب کو خطرہ لاحق ہوا کہ اب لا محالہ انہیں قتل کر دیا جائے گا اس لیے بھاگنے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے کہ ان کے بھائی حضرت بحیر رضی اللہ عنہ نے، جو ان سے پہلے اسلام لایچکے تھے، انہیں خط لکھا کہ وہ مسلمان ہو کر رسول اللہ ﷺ سے معافی طلب کریں تو معاف کر دیے جائیں گے۔ چنانچہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے اسی میں عافیت سمجھی اور مسلمان ہو گئے۔ جب مدینہ پہنچے تو مسجد نبوی کے باہر اپنی سواری باندھی، اپنے چہرے کو عمامے سے ڈھانپا اور آپ ﷺ کی نشانیوں سے آپ ﷺ کو پہچانتے ہوئے صفوں کو پھلانگ کر آپ ﷺ کے قریب جا بیٹھے۔ پھر فرمایا: "اے رسول اللہ ﷺ میں ایک آدمی ہوں جو آپ سے اسلام کی بیعت کرنے آیا ہوں"۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک آگے کیا تو حضرت کعب نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹا کر کہا: "میں آپ کی پناہ کا طلبگار ہوں اے رسول اللہ۔ میں کعب بن زہیر ہوں"۔ یہ سنتے ہی انصار انہیں قتل کرنے کے لیے اٹھے لیکن نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "اسے چھوڑو۔ یہ توبہ کر کے آیا ہے"۔ پھر حضرت کعب نے آپ سے بیعت کی۔ نبی اکرم ﷺ نے ازراہ مزاح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے وہ شعر پوچھا جو حضرت کعب نے ان کی گستاخی میں کہا تھا۔ حضرت ابو بکر نے وہ شعر پڑھا جس کا ایک لفظ 'مامور' تھا۔ حضرت کعب نے

فورا کہا مامور نہیں بلکہ 'مامون، مامون'۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہاں: "رسول اللہ بھی مامون ہے اور اللہ تعالیٰ بھی مامون ہیں"۔ اس کے بعد حضرت کعب اٹھے اور اپنا مشہور قصیدہ پڑھا جس کا پہلا مصرع 'بانت سعاد' تھا۔ سعاد اور سعاد کی طرف لے جانے والے اونٹ کے لیے تذکرے کے بعد حضرت کعب قصیدے میں اصل مقصد کی طرف آئے اور اشعار میں بیان کیا کہ آنجناب کو چغل خور میرے بارے میں ورغلاتے ہیں اور مجھے آکر کہتے ہیں کہ تمہیں تو لا محالہ قتل کر دیا جائے گا۔ میں کہتا ہوں چھوڑو جو رحمن و رحیم نے تقدیر میں لکھا ہے وہی ہو کر رہے گا۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ اگر میں رسول اللہ سے معافی مانگوں گا تو وہ مجھے معاف کر دیں گے۔ پھر انہوں نے اپنا یہ مشہور شعر پڑھا:

إِنَّ الرَّسُولَ لَنُورٍ يُسْتَضَاءُ بِهِ ... مُهْتَدٍ مِنْ سَيُوفِ اللَّهِ مَسْلُورٍ

تو حضور اکرم ﷺ خوش ہوئے اور حضرت کعب کو اپنا خاص بردہ عنایت فرمایا۔ چنانچہ ان کا یہ قصیدہ 'قصیدہ بردہ شریف' سے مشہور ہوا²۔

بردہ کعب رضی اللہ عنہ کے جہادی اشعار

1. إِنَّ الرَّسُولَ لَنُورٍ يُسْتَضَاءُ بِهِ ... مُهْتَدٍ مِنْ سَيُوفِ اللَّهِ مَسْلُورٍ

رسول اللہ تو ایسے نور ہیں جن سے روشنی لی جاتی ہے۔ اللہ کی تلواروں میں سے ہند کی ایک نگلی تلوار ہیں۔

تشریح: یعنی کہ آپ ﷺ جہاں حق کے لیے نور ہدایت ہیں وہیں باطل کے لیے نگلی تلوار بھی ہیں۔ اس زمانے میں عرب میں مشہور تلواریں ہند سے آیا کرتی تھیں۔

2. فِي غُصْبَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ قَالَ قَائِلُهُمْ ... بِبَطْنِ مَكَّةَ لَمَّا أَسْلَمُوا زُورُوا

مکہ کے بیچ جب قریش کا ایک گروہ ایمان لے آیا تو ان کے سردار نے کہا: ہجرت کے لیے نکل چلو۔

تشریح: صحابہ پر مکہ میں اتنا ظلم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اس ظلم سے بچنے کے لیے مدینہ کی طرف ہجرت کر جاؤ۔

3. زَالُوا فَمَا زَالَ أَنْكَاسٌ وَلَا كُشْفٌ ... عِنْدَ اللَّقَاءِ وَلَا مِيلٌ مَعَاذِلُ

مسلمان تو ہجرت کر گئے لیکن قریش میں ایسے لوگ تھے جو تلواروں اور زروں سے لیس تھے۔

²۔ دیکھیے: تاریخ ابن کثیر البداية والنهاية 7/123۔ ثلاثية البردة بردة الرسول صلى الله عليه وآله وسلم (ص: 19)

¹۔ الرسول صلى الله عليه وآله وسلم في عيون غربية منصفة کے مصنف حسین حسینی معدی نے اپنی کتاب میں مغربیوں کی جانب سے آقائے دو جہان محمد ﷺ کی گستاخی کی تاریخ پر نظر ڈالی ہے اور ثابت کیا ہے کہ بعثت نبوی کے دور سے ہی مغربیوں نے ایسے کام کیے ہیں۔

تشریح: جس وقت ہجرت ہوئی اس وقت مسلمانوں کمزور اور کافر مضبوط تھے۔

4. شُمُ الْعَرَانِينَ أَبْطَالُ لُبُوسُهُمْ... مِنْ نَسْجِ دَاوُدَ فِي الْهَيْجَا سَرَابِيلُ

یہ صحابہ باعزت ابطال ہیں۔ جنگوں میں ان کا لباس داودی زر ہیں۔

تشریح: یعنی کہ صحابہ کمزور تھے لیکن باعزت اور بہادر بھی تھے۔ چنانچہ مدینہ شریفہ میں انہوں نے تیاری کی یہاں تک کہ جنگوں میں مضبوط زر ہیں پہننے لگے۔

5. بِيضٌ سَوَابِغٌ قَدْ شُكَّتْ لَهَا حَلَقٌ... كَأَنَّمَا حَلَقُ الْقَفْعَاءِ مَجْدُولُ

سفید اور لمبی زر ہیں جن کے حلقے ایسے محکم طریقے سے جوڑے گئے تھے جیسے کانٹے دار جھاڑی (قفعاء) کے حلقے۔

تشریح: زر ہوں کو سفید کہنے کا مقصد یہ ہے کہ کثرت جنگ سے وہ پرانی نہیں ہوتیں کہ رنگ لگ کر کالی ہو جائیں۔ اور لمبی سے مقصد یہ ہے کہ اس کے پہننے والے اتنے سخت جان ہیں کہ وزنی زر ہیں پہن کر بھی لڑ لیتے ہیں۔ جبکہ مضبوط حلقوں سے مراد یہ ہے کہ وہ پوری جنگی تیاری کر کے آتے ہیں۔ رہا زرہ کے حلقوں سے قفعاء سے تشبیہ تو اسے وہی سمجھ سکتا ہے جس نے قفعاء کی جھاڑی خود دیکھی ہو۔

6. لَيْسُوا مَفَارِجَ إِذَا نَالَتْ رِمَاحُهُمْ... قَوْمًا وَلَيْسُوا مَجَارِيعًا إِذَا نِيلُوا

جب ان کے نیزے کسی قوم کو نقصان پہنچاتے ہیں تو وہ اس پر خوش نہیں ہوتے اور اگر خود انہیں نقصان پہنچے تو وہ گھبراتے نہیں ہیں۔

تشریح: یعنی کہ وہ جیت میں خوشی سے اتراتے نہیں ہیں اور ہار میں ہمت نہیں ہار بیٹھتے۔ جہاں یہ اعلیٰ صفات کا بیان ہے وہیں اللہ تعالیٰ اور تقدیر پر ایمان کی دلالت کرتا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں خود حکم دیتے ہیں ”یہ اس لیے تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے، اس پر تم غم میں نہ پڑو، اور جو چیز اللہ تمہیں عطا فرمادے، اس پر تم اتراؤ نہیں، اور اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اتر اتر میں مبتلا ہو، شیخی بگھارنے والا ہو“¹۔

7. يَمْشُونَ مَشْيَ الْجَمَالِ الزُّهْرِ يَعْصِمُهُمْ... ضَرْبٌ إِذَا عَرَّذَ السُّودُ

الْفَنَابِيلُ

¹۔ سورہ الحدید آیت ۲۳۔

²۔ اشعار کے ترجمے اور تشریح کے لیے مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کیا ہے: سیرۃ ابن ہشام ت السقا (2/ 512)۔ شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ (4/ 60)۔ بہجۃ المحافل وبغیۃ الأمائل (1/ 455)۔ ثلاثیۃ البردۃ بردۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ص: 44)

سفید اونٹوں کی چال چلتے ہیں۔ انہیں ان کے ضربے بچاتے ہیں جب کو تارہ قد سیارہ رگت انہیں چھوڑ کر بھاگ نکلتے ہیں۔

تشریح: یعنی کہ وہ اعلیٰ صفات کے حامل سفید اونٹوں کی اعلیٰ نسل کی طرح اونچے حسب و نسب والے بردبار لوگ ہیں۔ اگر ان کی مدد کرنے سے کوئی کم خصلت انسان پیچھے ہٹ جائے تو ان کی قوت بازو ان کے لیے کافی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ السُّودُ الْفَنَابِيلُ سن کر بعض انصار نے کہا کہ حضرت کعب کی مراد اس سے انصار ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت کعب نے ان کی شان میں ایک اور مشہور قصیدہ پڑھا۔

8. لَا يَقَعُ الطَّلَعُ إِلَّا فِي نُحُورِهِمْ... وَمَا لَهُمْ عَنْ حِيَاظِ الْمُؤْتِ تَهْلِيلُ

ان پر ضربہ صرف ان کی گردنوں پر لگتا ہے۔ اور موت کے حوض سے وہ پیچھے نہیں ہٹتے۔

تشریح: یعنی کہ وہ بزدل نہیں کہ دور سے انہیں مارا جاسکے بلکہ وہ اتنی قریب سے لڑتے ہیں کہ ان کی گردنوں تک کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ نحر گردن کے اگلے حصے کو کہتے ہیں جس سے یہ بھی مطلب نکلتا ہے کہ وہ سینے پر چوٹ کھاتے ہیں پیٹھ نہیں پھیرتے۔ اور موت کے حوض سے مراد ہے کہ جام شہادت پینے میں دیر نہیں کرتے ہیں۔ یعنی کہ موت سے نہیں ڈرتے۔

اس شعر پر حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا قصیدہ ختم ہو جاتا ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ایک شعر میں صفت بیان کرنے سے باقی تمام اشعار میں اس جماعت کی بہادری بیان کی گئی ہے جو آپ کی تربیت یافتہ تھی۔ جس سے خود مرہب کی بہادری کا اندازہ ہوتا ہے۔²

حضرت بو صیری رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو تو رسول اکرم ﷺ نے حقیقت میں بردہ شریف عطا کیا تھا جبکہ حضرت بو صیری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ بردہ خواب میں ملا تھا۔ آئیے حضرت بو صیری کے حالات زندگی جانتے ہیں:

ان کا لقب شرف الدین، کنیت ابو عبد اللہ، اور نام محمد بن سعید تھا۔ ان کے آباء واجداد مراکش کے شہر صہباجہ سے مصر آئے تھے لیکن خود ان کے والد کا تعلق مصر کے شہر بو صیر سے تھا جس سے ان کی نسبت بو صیری بنی۔ ان کی پیدائش ۶۰۸ھ کو دلاص میں ہوئی اور ۶۹۷ھ کو وفات اسکندریہ میں ہوئی جہاں آج تک ان کا مقبرہ موجود ہے۔ وہ پیشہ ور کاتب تھے³۔ یہ کام وہ مصر کے علاقے الشرقیہ کے شہر بلیمس میں کرتے تھے۔ اس پیشے کے بارے میں ان کا ایک طویل قصیدہ ہے جن میں وہ ہم پیشہ افراد پر نقد کرتے ہیں کہ وہ اپنے کام میں امانت دار نہیں

³۔ یعنی کہ کتابیں نسخ کرنا اور امراء اور حکام کے لیے خطوط وغیرہ تحریر کرنا۔

ہیں اور اپنے منصب سے ناجائز مالی فائدے اٹھاتے ہیں۔ ان کے اشعار انتہائی خوبصورت اور خوش ذوق ہوتے ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مشہور شاعر الجزار اور الوراق سے بھی بہتر ہیں۔

بوصیری اپنے قصیدے 'بردہ' کے بارے میں کہتے ہیں: "میں نے مدحت رسول ﷺ میں بے شمار قصیدے کہے۔ ان میں سے بعض جناب زین الدین یعقوب بن الزبیر کی تجویز کردہ تھے۔ پھر اتفاقاً مجھے آدھے جسم کا فالج ہو گیا۔ تب میں نے ایک قصیدہ تالیف کرنے کا سوچا جسے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں شفا کے لیے وسیلہ بناؤں۔ میں یہ قصیدہ بار بار پڑھتا رہا، روتارہا اور دعا کرتا رہا یہاں تک کہ ایک رات مجھے خواب آیا کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ میرے چہرہ پر پھیر کر اپنا بردہ مجھ پر ڈالا دیا۔ جب میں جاگا تو میں صحت یاب ہو گیا تھا۔ جب گھر سے نکلا تو راستے میں ایک فقیر نے کہا کہ مجھے وہ قصیدہ سناؤ جس میں تم نے پیغمبر پاک ﷺ کی مدح کی ہے۔ میں نے پوچھا: کون سا والا؟ اس نے کہا: وہ جو تم نے اپنے مرض میں کہا تھا۔ اللہ کی قسم ہم نے کل ہی حضور پاک ﷺ کے سامنے اسے پڑھتے ہوئے سنا ہے جس پر آپ ﷺ نے پڑھنے والے پر بردہ ڈالا۔ تب میں نے اس فقیر کو یہ قصیدہ سنایا۔ پھر یہ قصہ اتنا مشہور ہوا کہ مجھ سے بادشاہ الظاہر بیکر کے وزیر بہاء الدین نے رابطہ کر کے اپنے لیے ایک نسخہ حاصل کیا"۔¹

دیگر تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاذلی فرقے کے امام ابو الحسن الشاذلی کے براہ راست مرید تھے۔ ان کے علاقے میں کافی تعداد میں عیسائی اور یہودی بھی پائے جاتے تھے جن پر رد کے لیے انہوں نے ان کی کتابوں کا مطالعہ کر کے ایک قصیدہ تالیف کیا۔ وہ بہترین شاعر تھے اور ان کا یہ قصیدہ بہت مشہور ہوا لیکن بعض علماء کہتے ہیں کہ ان کے کئی اشعار میں غلو بھی پایا جاتا تھا۔²

بردہ بوصیری کے جہادی اشعار³

حضرت بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے قصیدہ میں رسول اللہ ﷺ کے جہاد و قتال کے بارے میں لکھے گئے اشعار اور ان پر تبصرہ درج ذیل ہے:

1. رَاعَتْ قُلُوبَ الْعِدَا أَنْبَاءَ بَعْثِهِ ... كَتَبْنَاؤُ أَجْفَلَتْ غُفْلًا مِنَ الْغَنَمِ

آپ ﷺ کی بعثت کی خبروں سے دشمنوں کے دل ایسے دہل گئے جیسے زوردار چیچ سے غافل بکریاں بدک جاتی ہیں۔

تشریح: گویا بعثت نبوی ﷺ 'معرکہ حق و باطل' کی ایک کڑی تھی۔ آپ ﷺ کی آمد کا مطلب شیطان اور اس کے چیلے بخوبی سمجھتے تھے۔ بعثت نبوی ﷺ سے یہ معرکہ دوبارہ تازہ اور واضح ہوا اگرچہ یہ اتنا ہی قدیم ہے جتنا وجود انسان۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان کے ازلی وابدی دشمن شیطان سے خبردار کیا۔ خود سوچیں کہ اس عقیدے کے ہوتے ہوئے 'حق' اور 'باطل' میں کس حد تک مفاہمت ہو سکتی ہے اور کس مرحلے پر ان دونوں کے درمیان امن قائم ہو گا؟!

2. مَا زَالَ يُلْفَاهُمْ فِي كُلِّ مُعْتَرِكٍ ... حَتَّى حَكَّوْا بِالْقَنَّا لَحْمًا عَلَى وَضَعِ

آپ ﷺ نے ہر معرکے میں دشمنوں کا مقابلہ کیا یہاں تک کہ وہ نیزوں سے اس طرح چیر دیے گئے جیسے تختے پر گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کیے جاتے ہیں۔

تشریح: ممکن ہے کہ مغرب کی نظر میں یہ شعر 'دہشت گردی' کے زمرے میں آتا ہو جس پر پابندی لگانا دینی چاہیے۔ سورہ انفال میں آیت نمبر ۱۱۲ اور ۱۱۳ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: (وہ وقت جب تمہارا رب فرشتوں کو وحی کے ذریعے حکم دے رہا تھا کہ: میں تمہارے ساتھ ہوں، اب تم مومنوں کے قدم جمائو میں کافروں کے دلوں میں رعب طاری کر دوں گا، پھر تم گردنوں کے اوپر وار کرو، اور ان کی انگلیوں کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی مول لی ہے، اور اگر کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی مول لیتا ہے، تو یقیناً اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے)۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ 'فوق الاعناق' یعنی گردنوں کے اوپر مارنے سے مراد سروں کو پھوڑنا اور گردنوں کو اڑانا ہے۔ جب کہ 'کل بنان' سے مراد ہاتھ پاؤں کو کاٹنا ہے۔ اور امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ یہ حکم مومنوں کے لیے بھی ہے۔ اور دراصل اس سختی کی وجہ کفار کی دشمنی ہے۔ کیونکہ انسان قتل و قتال سے طبعاً کراہت محسوس کرتا ہے اس لیے حق کی خاطر قتل پر آمادہ کرنے کے لیے ایسی تعبیرات استعمال کی جاتی ہیں۔ اور جب آپ خود حق و باطل کے درمیان جاری جنگ میں اتریں گے اور کفار کی جانب سے محض انکار حق تو درکنار باطل کی خاطر ان کے جنگی مظالم اور جرائم محسوس کریں گے تو اس کے مقابلے میں یہ طرز عمل آپ کو وحشیانہ نہیں بلکہ عین منصفانہ نظر آئے گا۔ لیکن ظاہر ہے کہ قتل و قتال میں شدت صرف میدان جنگ تک محدود ہے۔ گرفتاری کی صورت میں نہیں۔ لیکن کافر تو گرفتاری میں بھی اسے روا رکھتے ہیں۔ آپ قیدیوں کے حوالے سے امارت اسلامی افغانستان اور امریکہ کے رویوں میں واضح فرق دیکھ سکتے ہیں۔

³۔ ترجمے اور تشریح کے لیے ان کتب سے استفادہ کیا ہے: محمد یحییٰ حلو کی کتاب البردة شرحا وإعرابا وبلاغه لطلاب المعاهد والجامعات اور حسن حسین کی کتاب ثلاثية البردة بردة الرسول صلى الله عليه وآله وسلم۔

¹۔ دیکھیے: الوافي بالوفيات از الصفدى (وفات: 764ھ)۔

²۔ دیکھیے: حسن المحاضرة في تاريخ مصر والقاهرة از اماما سيوطي (1/ 570) اور قراءة في بردة

البوصيرى بحواله ديوان البوصيرى للطباعة۔

3. وَدُّوا الْفِرَارَ فَكَادُوا يَغِيبُونَ ... أَشْلَاءَ شَالَتْ مَعَ الْعُقْبَانِ

وَالرَّحِمِ

دشمن بھاگنے کی آرزو کرنے لگے۔ انہیں جسم کے ان ٹکروں پر رشک آنے لگا جسے عقاب اور گدھ اٹھا کر لے جا رہے تھے۔

4. تَمْضِي اللَّيَالِي وَلَا يَدْرُونَ عِدَّتَهَا ... مَا لَمْ تَكُنْ مِنَ لَيَالِي الْأَشْهُرِ

الْحُرُمِ

راتیں گزر جاتی ہیں لیکن دشمن انہیں شمار نہیں کر سکتے یہاں تک کہ اشہر حرام میں امن نہ پا لیں۔

تشریح: حرام شہر جن میں جاہلیت کے زمانے سے قتال معیوب سمجھا جاتا تھا وہ تین جج کے مبینہ: ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم۔ اور ایک رجب جس میں دور جاہلیت میں لوگ خصوصاً عمرے کے لیے جاتے تھے۔ بعد میں ان کی حرمت منسوخ کر دی گئی۔

5. كَأَنَّمَا الدِّينُ ضَيْفٌ حَلَّ سَاحَتَهُمْ ... بِكُلِّ قَدَمٍ إِلَى لَحْمِ الْعِدَا قَرِمِ

جیسے کہ میدان جنگ میں دین اسلام مہمان آیا ہو اور سردار اس کی ضیافت میں دشمن کا گوشت قربان کرنا چاہتا ہو۔

تشریح: سرداروں سے مراد صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔

6. يَجْزُ بِحَرَ خَمِيسٍ فَوْقَ سَابِحَةٍ ... يَرْمِي بِمَوْجٍ مِنَ الْأَبْطَالِ مَلْطَمِ

یہ دین، بھاگتے ہوئے گھوڑوں کی پیٹھ پر لشکر جرار کے سمندر کو کھینچ لایا ہے اور دشمن کو ابطال کی موجوں سے دے مار رہا ہے۔

تشریح: عربی میں لشکر کے لیے لفظ خمیس استعمال کیا گیا ہے یعنی کہ وہ لشکر جسے منظم طور پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہو۔ دایاں (میںہ)، بائیاں (میسرہ)، اگلا (طلیعیہ)، پچھلا (ساقہ) اور مرکز (قلب)۔

7. مِنْ كُلِّ مَنْتَدِبٍ لِلَّهِ مُحْتَسِبٍ ... يَسْطُو بِمُسْتَأْصِلٍ لِلْكَفْرِ مُصْطَلِمِ

یہ سمندر کفر کی بیخ کنی کرنے والے، ہر رضا کار بطل کو (جو اللہ سے اجر کے حصول کے لیے شامل ہوا ہے) دشمن پر پھینک رہا ہے تاکہ ان کا خاتمہ کر دے۔

تشریح: غور کریں کہ مذکورہ بالا دونوں اشعار میں بوسیری رحمۃ اللہ علیہ کفار کے خلاف 'جہاد و قتال' کو 'دین اسلام' کی خصوصیات میں سے گردانتے ہیں جس کا مقصد کفر کی بیخ کنی ہے۔ اور یہ جہاد و قتال مال و دولت اور عزت کے لیے نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر۔

8. حَتَّى غَدَتْ مِلَّةُ الْإِسْلَامِ وَهِيَ بِهِمْ ... مِنْ بَعْدِ غُرْبَتِهَا مَوْصُولَةُ الرَّحِمِ

یہاں تک کہ ملت اسلام کے رشتے (اجنبیت کے بعد) ان ابطال کے سبب آپس میں جڑ گئے۔

9. مَكْفُولَةٌ أَبَدًا مِنْهُمْ بِخَيْرِ أَبٍ ... وَخَيْرِ بَعْلِ فَلَمْ تَلْتَمِمْ وَلَمْ تَنْمِ

ان ابطال نے ہمیشہ کے لیے (بہترین والد اور بہترین شوہر کی طرح) اس امت کی کفالت کر رکھی ہے کہ اب نہ امت یتیم رہی نہ بیوہ۔

تشریح: گویا کفار ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کو 'اجنبی' بناتے ہیں جو ڈرتے ڈرتے اپنے دین پر عمل کرتے ہیں یہاں تک کہ ایک دوسرے سے ملتے ہوئے بھی گھبراتے ہیں اور مظلوم امت اپنے آپ کو بین الاقوامی معاشرے میں یتیم اور بیوہ کی طرح بے یاد و مددگار پاتی ہے۔ لیکن یہ جہاد و قتال ہے جس کے نتیجے میں دین حق کی اجنبیت ختم ہوتی اور مسلمان بلا خوف و خطر آپس

میں ملتے ہیں اور انہیں مجاہدین کی صورت میں اپنے ہمدرد سرپرست محافظین مل جاتے ہیں۔ (کچھ مغرب کی تبلیغ ہے اور کچھ نادان خارجی مسلمان ہیں جو مجاہدین کو الٹا سفاک اور وحشی پیش کرتے ہیں)۔

یہ جہاد و قتال ہے جس کے نتیجے میں دین حق کی اجنبیت ختم ہوتی اور مسلمان بلا خوف و خطر آپس میں ملتے ہیں اور انہیں مجاہدین کی صورت میں اپنے ہمدرد سرپرست محافظین مل جاتے ہیں۔

10. هُمْ الْجِبَالُ فَسَلَّ عَنْهُمْ مُصَادِمُهُمْ ... مَاذَا لَقِيَ مِنْهُمْ فِي كُلِّ

مُصْطَدِمِ

یہ ابطال تو پہاڑ ہیں۔ تم ان کے بارے میں ٹکرانے والوں سے پوچھو کہ جب بھی ٹکرائے تو ان کا کیا حال بنا۔

11. وَسَلَّ حُنَيْنًا وَسَلَّ بَدْرًا وَسَلَّ أُحُدًا ... فُصُولُ حَتْفٍ لَهُمْ أَذَى مِنْ

الْوَحْمِ

اور پوچھو حنین سے اور بدر سے اور احد سے۔ یہ جنگیں دشمنوں کے لیے وباؤں سے بڑھ کر موت کا موسم ٹھہریں۔

12. الْمُصْدِرِي الْبَيْضِ حُمْرًا بَعْدَ مَا وَرَدَتْ ... مِنَ الْعِدَا كُلِّ مُسَوِّدٍ مِنْ

الْيَمِّمِ

وہ ابطال جو میدان جنگ میں سفید چمکتی تلواریں لے جاتے تھے اور واپس دشمن کے جوانوں کے خون سے سرخ کر لاتے تھے۔

13. وَالكَاتِبِينَ بِسُمْرِ الْحَطِّ مَا تَرَكْتُ ... أَقْلَامُهُمْ حَرْفَ جِسْمٍ غَيْرِ مُنْعَجِمٍ

یہ ابطال بہترین نیزوں سے گویا ایسے لکھ رہے ہوں کہ ان کے اقلام نے دشمنوں کا کوئی حرف جسم بلا زیر و زبر نہیں چھوڑا۔

تشریح: عربی میں نیزے کی نسبت 'خط' نامی بندر گاہ کی طرف کی گئی ہے جو جزیرہ عرب کے مشرق میں واقع تھا اور جہاں ہند سے بہترین اسلحہ آتا تھا جن میں نیزوں کے سر بھی شامل تھے۔

14. شَاكِي السِّلَاحِ لَهُمْ سِيْمًا تَمْيِزُهُمْ ... وَالْوَرْدُ يَمْتَازُ بِالسِّيْمَا عَنِ السَّلَمِ

وہ اسلحے سے لیس ہیں۔ ان کی ایسی نمایاں نشانیاں ہیں جیسے گلاب کانٹے دار جھاڑیوں کے درمیان جدا نظر آتا ہے۔

15. تُهْدِي الْيَلَّكَ رِيَّاحُ النَّصْرِ تَشْرُهُمْ ... فَتَحْسِبُ الزُّهْرَى فِي الْأَكْمَامِ كُلِّ كَعْبِي

جب فتنہ کی ہوا ان گلابوں کی خوشبو تمہیں ہدیہ کرے گی تو ایسا محسوس کرو گے کہ جیسے ہر شجاع پھول کی ایک کلی میں لپٹا ہوا ہے۔

تشریح: گویا یہ ابطال اپنی بہادری کے باوجود دراصل گلاب اور پھولوں کی طرح ہیں۔ اس سے تقویٰ اور پرہیز گاری بھی مراد ہے اور یہ بھی کہ وہ اصلاً سنگ دل اور کرخت نہیں ہیں لیکن حق کی نصرت اور کافروں کی طرف سے زیادتی کے سبب گلاب صفت انسان بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ اور یہ بھی مطلب ہے کہ ان کی شجاعت اور مردانگی وحشیانہ نہیں بلکہ بھلی محسوس ہوتی ہے۔ سابقہ اشعار سے ایک اور اہم بات جس کی طرف ذہن جاتا ہے کہ جنگ کے لیے اسباب جنگ اختیار کرنا اور اپنے آپ کو مسلح کرنا بھی لازمی ہے۔ شجاع پھول کا کلی میں لپٹے ہونے سے مراد زرہ پوش ہونا بھی ہے کیونکہ عربی متن کے لفظ کعبی کا مطلب مسلح اور بہادر شخص ہے۔

16. كَأَنَّهُمْ فِي ظُهُورِ الْخَيْلِ نُبْتُ ذُبَا ... مِنْ شِدَّةِ الْحَزْمِ لَا مِنْ شِدَّةِ الْحَزْمِ

وہ گھوڑوں کی پیٹھ پر ایسے نظر آتے ہیں جیسے ٹیلوں پر لہلاتے پودے۔ اپنے آپ کو سخت کئے کے سبب نہیں بلکہ اپنی مضبوط تدبیر کے سبب جتے ہوئے ہیں۔

تشریح: یعنی ایک طرف وہ گھوڑوں پر ایسے جتے نظر آتے ہیں جیسے پودے مٹی میں پیوست ہوتے ہیں۔ لیکن دوسری طرف وہ اپنی چالوں میں اتنے لچکدار ہیں جیسے پودوں کی شاخیں ہوا میں ہوں۔ یہ فقط اپنی جسمانی قوت کے سبب نہیں بلکہ اپنی ذہانت، قوت فیصلہ، دل جمعی اور منصوبہ بندی و چال چلنے کے سبب۔ کیونکہ جنگ میں محض جسم کا کمال نہیں ہوتا بلکہ عقل کا بھی ہوتا ہے۔ بلکہ عقل کا استعمال زیادہ اہم ہوتا ہے۔ اکثر مجاہدین کے پاس قوت ہوتی ہے لیکن وہ قوت کہاں اور کیسے استعمال کی جائے قوت سے زیادہ اہم ہے۔

17. طَارَتْ قُلُوبُ الْعِدَا مِنْ بَأْسِهِمْ فَرَقًا ... فَمَا تُفَرِّقُ بَيْنَ الْبَنِي وَالْبَنِي

دشمنوں کے دل ان کی قوت سے اتنے دہل گئے کہ ان کے بزدل اور بہادر میں تم فرق نہ کر سکو گے۔

تشریح: گویا ان کا بہادر بھی بزدل نظر آئے گا۔

18. وَمَنْ تَكُنْ بِرَسُولِ اللَّهِ نُصْرَتُهُ ... إِنْ تَلَقَّه الْأُسْدُ فِي آجَامِهَا تَعَجِمَ

جس کی نصرت رسول اللہ ﷺ کے سبب ہو اسے شیر اگر اپنے ٹھکانے میں بھی پالے تو الٹا خود سہم جائے۔

19. وَلَنْ تَرَى مِنْ وَلِيٍّ غَيْرٍ مُنْتَصِرٍ ... بِهِ وَلَا مِنْ عَدُوٍّ غَيْرٍ مُنْقَصِمٍ

ہر دوست کو تم آپ ﷺ ہی کی بدولت فتیاب پاؤ گے اور ہر دشمن کی کمر آپ ﷺ ہی کی بدولت ٹوٹے گی۔

تشریح: یعنی کہ رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں، بشارتوں اور سنتوں پر عمل کرنے کی بدولت مسلمانوں کی نصرت ہوتی ہے۔

20. أَحَلَّ أُمَّتَهُ فِي حَرْزِ مَلَّتِهِ ... كَاللَّيْثِ حَلَّ مَعَ الْأَشْبَالِ فِي أَحْجَمِ

آپ ﷺ نے امت کو اپنی ملت کے پناہ گاہ میں ایسے بسایا جیسے کوئی شیر اپنے بچوں کو اپنی جھاڑیوں میں بساتا ہے۔

تشریح: گویا یہ جہاد جسے آپ ﷺ نے دین کا ایک ستون اور شریعت کا ایک حکم گردانا ہے وہ امت کے لیے جنگ جیسی دنیا میں ایک حصار اور فصیل کی مانند ہے جس کے اندر رہ کر وہ پر امن زندگی گزار سکتے ہیں۔

21. كَمْ جَدَلْتُ كَلِمَاتُ اللَّهِ مِنْ جَدَلٍ ... فِيهِ وَكَمْ خَصَمَ الْبُرْهَانُ مِنْ خَصَمٍ

کلام اللہ میں کتنے جدل و جدال کرنے والوں کو کلام اللہ نے پچھاڑا اور دلیل روشن نے کتنے حریفوں کو مات دی۔

22. كَفَاكَ بِالْعِلْمِ فِي الْأُمِّيِّ مُعْجَزَةً ... فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَالتَّأْدِيبِ فِي الْيَوْمِ

جاہلیت کے زمانے میں اُٹی ہونے کے باوجود صاحب علم ہونا اور یتیم ہونے کے باوجود باادب ہونا ہی آپ ﷺ کے معجزہ کے لیے کافی ہے۔

اگرچہ یہ آخری دو شعر براہ راست جہاد و قتال کے متعلق نہیں ہیں لیکن یہ قصیدے میں اس کے بعد آنے والے اشعار کے مضمون سے بھی ہٹ کر ہیں۔ اور جہادی اشعار کا خاتمہ قرآن عظیم الشان کی دلیل و حجت اور آپ ﷺ کے علم و اخلاق ذکر کرنے سے اشارہ اس طرف ہے کہ اگر بات افہام و تفہیم کی ہو، دلیل و حجت کی ہو، علم و اخلاق کی ہو تو وہ تو مسلمان تو اس میں پہلے ہی اپنے آپ کو ثابت کر چکے ہیں۔ لیکن کفار اپنے عناد و مجود کے سبب حق کو تسلیم نہیں کرتے اور اناس کے خلاف اوجھ تھکنڈے استعمال کرتے ہیں اس لیے قتال و جہاد کے بغیر کوئی چارہ نہیں تاکہ مسلمان سکون سے اپنے دین پر عمل کر سکیں۔

امیر الشعراء احمد شوقی رحمۃ اللہ علیہ

بردہ رسول اکرم ﷺ کے حصول یعنی کہ ان کی شفاعت کے مستحق ہونے کی خواہش میں بے شمار شعراء نے قصیدے لکھے۔ ان میں ایک عرب کے ’امیر الشعراء‘ بھی ہیں جنہوں نے حضرت بو صیری رحمۃ اللہ علیہ کے قصیدے کے وزن پر اپنی نعت ’نبح البردہ‘ لکھی۔ انہیں دیکھیں کہ احمد شوقی کون تھے:

احمد شوقی علی بیگ ۱۸۶۸ء کو قاہرہ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۳۲ء میں وہیں وفات پائی۔ ان کے والد کر دی تھے جبکہ والدہ ترک تھیں۔ وہ جدید دور میں عالم عرب کے مشہور ترین شاعر ہیں جن کا موازنہ برصغیر کے شاعر علامہ اقبال سے کیا جاسکتا ہے۔

ان کی نانی عثمانی خلافت کے تابع مصر کے حکمران خدیوی اسماعیل کے قصر میں ملازمہ تھیں اس لیے احمد شوقی شاہی قصر میں پہلے بڑھے۔ ۴ سال کے ہوئے تو ان کی والدہ نے انہیں شیخ صالح کے مکتب بھیج دیا جہاں انہوں نے ابتدائی دینی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد وہ سرکاری سکول میں داخل ہو گئے۔ سکول کے زمانے میں انہیں شعر و شاعری سے اتنا لگاؤ بڑھا کہ انہوں نے بڑے بڑے شعراء کے دیوان پڑھ ڈالے اور بے شمار یاد کر لیے۔ ۱۵ سال کی عمر میں لاء کالج کے شعبہ ترجمہ میں داخلہ لیا۔ جہاں ان کے استاد شیخ محمد بیونی ان کی شعری صلاحیت سے واقف ہوئے اور ان میں ایک بڑا شاعر چھپا دیکھتے تھے۔ ۱۸۸۷ء میں انہیں خدیوی توفیق نے اپنے خرچے پر لاء کی اعلیٰ تعلیم کے لیے فرانس بھیجا جہاں وہ مغربی ادب سے بھی روشناس

ہوئے۔ وہاں احمد شوقی دیگر ساتھیوں سمیت مصر میں برطانوی دخل اندازی کے خلاف سیاسی عمل میں بھی شریک رہے۔ اس وقت سے انہوں نے سیاسی حالات اور دینی جذبے کے تناظر میں عثمانی خلافت اور خدیوی حکومت کی حمایت میں اشعار کہنا شروع کیے۔ ۱۸۹۱ء میں تحصیل علم سے واپس آئے تو خدیوی عباس کے ایوان میں فرنگی قلم کے سربراہ مقرر ہوئے اور ۱۸۹۶ء میں جیو وائس منعقد ہونے والی مستشرقین کی کانفرنس میں مصر کی نمائندگی کی۔

۱۹۱۴ء میں جب پہلی جنگ عظیم شروع ہونے والی تھی انگریزوں نے خدیوی عباس کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ عثمانی خلافت کے بجائے براہ راست برطانوی حمایت (انتداب) کے تحت خدیوی خاندان کی سلطنت قائم کر دی۔ خدیوی عباس نے انگریزوں کے شر سے بچنے کے لیے احمد شوقی کو کہا کہ وہ بھی مصر سے نکل جائیں چنانچہ انہوں نے ۱۹۱۵ء میں ہسپانیہ میں جلا وطنی اختیار کر لی۔ جہاں وہ اندلسی ثقافت کے ساتھ ساتھ دیگر یورپی ادب سے بھی واقف ہوئے۔ اس دوران انہوں نے اپنے اشعار میں خدیویت کے بجائے قومی جذبات اور آزادی کی تحریکات کی ترجمانی کی۔ ۱۹۱۹ء میں مصر میں برطانویوں کے خلاف بغاوت شروع ہوئی چنانچہ احمد شوقی بھی ۱۹۲۰ء میں واپس مصر آ گئے لیکن اس دفعہ خدیویوں کا شانی دروازہ ان کے لیے بند تھا کیونکہ اس وقت کے خدیوی برطانیہ کے تابع تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے اشعار میں مصری عوام، عرب قوم اور امت اسلامیہ کی ترجمانی شروع کی۔ آخر کار ۱۹۲۲ء میں مصر نے برطانیہ سے ظاہری آزادی حاصل کر لی اور خدیوی حکمرانوں نے مصر پر اپنی مستقل بادشاہت قائم کر لی۔ اس وقت عالمی منظر نامے میں اسلامی امت کی نمائندگی کرنے والی عثمانی خلافت اور مغرب اور ان کی پالتو قوم پرستانہ تحریکات میں کشمکش عروج پر تھی۔ چنانچہ اسلامی حمیت کے سبب احمد شوقی نے عثمانی خلافت کے بھرپور حمایت کی جس کا اندازہ ان کے اشعار سے لگایا جاسکتا ہے۔

۱۹۲۷ء میں عرب شعراء نے احمد شوقی کو امیر الشعراء کا لقب دیا۔ انہوں نے تقریباً شعر کے ہر صنف میں تقریباً 23 ہزار سے زائد ابیات کہے ہیں جو کہ جدید و قدیم تمام عرب شعراء سے زیادہ ہیں۔ یورپی ادب کے مطالعے کے نتیجے میں انہوں نے پہلی دفعہ عربی ادب میں ڈرامائی نظم کا اضافہ کیا جس میں مختلف کردار ایک دوسرے سے اشعار کی صورت میں مخاطب ہوتے ہیں¹۔

نبح البردہ کے جہادی اشعار

اس سے پہلے کہ امیر الشعراء احمد شوقی رحمۃ اللہ علیہ نبی اکرم ﷺ کے جہاد کا تذکرہ کریں وہ کئی ابیات میں آپ ﷺ کی ذاتی شجاعت بھی بیان کرتے ہیں:

1. وَاللَّيْثُ دُونَكَ بَأْسًا عِنْدَ وَثْبَتِهِ ... إِذَا مَشَيْتَ إِلَى شَاكِي السِّلَاحِ كَهِي

¹ دیکھیے الاعلام للزركلي (1/ 136) اور ویکی پیڈیا۔

جھپٹتے ہوئے شیر کی قوت آپ ﷺ کی قوت سے کم ہوتی ہے جب آپ مسلح جنگجوؤں کی طرف بڑھتے ہیں۔

2. تَهْفُو إِلَيْكَ وَإِنْ أَدْمَيْتَ حَبَّتْهَا ... فِي الْحَرْبِ أَفِيدَةُ الْأَبْطَالِ وَالْمُهِمِّ

آپ ﷺ کی جانب بہادر ابطال کے دل لپکتے ہیں جنگ میں چاہے خود ان کے دل خون خون ہو جائیں۔

تشریح: یعنی بہادر صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی حفاظت اور دفاع کی خاطر آپ کی طرف لپکتے ہیں چاہے ان پر جو بھی گزرے۔

3. مَحَبَّةُ اللَّهِ أَلْقَاهَا وَهَيْبَتُهُ ... عَلَى ابْنِ أَمْنَةٍ فِي كُلِّ مُصْطَلَمٍ

یہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور ہیبت ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آمنہ کے بیٹے ﷺ پر ہر جنگ کے موقع پر ڈالی ہے۔

4. كَأَنَّ وَجْهَكَ تَحْتَ النَّعْجِ بَدْرُ دُجَى ... يُضِيءُ مُلْتَمِئاً أَوْ غَيْرَ مُلْتَمِئٍ

جنگ کے غبار کے اندر بھی آپ کا چہرہ ایسے روشن ہوتا ہے جیسے تاریک رات میں چودھویں کا چاند چاہے چہرہ پر نقاب ہو یا نہ ہو۔

5. بَدْرٌ تَطَّلَعَ فِي بَدْرِ فَعَزَّتْهُ ... كَغُرَّةِ النَّصْرِ تَجْلُو دَاجِيَ الظُّلَمِ

جنگ بدر میں آپ گویا چودھویں کی چاند کی طرح روشن تھے۔ آپ کی پیشانی گویا فتح و نصرت کی پیشانی ہے جس سے تاریک اندھیرے چھٹے جا رہے تھے۔

تشریح: یعنی جنگ بدر میں آپ کی ذات مسلمانوں کے لیے فتح و نصرت کی خوشخبری تھی جس سے کفر و شرک کے اندھیرے چھٹ گئے۔

کافی آگے جا کر پھر سے احمد شوقی جہادی آیات کہتے ہیں:

1. قَالُوا غَزَوْتَ وَرُسُلُ اللَّهِ مَا بُعِثُوا ... لِقَتْلِ نَفْسٍ وَلَا جَاوُوا لِسَفَكِ

دَمٍ

لوگ اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے جنگیں کیں جبکہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر لوگوں کو قتل کرنے اور خون بہانے نہیں بھیجے گئے۔

2. جَهْلٌ وَتَضَلُّلٌ أَحْلَامٍ وَسَفْسَظَةٌ ... فَتَحَتْ بِالسَّيْفِ بَعْدَ الْفَتْحِ

بِالْقَلَمِ

یہ جہالت ہے، ذہنوں کو گمراہ کرنا ہے اور بکواس ہے۔ درحقیقت آپ نے قلم کے ذریعے فتح کرنے کے بعد تلوار سے فتح کیا۔

3. لَمَّا أَتَى لَكَ غَمَوُا كُلُّ ذِي حَسَبٍ ... تَكْفَلُ السَّيْفُ بِالْجُهَالِ وَالْعَمَمِ

جب آپ کی طرف ہر صاحب حسب و نسب خود چل کر آیا تو باقی جاہلوں اور عامیوں کا کام تلوار نے سنبھال لیا۔

4. وَالشَّرُّ إِنْ تَلَقَّه بِالْخَيْرِ ضَبَّتْ بِهِ ... ذَرَعاً وَإِنْ تَلَقَّه بِالشَّرِّ يَنْخَسِمِ

اگر برائی کا مقابلہ بھلائی سے کرو گے تو تم تنگ آ جاؤ گے۔ اور اگر برائی سے کرو گے تو برائی رک جاتی ہے۔

تشریح: یعنی بھلے لوگوں نے جب دلیل و حجت اور اخلاق و آداب سے آپ کو تسلیم کر لیا تو اس کے بعد ضدی معاندین و مخاصمین کے لیے تلوار کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ برائی کو برائی سے روکنے سے مراد سختی کا سختی سے جواب دینا ہے۔ لاتوں کے بھوت کو باتوں سے نہیں بدلا جاسکتا۔

5. سَلَى الْمَسِيحِيَّةَ الْغَزَاءَ كَمْ شَرِيَتْ ... بِالصَّابِ مِنْ شَهَوَاتِ الظَّالِمِ

الْغَلَمِ

تم روشن عیسائیت سے پوچھو اس نے پھرے ہوئے ظالموں کی خواہشات کی بدولت کتنے کڑوے گھونٹ پیئے۔

تشریح: عربی میں 'صاب' ایک کڑوا پودے اور اس کے رس کو کہا جاتا ہے۔

6. طَرِيدَةُ الشِّرْكِ يُؤْذِيهَا وَيُوسِعُهَا ... فِي كُلِّ حِينٍ قِتَالاً سَاطِعَ الْحَدَمِ

شرک در بدر عیسائیت کے پیچھے لگا ہوا تھا تاکہ اسے اذیت دے۔ اور ہمیشہ اس پر ایسی جنگ مسلط کر رکھتا تھا جس کے شعلے دور تک دکھائی دیتے تھے۔

7. لَوْلَا حُمَاةُ لَهَا هَبَّتُوا لِنَصْرَتِهَا ... بِالسَّيْفِ مَا انْتَفَعَتْ بِالرِّفْقِ وَالرُّحَمِ

اگر عیسائیت کے ایسے حامی نہ ہوتے جو تلوار سے اس کی نصرت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں تو اسے محض اپنی نرمی اور رحم دلی سے کوئی فائدہ نہ پہنچتا۔

تشریح: یہ تاریخی حقیقت ہے کہ دنیا بھر میں عیسائیت کا بول بالا تب ہوا جب اسے رومی حکومت کی پشت پناہی حاصل ہوئی۔ اس کے بعد جہاد کے پیرائے میں ہی احمد شوقی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف کرتے ہیں کیونکہ مسلمانوں پر الزام بھی عیسائیوں کی طرف لگا آتا رہا ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جہاں تعریف ہے وہاں عیسائیوں کے باطل عقیدے کا انکار بھی ہے:

8. لَوْلَا مَكَانٌ لِعِيسَى عِنْدَ مُرْسِلِهِ ... وَخُرْمَةٌ وَجَبَتْ لِلرُّوحِ فِي الْقَدَمِ

اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کا اعلیٰ مرتبہ اور ازیلی حرمت نہ ہوتی

9. لَسَمَرِ الْبَدَنِ الطَّهْرُ الشَّرِيفُ عَلَى ... لَوْحَيْنِ لَمْ يَخْشَ مُؤْذِيهِ وَلَمْ

يَجْمِ

تو ان کا پاک اور باعزت جسم لکڑی کے دو تختوں پر ٹھونک دیا جاتا اور انہیں اذیت پہنچانے والے کو کوئی پروا نہ ہوتی اور نہ وہ گھبراتا۔

10. جَلَّ الْمَسِيحُ وَذَاقَ الصَّلْبَ شَانِئُهُ ... إِنَّ الْعِقَابَ بِقَدْرِ الذَّنْبِ

وَالْجُزْمِ

مسیح علیہ السلام جلیل القدر ٹھہرے اور الناصیب پر ان کو برا بھلا کہنے والا چڑھ گیا۔ جتنا گناہ اور جرم ہوتا ہے اتنی ہی سزا دی جاتی ہے۔

تشریح: یعنی کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے کے مصداق ان کے دشمن اسی چال میں پھنس گئے جو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے بنا رکھی تھی۔

11. أَحُو النَّبِيِّ وَرُوحَ اللَّهِ فِي نُزُلٍ ... فَوْقَ السَّمَاءِ وَدُونَ الْعَرْشِ مُحْتَرَمٌ

نبی اکرم ﷺ کے بھائی ہیں وہ۔ اور روح اللہ ہیں۔ آسمان کے اوپر عرش تلے ان کا اکرام ہو رہا ہے احترام کے ساتھ۔

تشریح: یعنی کہ وہ آسمانوں میں زندہ رہے ہیں۔ ان اشعار کے بعد احمد شوقی پھر سے رسول اللہ ﷺ اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے جہاد کا ذکر کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ مغرب کے پروپیگنڈے کے مقابلے میں جہاد و قتال کی حقانیت کی دلیلیں پیش کرتے ہیں۔

12. عَلَّمْتَهُمْ كُلَّ شَيْءٍ يَجْهَلُونَ بِهِ ... حَتَّى الْقِتَالِ وَمَا فِيهِ مِنَ الذِّمَمِ

آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو وہ سب کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتے تھے۔ یہاں تک کہ کیسے لڑا جاتا ہے اور اس میں کیا حقوق اور عہد و پیمان ہوتے ہیں۔

تشریح: یعنی کہ قتال کے احکام جن میں یہ بھی شامل ہے جب کوئی تسلیم ہو جائے تو اس کے ساتھ کیا کرنا ہے۔ جس قوم کے ساتھ معاہدہ ہو تو اس کے ساتھ کب لڑنا ہے۔ جو ذمی بن جائے تو اس کے کیا احکام ہیں۔ جنگ کب ہو اور کب نہ ہو۔ یہ تمام احکام شریعت میں واضح موجود ہیں۔

13. دَعَوْتُهُمْ لِجِهَادٍ فِيهِ سُودُ دُذُهِمْ ... وَالْحَرْبُ أَسُّ نِظَامِ الْكُونِ وَالْأُمَمِ

آپ ﷺ نے انہیں جہاد کرنے کی دعوت دی جس میں ان کی سرداری ہے۔ اور جنگ نظام کائنات اور امتوں کی بنیاد ہے۔

تشریح: یعنی کہ کسی بھی قوم کی سیادت اور ریاست کے لیے جنگی قوت ناگزیر ہے۔

14. لَوْلَا لَمْ تَزَلِ الدُّوَلَاتُ فِي زَمَنِ ... مَا طَالَ مِنْ عُمُرٍ أَوْ قَرَّ مِنْ دُعْمِ

اگر قتال نہ ہوتا تو ہم کسی بھی دور میں ریاستوں کے لیے ستون اور مضبوط بنیادیں نہ دیکھتے۔

تشریح: یعنی تمدن اور ترقی اسی جنگ و قتال کی قوت کی بنیاد پر ہوا۔

15. تِلْكَ الشَّوَاهِدُ تَتَرَى كُلَّ أَوْنَةٍ ... فِي الْأَعَصْرِ الْغُرْلَا فِي الْأَعَصْرِ الدُّهُمِ

یہ ثبوت تو ہر وقت دیکھنے میں چلے آ رہے ہیں۔ ظلم و تاریکی کے ادوار میں ہی نہیں بلکہ روشن ادوار میں بھی۔

تشریح: یعنی دور جدید میں کہاں بیار و محبت سے امن قائم ہوا ہے خود مغربی اقوام نے جنگ عظیم اول اور دوم کے بعد قوت حاصل کر کے اقوام متحدہ کا جال بنا۔ اس دور کو مغرب روشن دور سے یاد کرتا ہے قرون وسطیٰ کے اپنے تاریک دور کے مقابلے میں۔

16. بِالْأَمْسِ مَالَتْ عُرُوشٌ وَاعْتَلَّتْ سُرُورٌ ... لَوْلَا الْقَذَائِفُ لَمْ تَثْلُمَ وَلَمْ

تَصْمِ

کل کو کچھ عرش گرے اور کئی تختوں پر بیٹھا گیا۔ اگر توپ اور گولے نہ ہوتے تو نہ ان عرشوں اور تختوں پر دراڑیں پڑتیں اور نہ وہ داغدار ہوتے۔

تشریح: آج کل اگر ہم مغرب کو امن کے گن گاتے ہوئے سنتے ہیں تو وہ اس لیے کہ وہ اپنی جنگی قوت پہلے ہی قائم کر چکے ہیں۔ اور ان کے مقابلے میں جب مسلم اقوام جنگی قوت حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہیں تو وہ امن کا ڈھنڈورا پیٹنے لگتے ہیں۔ جبکہ ان کی ترقی تب ہی ہو سکتی ہے جب پہلے انہوں نے اپنی جنگی زور سے اپنے ممالک کو محفوظ کیا۔

17. أَشْيَاغُ عَيْسَى أَعَدَّوْا كُلَّ قَاصِمَةٍ ... وَلَمْ نُعِدْ سِوَى حَالَاتٍ مُنْقَصِمِ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حامیوں نے ہر تباہ کن ہتھیار بنایا اور ہم نے صرف ناکامی کا سامان تیار کیا۔

تشریح: یہ مغرب کی صلیبی ذہنت کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے ایٹم بم بنا کر رکھے ہیں اور افغانستان اور فلسطین جیسے ممالک میں کوئی مسلمان ایک بندوق کی گولی چلاتا ہے تو اسے دہشت گرد کہتے ہیں۔ اور ان کے مقابلے میں امت مسلمہ کے حکمرانوں نے صرف ایسی سیاستیں اپنائی ہیں جن سے حالات مزید بدتر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

18. مَهْمَا دُعِيَتْ إِلَى الْهَيْجَاءِ قُتِمَتْ لَهَا ... تَرْمِي بِأَسَدٍ وَيَرْمِي اللَّهُ بِالرُّجْمِ

جب بھی آپ ﷺ کو قتال کی طرف بلا یا گیا آپ اس کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ نے کافروں پر شیروں کو جھونکا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں شہابِ ثاقبوں سے مارا۔

تشریح: یعنی کہ جب بھی مسلمان خالص نیت سے جہاد کرتے ہیں تو جہاں وہ قربانیاں پیش کرتے ہیں وہیں اللہ تعالیٰ بھی ان کے نصرت کے اسباب مہیا کرتے ہیں۔

19. عَلَىٰ لِقَائِكَ مِنْهُمْ كُلُّ مُنْتَقِمٍ ... لِلَّهِ مُسْتَقْبَلُ فِي اللَّهِ مُعْتَرِمٌ

آپ ﷺ کے ہر جھنڈے کے نیچے صحابہ (شیروں) میں سے اللہ تعالیٰ کے لیے انتقام لینے والے، اللہ کی راہ میں کٹ مرنے والے اور کپے ارادے والے ہیں۔

20. مُسَيِّحٌ لِلِقَاءِ اللَّهِ مُضْطَرِمٌ ... شَوْقًا عَلَىٰ سَابِغِ كَالْبَرْقِ مُضْطَرِمٌ

اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لیے جلدی دوڑے آتے ہیں۔ شوق کے جذبات میں مچلتے ہوئے تیز گھوڑے پر بیٹھے جیسے چمکتی ہوئی بجلی ہو۔

تشریح: یہ مجاہدین کی صفات ہیں جو صحابہ میں پائی جاتی تھیں۔ جن کی دوستی اور دشمنی اللہ کی خاطر ہوتی ہے۔ ارادے کے کپے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور شہادت کے لیے دوڑے آتے ہیں۔

21. لَوْ صَادَفَ الدَّهْرَ يَبْغِي نَفْلَهُ فَرَمَى ... بِعَزْمِهِ فِي رِحَالِ الدَّهْرِ لَمْ يَرِمِ

جب وہ زمانے کو دیکھتے ہیں کہ وہ انہیں تبدیل کرنا چاہتا ہے تو وہ اپنے عزم کو زمانے کی پیٹھ پر ڈال دیتے ہیں تو زمانہ مڑ نہیں سکتا۔

تشریح: یہ مجاہدین کے کپے ارادے اور قوت عمل کی تشبیہ ہے جس سے وہ حالات کو اپنے موافق ڈھالنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ افغانستان میں امارت اسلامیہ کی فتح آج کے دور میں اس کی ایک روشن مثال ہے۔

22. بِيضٌ مَفَالِيلُ مِنْ فِعْلِ الْحُرُوبِ بِهِمْ ... مِنْ أَسَيْفِ اللَّهِ لَا الْهِنْدِيَّةُ الْخُدُمُ

جنگوں میں استعمال ہونے سے ان کی تلواریں سفید ہیں اور ان میں درز ہیں۔ یہ اللہ کی تلواریں ہیں نہ کہ تیز دھار والی ہندی تلواریں۔

تشریح: مقصد یہ ہے کہ ان کا بھروسہ محض ٹیکنالوجی پر نہیں ہے۔ ان کے اسلحہ کو زنگ اس لیے نہیں لگتا کہ وہ مسلسل لڑتے رہتے ہیں۔ اور اس کے سبب اسلحہ پرانا بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن اللہ کی نصرت ان کے ساتھ ہوتی ہے۔ اللہ کی نصرت محض جدید اور اعلیٰ ہتھیاروں سے نہیں ہوتی۔ ہندی تلواریں عرب میں اعلیٰ نوعیت کی تلواریں گردانی جاتی تھیں۔ یوں کہہ لیں کہ مجاہدین نے اپنی پرانی کلاشنکوفوں سے دشمن کے طیاروں تک کو شکست دے دی۔

23. كَمْ فِي الثَّرَابِ إِذَا فَتَّشْتَ عَنْ رَجُلٍ ... مَنْ مَاتَ بِالْعَهْدِ أَوْ مَنْ مَاتَ بِالْقَسَمِ

مٹی میں تم ڈھونڈو تو کتنے مرد ایسے پاؤ گے جو اپنے کیے گئے عہد کے سبب مر گئے یا اپنی قسم کے سبب۔

تشریح: جیسے قرآن کریم میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی صفت بیان کی گئی اور سیرت صحابہ کے بے شمار واقعات ہیں جس میں انہوں نے اللہ سے وعدہ کر رکھا تھا کہ یا اللہ اس کی خاطر اپنی جان دے دیں گے اور موت پر قسم کھاتے تھے۔ یہاں بنیادی طور پر جہادی اشعار ختم ہو جاتے ہیں لیکن کافی آگے جا کر احمد شوقی پھر سے صحابہ کی صفات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

1. مِنَ الَّذِينَ إِذَا سَارَتْ كَتَائِبُهُمْ ... تَصَرَّفُوا بِحُدُودِ الْأَرْضِ وَالْتَحَمَ

جب صحابہ اور امتیوں کے لشکر جاتے ہیں تو وہ ملک کی سرحدوں اور زمین کے جغرافیے کو بدل ڈالتے ہیں۔

2. وَيَجْلِسُونَ إِلَى عِلْمٍ وَمَعْرِفَةٍ ... فَلَا يُدَانُونَ فِي عَقْلِ وَلَا فَهْمٍ

جب وہ علم و معرفت کے لیے بیٹھتے ہیں تو ان کے عقل و فہم کے برابر کوئی نہیں ٹھہرتا۔

تشریح: یہاں پھر سے سیف و قلم کا تذکرہ ہے۔ یعنی کہ دین ان دونوں کا مجموعہ ہے۔ بلکہ ہر قوم تب ہی ابھر سکتی ہے جب اس کے پاس مضبوط نظریے کے ساتھ مادی قوت بھی ہو۔ پھر احمد شوقی آگے جا کر مزید کئی اشعار میں خصوصاً چار خلفائے راشدین کا تذکرہ کرتے ہیں یعنی کہ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت حیدر علی رضی اللہ عنہم اور ان کی شجاعت اور جہاد کی تعریف کرتے ہیں:

3. وَأَهْدِ خَيْرَ صَلَاحٍ مِنْكَ أَرْبَعَةً ... فِي الصَّحْبِ صُحْبَتُهُمْ مَرَعِيَّةُ الْحُرَمِ

میں بہترین درود ہدیہ کرتا ہوں ان صحابہ میں سے چار پر۔ جن کی صحبت کی حرمت کی نگہبانی کی جاتی ہے۔

4. الرَّاكِبِينَ إِذَا نَادَى النَّبِيُّ بِهِمْ ... مَا هَالِكٌ مِنْ جَلَلٍ وَاشْتَدَّ مِنْ عَمَمٍ

جب نبی اکرم ﷺ انہیں پکاریں تو وہ سوار ہو کر چلے آتے ہیں۔ جب بھی خطرناک حالت میں ہیبت طاری ہو اور سختیاں بڑھ جائیں۔

5. الصَّابِرِينَ وَنَفْسُ الْأَرْضِ وَاجِفَةٌ ... الضَّاحِكِينَ إِلَى الْأَخْطَارِ وَالْفُحْمِ

جب خود زمین لرز جاتی ہے وہ صابر پائے جاتے ہیں۔ جو خطرے کو مول لیتے ہوئے سخت دراز راستے پر چلتے ہوئے مسکراتے ہیں۔

قصیدوں کا مجموعی تجزیہ

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے قصیدے بردہ کے ابیات اٹھاون (۵۸) ہیں لیکن پہلے طونیس (۳۴) ابیات اس دور میں عرب کی روایات کے مطابق غزلیہ تھے۔ جبکہ قصیدے کے آخری تین (۲۳) ابیات خاص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت کے ہیں جن میں سے آخری آٹھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی بہادری اور ہجرت و جہاد کے بارے میں ہیں۔ گویا نعت کا تینتیس فی صد حصہ جہاد کے تذکرے سے بھرا ہے۔ حضرت بوسیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قصیدے بردہ کے ایک سو باسٹھ (۱۶۲) اشعار میں سے بائیس (۲۲) اشعار آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے جہاد کے لیے مخصوص کیے۔ گویا تقریباً قصیدے کا چودہ (۱۴) فی صد حصہ۔ جبکہ امیر الشعراء احمد شوقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قصیدے نوح البردہ کے ایک سو نوے (۱۹۰) اشعار میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے جہاد کے لیے تین (۲۳) ابیات مخصوص کیے ہیں لیکن آگے پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کی شجاعت کے بیان میں مزید دس ابیات ہیں۔ گویا کل تینتیس (۳۳) ابیات جہاد و قتال کے بارے میں ہیں۔ یعنی کہ قصیدے کا سترہ (۱۷) فی صد سے زیادہ حصہ جہاد کے تذکرے سے بھرا ہے۔

حیرانی اور افسوس کی بات یہ ہے کہ آج کل میلاد شریف کے موقع پر اور عموماً تمام نعتوں میں جہاد کا تذکرہ نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ کیا یہ مغرب کے ڈر سے 'خود ساختہ سنسر شپ' کے سبب تو نہیں؟؟

بردہ شریف کی کہانی

محترم قارئین! کیونکہ ان اشعار کو بردہ شریف سے موسوم کیا گیا تو مناسب سمجھا کہ بردہ شریف کے بارے میں یہاں کچھ ذکر کر دوں۔ عربی زبان میں اوڑھنے والی سادہ چادر کو شملہ کہتے ہیں جبکہ وہ چادر جو دھاری دار ہو، یا اس کے کناروں پر کڑھائی وغیرہ کی گئی ہو تو اسے بُردہ کہتے ہیں اور عموماً وہ اون کی ہوتی ہے یا نسبتاً موٹی ہوتی ہے^۱۔ بے شمار احادیث اور کتب سیرت سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بردہ اوڑھا کرتے تھے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب 'الزہد' سے حضرت عروہ بن زہیر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفود سے ملنے کے لیے جو چادر اوڑھتے تھے۔ وہ حضری^۲ چادر تھی جس کی لمبائی چار گز اور چوڑائی اڑھائی گز تھی۔ یہ چادر اب خلفاء کے ہاں ہوتی ہے لیکن پرانی ہو چکی ہے چنانچہ اسے کپڑوں میں لپیٹ رکھتے ہیں اور صرف عیدین کے دن اوڑھتے ہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور بردوں میں ایک وہ بردہ ہے جو انہوں نے حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کو تب عنایت فرمایا جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں اپنا مشہور قصیدہ پڑھا جو سب سے پہلے قصیدہ 'بردہ' سے مشہور ہوا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنے تو انہوں نے حضرت کعب سے یہ بردہ دس ہزار درہم کے بدلے خریدنا چاہا لیکن حضرت کعب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرک ہونے کی خاطر انکار کر دیا۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت معاویہ نے یہ بردہ ان کے بیٹوں سے بیس ہزار درہم کے بدلے خرید لیا۔ اس کے بعد بردہ پہننا خلفاء کی روایت بن گئی۔ امام سیوطی کی رائے ہے کہ یہ بردہ اموی خلافت کے خاتمے کے ساتھ گم ہو گیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دوسرا بردہ بھی تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ تبوک کے موقع پر اہالیان ایلہ کو امان دیتے ہوئے بھیجا جب ان کے یہودی سردار تسلیم ہونے آئے۔ کہا جاتا ہے کہ ایلہ 'اصحاب سبت' کی جائے سکونت تھی جس کے کھنڈرات آج تک موجودہ اردن کے شہر عقبہ کے قریب واقع ہیں۔ پہلے عباسی خلیفہ ابو العباس السفاح نے یہ بردہ تین سو دینار کے بدلے اہالیان ایلہ سے خرید لیا۔^۳

امام سیوطی کہتے ہیں خلفائے اسلام نبوی بردے صرف عیدین اور خاص خاص موقعوں پر پہنا کرتے تھے۔ پھر ذکر کرتے ہیں کہ جب عباسی خلیفہ مقتدر باللہ کو قتل کیا گیا تو انہوں نے یہ بردہ پہن رکھا تھا چنانچہ وہ خون آلودہ ہو گیا۔ آخر میں فرماتے ہیں: "میرے گمان کے مطابق تاتاریوں کے فتنے میں یہ ضائع ہو گیا۔ وانا للہ وانا الیہ راجعون"۔ قرمانی بھی اس واقعے کی تائید کرتے ہیں۔ ان کے مطابق جب تاتاریوں نے بغداد پر حملہ کیا اور خلیفہ مستعصم ہلاک سے ملاقات کے لیے گئے تو انہوں نے یہ بردہ پہن رکھا تھا اور ہاتھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چھڑی تھی۔ ہلاک ہونے بردہ اور چھڑی لے کر انہیں جلاؤالا اور ان کی راکھ کو دریائے دجلہ میں بہا دیا۔ اور کہا: "میں نے انہیں تحقیر کی وجہ سے نہیں جلایا بلکہ ان کو پاک کرنے کے لیے جلایا!! اللہ اسے ہلاک و برباد کرے۔ مؤرخین بتاتے ہیں کہ تمام خلفائے اسلام کے ہاں عموماً لیکن عباسی خلافت میں خصوصاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بردہ اور عصا خلافت کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔

اب معلوم نہیں کہ کون سا بردہ اموی خلافت کے خاتمے کے ساتھ ضائع ہوا اور کون سا عباسی اقتدار کے خاتمے کے ساتھ اگرچہ معاصر مؤرخ احمد تیور پاشا کہتے ہیں کہ اکثریت کی رائے یہ ہے کہ عباسی خلفاء کے پاس حضرت کعب والا بردہ ہی تھا۔ پھر ایک بردہ عثمانی سلاطین کو بھی پہنچا جس کے لیے سلطان مراد خان نے سونے کا صندوق بنایا جو آج کل استنبول شہر کے سلطانی قصر طوب قیو کے عجائب گھر میں موجود ہے۔ قرمانی کا خیال ہے کہ یہ بردہ اہالیان ایلہ والا بردہ تھا نہ کہ حضرت کعب والا لیکن خود قرمانی کی روایتوں میں تضاد پایا جاتا ہے جب وہ دونوں بردوں کے ضائع ہونے کا ذکر کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت کعب والے بردے کے بارے میں ایک

^۳ دیکھیے: المواظظ والاعتبار بذكر الخطط والأثار از مقریزی اور ویکی پیڈیا۔

^۱ دیکھیے تاج العروس 413، 7۔

^۲ یعنی کہ یمن کے علاقے حضرت موت کی تھی۔

روایت یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی دفن کر دیا گیا تھا! اگر ایک اموی خلافت کے آخر میں گم گیا اور دوسرا عباسی خلافت کے آخر میں تاتاریوں کے ہاتھ جلا دیا گیا تو عثمانیوں کو پھر کون سلاما۔ واللہ اعلم۔

کہا جاتا ہے کہ ۱۵۱ء میں عثمانی سلطان سلیم الاول نے جب مصر پر قبضہ کیا تو وہاں موجود شریف مکہ نے حرمین شریفین کی چابیاں انہیں پیش کیں جس کا مقصد تھا کہ اب حجاز بھی عثمانی اقتدار کے تحت ہے۔ اور وہیں آخری عباسی خلیفہ محمد الثالث المتوکل آل عثمان کے لیے خلافت سے دستبردار ہو گیا اور سلطان سلیم کو قیمتی تحائف پیش کیے جنہیں سلطان اپنے ساتھ استنبول لے گیا۔ اس واقعے کے بعد سے عثمانی سلطنت، سلطنت سے خلافت بن گئی اور سلطان کا لقب امیر المؤمنین اور خلیفہ رسول رب العالمین ٹھہرا۔ لیکن آیا ان تحائف میں بردہ شریف شامل تھا یا نہیں؟ مؤرخ احمد تیمور پاشا اپنی کتاب الآثار النبویہ میں کہتے ہیں کہ یہ بات مشہور تو ہے کہ سلطان سلیم کو تحائف اور تبرکات پیش کیے گئے لیکن ایسی کوئی تفصیلی روایت نہیں ہے کہ آیا ان میں بردہ شریف بھی شامل تھا یا نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ عجیب سا معلوم ہوتا ہے کہ اگر تبرکات میں بردہ شامل ہوتا اور روای اس کا تذکرہ نہ کرتے کیونکہ یہ بردہ محض بردہ نہیں تھا بلکہ نبی اکرم ﷺ کا اہم ترین تبرک اور ان کی خلافت کی علامت بھی تھا۔ اگرچہ خود عثمانی یہ دعویٰ کرتے رہے کہ یہ بردہ حضرت کعب والا ہے۔ بحث کو سمیٹے ہوئے مؤرخ احمد تیمور پاشا کہتے ہیں: ”ہم نے کسی بھی با اعتماد شخص کو نہیں دیکھا جس نے ان آثار کی تائید کی ہو یا ان سے انکار کیا ہو۔ لہذا اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔“¹

ان دو بردوں کے علاوہ ایک اور بردہ بھی ہے جس کی نسبت نبی اکرم ﷺ کی طرف کی جاتی ہے اور جو استنبول کی مسجد خرقہ شریف میں موجود ہے۔ لیکن اس کے بارے میں مروجہ روایت یہ ہے کہ یہ بردہ وہ ہے جو حضور پاک ﷺ نے مشہور تابعی حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو دینے کی وصیت کی تھی²۔ میں نے حضرت اویس کے بردے کی روایت کو مشہور کتب میں ڈھونڈنے کی کوشش کی لیکن مجھے کہیں یہ روایت نہیں ملی کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کے لیے کسی بردے کی وصیت کی تھی۔ البتہ حضرت اویس کے بارے میں یہ ذکر ملتا ہے کہ وہ اتنے فقیر تھے کہ ان کے پاس بسا اوقات اتنے کپڑے بھی نہیں ہوتے تھے کہ وہ مجالس میں بیٹھ سکیں یا حتیٰ کہ بعض دفعہ مساجد میں نماز ادا کر سکیں۔ ایسے ہی ایک واقعے میں تابعی حضرت اسیر بن جبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے باہر نہ نکلنے کا سبب دریافت کیا۔ اور جب انہیں سبب معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت اویس کو اپنی طرف سے ایک بردہ تحفے میں دیا۔ جب وہ پہن کر نکلے تو لوگ حیران

ہو کر کہنے لگے دیکھو اویس کہاں اور بردہ کہاں۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ان کا ازار بھی اون کا ہو گا اور ان کا رداء یعنی چادر بھی اون کی ہو گی³۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس نبوی تبرک اور خلافت کی نشانی کو دوبارہ اس شان و شوکت کے ساتھ ظاہر کرے جس شان و شوکت سے خلفائے اسلام اسے پہنا کرتے تھے۔



جو پیر ہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے!

”افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اسلام کے بارے میں سوچتے ہوئے ہمارے ذہنوں پر قوم پرستانہ تصورات غالب آ جاتے ہیں اور ہماری نگاہیں وہ مصنوعی سرحدیں پار نہیں کر پاتیں جو معاہدہ سائیکس پیکو نے ہمارے لیے کھینچی ہیں یا جان اتون نامی برطانوی یا کسی اور فرانسسیسی کافر نے جن کا تعین کیا تھا! آخر کیا وجہ ہے کہ شام کی سرحد پر واقع اردن کے شہر ’رمتا‘ میں رہنے والا مسلمان اردن ہی کے ایک اور شہر ’عقبہ‘ میں رہنے والے شخص سے گہری وابستگی کا احساس رکھتا ہے اور اس کے بارے میں ایسے فکر کرتا ہے جیسے ایک مسلمان کی فکر ہونی چاہیے حالانکہ ’عقبہ‘ اس سے چھ سو (۶۰۰) میل کے فاصلے پر ہے۔ لیکن یہی مسلمان سرحد پار شام کے علاقے ’درعا‘ میں بسنے والے شخص کے بارے میں نہ ایسے جذبات رکھتا ہے، نہ اس کی فکر کرتا ہے، حالانکہ ’درعا‘ اس سے محض دس (۱۰) میل کی مسافت پر ہے۔۔۔۔۔ یہ فرق کیوں ہے؟ جب کہ درعا (شام) اور عقبہ (اردن) دونوں کے باشندے مسلمان ہیں۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ درعا کا رہنے والا دوسرے شخص سے زیادہ دین دار اور پابندِ شرع ہو۔ بلاشبہ یہ رویے ہمارے ذہنوں میں راسخ قوم پرستانہ تصورات ہی کا نتیجہ ہیں۔“

(شیخ عبد اللہ عزام شہید رحمہ اللہ)

³۔ میں نے خصوصاً ان چار کتابوں میں حضرت اویس کا تذکرہ پڑھا ہے: تاریخ دمشق از ابن عساکر۔ طبقات کبریٰ از ابن سعد۔ اسد الغابہ از ابن اثیر۔ اور سیر اعلام النبلاء از ذہبی۔ لیکن ان کے علاوہ بھی کافی کتب پر نظر ڈرائی۔

¹۔ دیکھیے: تاریخ الخلفاء از سیوطی (ص: 20) اخبار الدول و آثار الدول از قرمانی۔ 1/250۔ الآثار النبویہ از احمد تیمور پاشا (وفات: 1930ء)۔

²۔ عربی و یکین پیدیا میں ترکی کی سرکاری اخبار کی انجمنی اناضول کے حوالے سے۔ اور معلوم نہیں کہ قحدر میں موجود خرقہ شریف کی کیا روایت ہے جسے امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد رحمہ اللہ نے اپنے دور میں عوام کے سامنے پکڑ کر دکھایا۔ (دیکھیے پشتو میں ان کا تذکرہ ’عمر ثالث‘)۔

آخری نبی کے دربار میں (صلی اللہ علیہ وسلم)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ

اچانک میری نگاہ ایک طرف اٹھ گئی۔ میں نے دیکھا کہ باب جبریل سے (جو مجھ سے زیادہ قریب تھا) ایک جماعت داخل ہو رہی ہے۔ سکون و وقار میں ڈوبے ہوئے لوگ، ان کی پیشانی سے علم کا نور اور ذہانت کا نور صاف عیاں تھا۔ وہ باب الرحمت اور باب جبریل کے درمیانی حصے میں پھیل گئے۔ وہ اتنی بڑی تعداد میں تھے کہ ان کے شمار کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔

میں نے دربان سے پوچھا کہ یہ لوگ کون ہیں؟ اس نے کہا اس امت کے امام اور رہنما، انسانیت کے محسن اور نوع انسانی کے ممتاز اور قابلِ فخر نمونے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک پوری پوری قوم کا امام، پورے کتب خانے اور مکتب فکر کا بانی اور موسس، پوری نسل کا مربی اور مستقل علوم و فنون کا موجد ہے۔ ان کے لازوال شاہکار اور لافانی آثار اور نمونے آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان کے علوم و اجتہاد اور تحقیق کی روشنی میں کئی کئی نسلوں نے سفر زندگی طے کیا ہے۔ اس نے غلبت کے ساتھ ان چند ہستیوں کے نام بھی مجھے بتا دیے۔ امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، لیث بن سعد مصری، امام اوزاعی، امام بخاری، امام مسلم، تقی الدین ابن تیمیہ، ابن قدامہ، ابوالسحاق الشاطبی، کمال ابن ہمام، شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ۔

اگرچہ ان شخصیتوں میں اپنے زمانے اور اپنے ملک، وطن اور اپنی علمی و دینی حیثیتوں اور مراتب کا بڑا فرق تھا لیکن ان سب نے اس موقع پر بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں خراج عقیدت پیش کیا اور اشکِ ندامت نذر کیے۔

میں نے دیکھا کہ سب سے پہلے انھوں نے تحیۃ المسجد کا دو گانہ بہت خشوع و خضوع اور حضورؐ کے قلب کے ساتھ ادا کیا۔ پھر بہت ادب اور تواضع کے ساتھ مرقد مبارک کی طرف بڑھے اور بہت سچے تلمے، مختصر، معانی سے لبریز، گہرے اور پر مغز کلمات کے ساتھ سلام پیش کیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی آواز اس وقت بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور آواز میں رفٹ..... وہ کہہ رہے تھے:

”یا رسول اللہ! اگر آپ کی لازوال، وسیع، جامع، عادلانہ اور کشادہ شریعت نہ ہوتی اور اس کے وہ اصول نہ ہوتے جن سے انسانی ذہن اور صلاحیت نے نئے نئے گل بوٹے پیدا کیے اور دنیا کا دامن بیش قیمت اور عطربیز پھولوں سے بھر دیا۔ اور اس کا وہ حکیمانہ اور معجزانہ نظام نہ ہوتا جس نے انسانی فکر و تدبیر اور اخذ و استنباط کی صلاحیت کو پیدا کر دیا۔ اگر وہ انسانیت کی ایک اہم ضرورت نہ ہوتی تو اس عظیم فقہ کا کوئی وجود نہ ہوتا۔ نہ یہ عظیم اسلامی قانون وجود میں آتا جس سے اس وقت تک ہر قوم کا دامن خالی ہے نہ اتنا بڑا اسلامی کتب خانہ پیدا

مور غین اور مصنفین کو خدا معاف کرے، مقدس سے مقدس مقامات اور افضل سے افضل اوقات میں بھی یہ تاریخی ذوق اور طرز فکر ان کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور وہ چند لمحات کے لیے بھی اس سے آزاد نہیں ہو پاتے۔ وہ جہاں بھی ہوتے ہیں اپنے علم اور مطالعے کی فضا میں سانس لیتے ہیں اور حال کار شتہ ہمیشہ ماضی سے جوڑنا چاہتے ہیں۔ مناظر کو دیکھ کر ان کا ذہن بہت جلد اس تاریخی منظر کی تلاش میں نکل جاتا ہے جس کے نتیجے میں ان مناظر کا وجود اور نمود ہے۔

میں کل مسجد نبوی میں روضہ جنت میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس سے مراد وہ مقام ہے جس کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کی کیار یوں میں سے ایک کیار ی ہے۔ میرے چاروں طرف نمازیوں اور عبادت گزاروں کا کثیر مجمع تھا۔ ان میں کچھ لوگ سجدے میں تھے اور کچھ رکوع میں۔ تلاوت قرآن کی آواز فضا میں اس طرح گونج رہی تھی جس طرح شہد کی کھیاں اپنے چھتے میں بھنھنا رہی ہوں۔ اس وقت کا سماں کچھ ایسا تھا کہ مجھے تاریخ اور تاریخی شخصیات کو تھوڑی دیر کے لیے فراموش کر دینا چاہیے تھا لیکن تاریخ کی قدیم یادیں بادلوں کی طرح میرے دل و دماغ پر چھا گئیں اور میرا ان پر کوئی زور نہ چل سکا۔

مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اس کی بعض نامور شخصیتوں اور رہنماؤں کو ایک نئی زندگی عطا کی گئی ہے اور وہ وفد کی شکل میں یکے بعد دیگرے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو رہے ہیں اور اسی عظیم مسجد میں فریضہ نماز ادا کرنے کے بعد اسی عظیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ سلام اور خراج محبت و عقیدت پیش کر رہے ہیں اور اس کے احسانات کا اعتراف کر رہے ہیں۔ اور باوجود اس کے کہ وہ مختلف زبانوں، مقامات اور طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں، سب یک زبان ہو کر اس کی گواہی دے رہے ہیں کہ آپ ہی وہ نبی ہیں جنھوں نے اللہ کے حکم سے ان کو ظلمت سے روشنی کی طرف، تیرہ بختی سے خوش بختی کی طرف، مخلوق کی عبادت سے خدائے واحد کی عبادت کی طرف اور مذاہب کے ظلم و استبداد سے اسلام کے عدل و انصاف کی طرف اور دنیا کی تنگی سے اس کی کشادگی کی طرف منتقل کیا۔

وہ اعتراف کر رہے ہیں کہ وہ اسلام ہی کی پیداوار ہیں اور ان کا سارا وجود اور زندگی نبوت کی مرہونِ منت ہے۔ اگر خدا انھیں اس سے وہ سب واپس لے لیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس نبی محترم کے ذریعے عطا کیا تھا اور نبوت کے وہ عطیے ان سے چھین لیے جائیں جنھوں نے دنیا میں ان کو عزت و سرفرازی بخشی تھی تو ان کی حیثیت ایک بے روح اور بے جان ڈھانچے اور چند مبہم اور بے مقصد خطوط و اشکال سے زیادہ نہ رہ جائے گی اور وہ تاریخ کے اس تاریک ترین عہد کی طرف واپس چلے جائیں گے جہاں جنگل کے قانون اور ظلم و استبداد کا دور دورہ تھا اور موجودہ تہذیب و تمدن کا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔

ہوتا جس کے سامنے دنیا کا سارا مذہبی لٹریچر بیچ ہے۔ اگر علم کی اشاعت، خدا کی نشانیوں اور اس کی قدرت کا ملہ میں غور و فکر اور عقل سے کام لینے کی آپ نے اتنی پر زور دعوت نہ دی ہوتی تو یہ شجرِ علم زیادہ دنوں تک برگ و بار نہ لاسکتا اور نہ اس کا سایہ تمام دنیا پر ایسا محیط ہوتا جیسا آج نظر آ رہا ہے، عقل انسانی پہلے کی طرح پاہ زنجیر ہوتی۔“

میں اس جماعت کو جی بھر کے دیکھ بھی نہ سکا تھا کہ میری نظر ایک اور گروہ پر پڑی جو باب الرحمت سے ہو کر اندر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ صلاح و تقویٰ اور زہد و عبادت کے آثار ان کے چہروں سے صاف ظاہر تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ اس جماعت میں حسن بصری، عمر بن عبد العزیز، حضرت سفیان ثوری، فضیل بن عیاض، داؤد الطائی، ابن السماک، شیخ عبد القادر جیلانی، نظام الدین اولیاء اور عبد الوہاب التتبی رحمہ اللہ جیسے حضرات بھی رونق بخش ہیں جنہوں نے اپنے قابلِ رشتک پیشرووں کی یاد تازہ کر دی۔

نماز کے بعد یہ لوگ بھی قبر مبارک پر حاضر ہوئے اور اپنے نبی و پیشوا اور سب سے بڑے معلم اور رہنما کی خدمت میں درود و سلام کا تحفہ پیش کرنے لگے، وہ کہہ رہے تھے:

”یا رسول اللہ! اگر ہمارے سامنے وہ عملی مثال نہ ہوتی جو آپ نے پیش فرمائی تھی اور وہ مینارۂ نور نہ ہوتا جس کو آپ نے بعد کے آنے والوں کے لیے قائم فرمایا تھا، اگر آپ کا یہ قول نہ ہوتا کہ ”اے اللہ! زندگی تو آخرت کی زندگی ہے“ اگر آپ کی یہ وصیت نہ ہوتی کہ دنیا میں اس طرح زندگی گزارو جس طرح کوئی مسافر یا راہی گزارتا ہے، اگر زندگی کا وہ طرز نہ ہوتا جس کا ذکر حضرت عائشہؓ نے اس طرح کیا ہے کہ ایک چاند کے بعد دوسرا چاند دوسرے کے بعد تیسرا چاند نکل آتا تھا اور آپ کے گھر میں آگ نہ جلتی تھی، نہ چولہے پر دیگی چڑھانے کی نوبت آتی تھی، تو ہم دنیا پر اس طرح آخرت کو ترجیح نہ دے سکتے اور نہ ہم محض گزارہ پر بسر کر سکتے اور نہ قناعت کو اپنی زندگی کا شعار بنا سکتے نہ ہم نفس کی ترغیبات پر قابو پا سکتے اور نہ دنیا کے حسن و جمال اور اس کی رعنائی و زیبائی اور عہدہ و منصب کی طاقت اور کشش کا اس طرح مقابلہ کر سکتے۔“

ان کے حکیمانہ الفاظ ابھی پوری طرح میرے دل و دماغ میں پیوست بھی نہ ہوئے تھے کہ میری نظر ایک اور گروہ پر پڑی جو ”باب النساء“ سے بہت لحاظ اور ادب کے ساتھ گزر رہا تھا۔ ظاہری آرائش اور آزادی کے ان مناظر سے جو اسلامی اصول و آداب کے منافی ہیں، یہ گروہ بالکل محفوظ اور خالی تھا۔ یہ مختلف قوموں اور دور دراز ملکوں کی صالح، عبادت گزار اور عقیف خواتین تھیں جو عرب و عجم اور مشرق و مغرب کے مختلف خطوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ بہت دبی زبان میں اور پورا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے وہ اپنے جذبات تشکر و عقیدت کا اظہار اس طرح کر رہی تھیں:

”ہم آپ پر درود و سلام بھیجتی ہیں یا رسول اللہ! ایسے طبقے کا درود و سلام جس پر آپ کا بہت بڑا احسان ہے۔ آپ نے ہم کو خدا کی مدد سے جاہلیت کی بیڑیوں اور بندشوں، جاہلی عادات و روایات، سوسائٹی کے ظلم اور مردوں کی زور دستی اور زیادتی سے نجات بخشی۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کے رواج کو ختم کیا، ماؤں کی نافرمانی پر وعید سنائی۔ آپ نے فرمایا کہ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ آپ نے وراثت میں ہم کو شریک اور اس میں ماں بیٹی بہن اور بیوی کی حیثیت سے ہم کو حصہ دلایا۔ یوم عرفہ کے مشہور تاریخی خطبہ میں آپ نے ہمیں فراموش نہیں کیا اور کہا کہ ”عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو، اس لیے کہ تم نے ان کو اللہ کے نام سے حاصل کیا ہے“۔ اسی طرح مختلف مواقع پر مردوں کو عورتوں کے ساتھ حسن سلوک، ادائے حقوق اور بہتر معاشرت کی ترغیب دی تھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے طبقے کی طرف سے وہ بہتر سے بہتر جزا دے جو انبیاء و مرسلین علیہم السلام اور اللہ کے نیک و صالح بندوں کو دی جاسکتی ہے۔“

یہ نرم آوازیں میرے کانوں میں گونج رہی تھیں کہ ایک اور جماعت نظر آئی جو ”باب السلام“ کی طرف سے آرہی تھی۔ میں ان کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ وہ علوم و فنون کے موجد اور مرتب ائمہ نحو و لغت و بلاغت کی جماعت تھی۔ اس میں ابوالاسود الدلی، خلیل بن احمد، سیبویہ، کسائی، ابو علی الفارسی، عبد القاهر الجرجانی، السکاکی، مجدد الدین فیروز آبادی، سید مرتضی الزبیدی بھی تھے جو اپنے علوم کا سلام پیش کر رہے تھے اور اپنی شہرت اور مرتبہ علمی کا خراج ادا کرنے آئے تھے۔ میں نے دیکھا وہ بہت بلیغ اور ادبی الفاظ میں اس طرح گویا ہیں:

”یا رسول اللہ! اگر آپ نہ ہوتے اور یہ مقدس کتاب نہ ہوتی جو آپ پر نازل ہوئی، اگر آپ کی احادیث نہ ہوتیں اور یہ شریعت نہ ہوتی جس کے سامنے ساری دنیا نے سر تسلیم خم کر دیا ہے اور وہ اس وجہ سے عربی زبان سیکھنے اور اس میں مہارت حاصل کرنے پر مجبور تھی تو پھر یہ علوم بھی نہ ہوتے جن میں آج ہم کو امامت و قیادت کا شرف حاصل ہے، نحو، بیان، بلاغت ان میں سے کسی چیز کا وجود نہ ہوتا، نہ یہ بڑی بڑی معاجم اور لغات نظر آتیں، نہ عربی زبان کے مفادات میں یہ نکتہ آفرینیاں اور دقیقہ سنجیاں ہوتیں اور نہ ہم اس راستے میں طویل جدوجہد کے لیے تیار ہوتے (جس کے یہاں زبانوں اور بولیوں کی کوئی کمی نہ تھی) عربی سیکھنے اور اس پر عبور حاصل کرنے کی کوئی خواہش نہ ہوتی اور نہ ان میں وہ مصنفین اور اہل قلم پیدا ہوتے جن کی ادبیت و زبان دانی کا اہل زبان نے بھی لوہا مان لیا اور ان کی ادبی ذہانت کا اعتراف کیا۔ یا رسول اللہ! آپ ہی ہمارے درمیان اور اسلام میں پیدا ہونے والے ان علوم کے درمیان واسطہ اور رابطہ تھے جو آپ کی بعثت کے بعد وجود میں آئے۔ درحقیقت

صرف آپ ہی عرب و عجم میں رابطہ کا ذریعہ ہیں، آپ ہی کی ذات ہے جس نے اس درمیانی خلا کو پُر کیا اور عرب و عجم اور مشرق و مغرب کو گلے ملا دیا اور شیر و شکر بنادیا۔ آپ کا کتنا احسان ہے ہماری اس ذہانت، طباعی اور تبصر علمی پر اور آپ کا کتنا کرم ہے علم کی اس دولت پر، انسانی عقل کی زرخیزی پر اور قلم کی گل کاری پر۔ یا رسول اللہ! اگر آپ نہ ہوتے تو یہ عربی زبان دوسری بہت سی زبانوں کی طرح صفحہ ہستی سے ناپید ہو جاتی۔ اگر قرآن مجید کا غیر فانی صحیفہ اس کا پاسبان نہ ہوتا تو اس میں اتنا تغیر و تبدل ہو جاتا کہ اس کی صورت ہی مسخ ہو جاتی اور وہ ایک نئی زبان بن جاتی جیسا کہ بکثرت دوسری زبانوں کے ساتھ ہوا ہے۔ عجمی الفاظ اور مقامی زبانیں اس کو جذب کر لیتیں یا نگل لیتیں اور اس کی صحت و اصلیت یکسر ختم ہو جاتی۔ یہ آپ کے وجودِ مبارک، شریعتِ اسلامی اور اس کتابِ مقدس کا فیض ہے جس نے اس زبان کو فنا کی دست و برد سے محفوظ رکھا ہے اور عالم اسلام کے لیے اس کی عزت و محبت واجب کر دی ہے اور ہر مسلمان کے دل کو اس کا اسیر محبت بنادیا ہے۔ آپ ہی کی توجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس زبان کو دوام بخشا اور اس کی بقا و ترقی کی ضمانت دی۔ اس لیے ہر اس شخص پر جو اس زبان میں بات کرتا ہے یا لکھتا ہے یا اس کی وجہ سے کوئی بلند مرتبہ حاصل کرتا ہے یا اس کی دعوت دیتا ہے آپ کا احسان ہے اور وہ اس احسان کا کبھی منکر یا اس سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتا۔“

میں ان کے اس تشکر و اعتراف اور اظہارِ حقیقت کو غور سے سن رہا تھا کہ اچانک میری نگاہ ”باب عبد العزیز“ پر جا کر ٹھہر گئی۔ اس دروازے سے ایک ایسا گروہ داخل ہو رہا تھا جس پر مختلف قوموں اور مختلف ملکوں کے رنگ نمایاں تھے۔ اس میں دنیا کے بڑے بڑے سلاطین اور تاریخ کے ممتاز ترین بادشاہ اور فرماں روا شامل تھے۔ ہارون الرشید، ولید بن عبد الملک، ملک شاہ سلجوقی، صلاح الدین ایوبی، محمود غزنوی، ظاہر بیہر، سلیمان اعظم اور اورنگ زیب عالمگیر بھی اس گروہ میں شامل تھے۔ انھوں نے اردیوں اور چوب داروں کو دروازے کے باہر ہی چھوڑ دیا تھا اور نظریں جھکائے ہوئے تواضع و انکسار کا مجسمہ بنے ہوئے بہت آہستہ آہستہ گفتگو کرتے ہوئے چل رہے تھے۔ میری نظر کے سامنے ان سب کی شخصیتیں اور کارنامے ابھرنے لگے۔ میری آنکھوں میں اس طویل و عریض دنیا کا نقشہ پھر گیا جس پر ان کا سکہ چلتا اور ان کا ڈنکا بجاتا تھا۔ ان کی بادشاہی اور فرماں روائی کی تصویر یکایک میرے سامنے آگئی جو ان کی دنیا کو بڑی بڑی قوموں، طاقت و سلطنتوں اور جابر بادشاہوں پر حاصل تھی۔ ان میں وہ ہستی بھی تھی جس نے بادل کے ایک ٹکڑے کو دیکھ کر یہ جملہ کہا تھا:

”تو جہاں چاہے جا کے برس، تیرا خراج آخر کار میرے ہی خزانے میں آئے گا۔“

وہ شخص بھی تھا جس کی سلطنت کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ اگر سب سے تیز رفتار سائنڈنی سوار سلطنت کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جانا چاہتا تو یہ پندرہ ماہ سے کم میں ناممکن تھا۔ ان میں وہ فرماں روا بھی تھے جو نصف کرۂ ارض پر حکومت کرتے تھے۔ اور بڑے بڑے بادشاہ ان کو خراج پیش کرنے پر مجبور تھے۔ ایسے فرماں روا بھی تھے جن کی ہیبت سے سارا یورپ لرزہ بر اندام تھا اور جن کے زمانے میں مسلمانوں کو عزت کا یہ مقام حاصل تھا کہ جب وہ یورپ کے ملکوں میں جاتے تھے تو ان کے دین کے احترام اور ان کے غلبہ و سطوت سے گر جا گھروں کے گھٹنے نہ بچتے۔ غرض اسی طرح کے نجانے کتنے بادشاہ اور فرماں روا اس مجمع میں موجود تھے۔ وہ مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کے لیے آگے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ وہ حضور کی خدمت میں درود و سلام کا ہدیہ پیش کرنا چاہتے تھے اور اس کو اپنے لیے سب سے بڑا شرف و اعزاز اور سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے اور تمنا کرتے تھے کہ کاش ان کی یہ نماز اور یہ ہدیہ درود و سلام قبول فرمایا جائے۔

میں نے دیکھا کہ وہ لرزتے ہوئے قدموں کے ساتھ آگے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کے دلوں پر ہیبت طاری تھی یہاں تک کہ وہ ’صُفّہ‘ کے نزدیک پہنچ گئے جو فقرا صحابہ کا مسکن اور جائے قیام تھا۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے وہاں رک گئے اور عزت و احترام اور شرم و حیا کے طے جلے جذبات کے ساتھ اس جگہ کو دیکھنے لگے جو کبھی ان فقرا و مساکین کا ٹھکانہ تھا جن کے قدموں کی خاک کو یہ اپنی آنکھ کا سرمہ بنانے کو تیار ہیں۔

اس کے قریب ہی انھوں نے تھیۃ المسجد کے طور پر دو رکعتیں پڑھیں اور قبر مبارک کی طرف بڑھے اور پھر ان کی محبت و عقیدت، جذبات و احساسات اور علم و ایمان نے جو کچھ کہلوایا وہ انھوں نے اس بارگاہِ نبوی میں عرض کیا۔ لیکن شریعت کے آداب کا خیال رکھتے ہوئے اور توحیدِ خالص کو پیش نظر رکھ کر۔ میں نے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے:

”اے خدا کے رسول! اگر آپ نہ ہوتے اور آپ کا یہ جہاد اور یہ دعوت نہ ہوتی جو دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل گئی اور جس نے بڑے بڑے ملکوں کو فتح کر لیا، اور اگر آپ کا یہ دین نہ ہوتا جس پر ایمان لانے کے بعد ہمارے آباؤ اجداد گوشہ عزلت اور قعر مذلت سے نکل کر عزت و سر بلندی، بلند ہمتی و حوصلہ مندی کی وسیع زندگی میں داخل ہوئے، پھر اس کے نتیجے میں انھوں نے بڑی بڑی سلطنتیں قائم کیں اور دور دراز ملکوں کو فتح کیا اور ان قوموں سے خراج وصول کیا جو کسی زمانے میں ان کو اپنی لاشی سے باکتی تھیں اور بھیڑ بکری کے گلے کی طرح ان کی پاسبانی اور حفاظت کرتی تھیں۔ اگر جاہلیت سے اسلام کی طرف اور گوشہ گمنامی اور تنگ و محدود قبائلی زندگی سے تسخیرِ عالم کی طرف یہ مبارک سفر نہ ہوتا جو آپ کی برکت سے انجام پذیر ہوا تو دنیا میں کسی جگہ بھی ہمارا جھنڈا سر بلند نہ ہوتا اور نہ ہماری کہانی کسی جگہ سنائی جاتی۔ ہم اسی

طرح ہے آب و گیاہ خشک و ویران صحراؤں میں اور حقیر وادیوں میں دست و گریبان رہتے، جو طاقت ور ہوتا وہ کمزور پر ظلم کرتا، بڑا چھوٹے پر زیادتی کرتا؛ ہماری غذا بہت ہی حقیر اور معیارِ زندگی اتنا پست تھا کہ اس سے زیادہ پست کا تصور مشکل ہے۔ ہم اس گاؤں یا محدود قبیلے سے آگے بڑھ کر کچھ سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے تھے جس میں ہماری ساری زندگی اور ساری جدوجہد محصور تھی۔ ہماری مثال تالاب کی مچھلیوں اور کنویں کے مینڈکوں کی سی تھی۔ ہم اپنے محدود تجربوں کے جال میں گرفتار تھے اور اپنے جاہل اور بے عقل آباؤ اجداد کے گن گاتے تھے۔

یا رسول اللہ! آپ نے ہم کو اپنے دین کی ایسی روشنی عطا فرمائی کہ ہماری آنکھیں کھل گئیں۔ خیال میں وسعت پیدا ہوئی، نظر کو جلا ہوئی۔ اس کے بعد ہم اس وسیع اور جامع دین اور اس کے روحانی رشتہ و رابطہ کو لے کر خدا کی وسیع اور کشادہ زمین میں پھیل گئے۔ ہماری مردہ و خوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہوئیں اور ہم نے ان صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے شرک و بت پرستی اور ظلم و جہالت کا پوری طاقت سے مقابلہ کیا اور ایسی عظیم الشان حکومتیں قائم کیں جن کے سائے میں ہم اور ہماری اولاد اور ہمارے بھائی صدیوں تک آرام اور فائدہ اٹھاتے رہے۔

آج ہم آپ کی خدمت میں غلامانہ نذرِ عقیدت پیش کرنے آئے ہیں اور اپنے جذبہٴ محبت اور عزت و احترام کا خراج یا ٹیکس اپنی خوشی و مرضی سے ادا کر رہے ہیں اور اس کو اپنے لیے باعثِ فخر اور وسیلہٴ نجات سمجھتے ہیں۔ ہمیں پورا اعتراف ہے کہ اس دین کے احکام و قوانین کے نفاذ کے سلسلہ میں (جس سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو سرفراز کیا تھا) ہم سے یقیناً بڑی کوتاہی ہوئی۔ ہم اللہ سے استغفار کرتے ہیں۔“

میں ان بادشاہوں کی طرف متوجہ تھا، میری نظریں ان کے خاموش اور بادب چہروں پر مرکوز تھیں، میرے کان ان کے ان پر خلوص نیاز مندانہ الفاظ پر لگے ہوئے تھے جو اس سے قبل میں نے ان سے کسی موقع پر نہیں سنے تھے کہ ایک اور جماعت داخل ہوئی اور ان بادشاہوں اور فرماں رواؤں کی پروا کیے بغیر ان کی صفوں سے ہوتی ہوئی سانسے آگئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان بادشاہوں کے رعب و دبدبہ اور قوت و اقتدار کا ان پر کوئی اثر نہیں ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یا تو یہ شاعر ہیں یا انقلابی۔ یہ اندازہ غلط نہ تھا۔ اس لیے کہ یہ جماعت ان دونوں گروہوں پر مشتمل تھی۔ انھوں نے ایک کو اپنا ترجمان بنایا اور لائقِ ترجمان نے ان الفاظ میں اپنے جذباتِ عقیدت کا اظہار کیا:

”خواجه کو نین، سالار بدر و حنین، یا رسول اللہ! میں آپ سے اس قوم کی شکایت کرنے آیا ہوں جو آج بھی آپ کے خو انِ نعمت کی ریزہ چھیں ہے اور

آپ کے سایہ رحمت کے سوا اس کو کہیں پناہ نہیں ملتی اور آپ ہی کے لگائے ہوئے باغ کے پھل کھا رہی ہے۔ وہ ان ملکوں میں، جن کو آپ نے قفسِ استبداد سے آزاد کر لیا تھا اور سورج کی روشنی اور کھلی ہوا عطا کی تھی، آج آزادی کے ساتھ اور اپنی حیثیت کے مطابق حکومت کر رہی ہے۔ لیکن یہی قوم آج اسی بنیاد کو اکھاڑ رہی ہے جس پر اس عظیم امت کے وجود اور عظمت کا دار و مدار ہے۔ اس کے رہنما و لیڈر آج یہ کوشش کر رہے ہیں کہ امتِ واحدہ کو کثیر التعداد قومیتوں میں تقسیم کر دیں۔ وہ اسی چیز کو زندہ کرنا چاہتے ہیں جس کو آپ نے ختم کیا تھا، اسی چیز کو بگاڑ رہے ہیں جس کو آپ نے بنایا تھا اور اس امت کو عہدِ جاہلیت کی طرف لے جا رہے ہیں جس سے آپ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکالا تھا۔ اور اس معاملہ میں یورپ کی تقلید کر رہے ہیں جو خود زبردست ذہنی افلاس اور انتشار و بے یقینی کا شکار ہے۔ وہ اللہ کی نعمت کو ناشکری سے تبدیل کر کے اپنی قوم کو تباہی کے گھر کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ آپ نے جن بتوں سے کعبہ کو پاک کیا تھا وہ آج مسلمانوں کے سروں پر نئے نئے ناموں اور نئے لباسوں میں پھر مسلط کیے جا رہے ہیں۔ مجھے عالمِ عربی کے بعض حصوں میں، جن کو آپ کا مرکز اور قلعہ ہونا چاہیے تھا، ایک عام بغاوت نظر آرہی ہے لیکن کوئی فاروق نہیں۔ فکری و ذہنی ارتداد کی آگ تیزی سے پھیل رہی ہے اور کوئی ابو بکر نہیں جو اس کے لیے مردانہ وار میدان میں آئے اور اس آگ کو بجھائے۔“

یہ بلیغ اور یقین و ایمان سے لبریز الفاظ ختم بھی نہ ہوئے تھے کہ مسجدِ نبوی کے میناروں سے اذان کی دل نواز صدا بلند ہوئی۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ میں یک بارگی ہوشیار ہو گیا اور تخیلات کا یہ حسین سلسلہ جو تاریخ کے سہارے قائم ہو گیا تھا، ٹوٹ گیا اور میں پھر اسی دنیا میں واپس آ گیا جہاں سے چلا تھا۔ کچھ لوگ نماز میں مشغول تھے اور کچھ تلاوت کر رہے تھے۔ عالمِ اسلام کے مختلف وفود اور جماعتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کر رہی تھیں۔ زبانوں اور لہجوں کے اختلاف کے ساتھ جذبات و تاثرات کے اتحاد نے ایک عجیب سماں پیدا کر دیا تھا۔



امتی کون؟!

شیخ حامد کمال الدین

موجود ہوں گا۔ خبردار! ایسے لوگ بھی ہوں گے جو میرے اس حوض سے دھتکارے جائیں گے جس طرح ادھر ادھر آیا ہو کوئی اونٹ دھتکار دیا جاتا ہے۔ میں ان کو پکاروں گا: ”آگے آؤ آگے!“، تو کہا جائے گا کہ یہ وہ ہیں جو آپ کی راہ پر نہ رہے تھے۔ تب میں کہوں گا: ”دفع ہو جاؤ دفع۔“

سبحان اللہ! کوئی آج اس دستِ مبارک سے جامِ لطف و سعادت پانے کی سعی کر رہا ہے اور کوئی اس کے در سے دھتکارے جانے کا بندوبست کرنے میں مصروف!!! اف، خدا یا! کیا اس بد قسمتی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حشر کے میدان میں چل چل کر پیاس سے بلکتا کوئی شخص رسالت مآب ﷺ کے پاس پہنچے اور اس کو اس ہستی کے دہن مبارک سے اپنے لیے جو پہلا لفظ سننے کو ملے وہ ”سھٹا سھٹا“ ہو! یعنی ”دفع، ناپاکار! دفع!!!“۔ افسوس اس ’امتی‘ پر جو اپنے نبی کے دشمن کے ہاں عزت و آبرو کی تلاش میں سرگرداں پھرے! حیف ایسے ایمان پر جو نبی اور اس کی شریعت کی جانب آدمی کی پیٹھ کرا دے اور نبی کے مخالفوں اور ان کی راہوں سے ہی آدمی کو کل امیدیں لگوا دے!

تف ہے ’اسلام‘ کے دعویدار ان لبوں اور اس زبان پر جسے شاتم رسول کو تحفظ دینے والے کسی ظالم کے ساتھ تبادلہِ خیر سگالی نصیب ہو! ان ہاتھوں پر جنہیں کسی دشمن رسول کے ساتھ گرجوش مصافحہ ’عطا‘ ہو! ان بازوؤں پر جو ’معانقہ‘ کے لیے کسی پلید بٹے کے گرد حائل ہوں! اس ڈپلومیسی پر جس کا بریف کیس حرمتِ رسول ﷺ پر مفاہمت کے عوض سے ہی بھر سکتا ہو.....!

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ (سورۃ آل عمران: ۱۰۶)

”اس دن، جب کچھ چہروں پر نور بر سے گا تو کچھ پر کالک“..... خدا یا! یہ کیسا دن ہو گا کہ نہ جس کا ”نور“ کہیں جانے والا ہو گا اور نہ جس کی ”کالک“!

☆☆☆☆☆

ہر اس ”امتی“ کو نوید ہو جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت و ناموس کو جہان کا موضوع بنادینے کے لیے آج اپنا تن من دھن لگا دے اور تاریخ کے اس نہایت اہم موڑ پر آپ کے دین کا علم بلند سے بلند کرنے کے لیے اپنا آرام اور چین قربان کر لے اور اپنی محبت کا ثبوت دے کر ان ”امتیوں“ میں اپنا نام لکھوانے کی سعی کرے جن کی بابت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زبان مبارک سے فرمایا تھا:

مِنْ أَشَدِّ أُمْتِي لِي حُبًّا نَاسٌ يَكُونُونَ بَعْدِي يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ رَأَى بِأَهْلِهِ وَمَالِهِ۔ (صحیح مسلم، عن ابی ہریرۃ، رقم: ۷۳۳۳)

”میرے ساتھ شدید ترین محبت رکھنے والے میرے کچھ امتی ایسے ہوں گے جو میرے بعد آئیں گے۔ ان میں سے ایک ایک کی یہ تمنا ہوگی کہ اپنا سب اہل و مال دے کر بھی اس کو مجھے ایک نظر دیکھ لینا نصیب ہو جائے!!!“

نیز جن خوش قسمتوں کی بابت آپ نے یہ سرور کن بات فرمائی، بلکہ ان خوش قسمتوں کے بالمقابل کچھ بد بختوں کی نشان دہی بھی کر دی:

”وَدِدْتُ أَنَا قَدْ رَأَيْنَا إِخْوَانَنَا“ . قَالُوا أَوْلَسْنَا إِخْوَانَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ ” أَنْتُمْ أَصْحَابِي وَإِخْوَانُنَا الَّذِينَ لَمْ يَأْتُوا بَعْدُ“ . فَقَالُوا كَيْفَ تَعْرِفُ مَنْ لَمْ يَأْتِ بَعْدُ مِنْ أُمَّتِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ ” أَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّ رَجُلًا لَهُ خَيْلٌ غُرٌّ مُحَجَّلَةٌ بَيْنَ ظَهْرَيْنِ خَيْلٍ دُهُمٌ بَيْنَهُمْ أَلَا يَعْرِفُ خَيْلَهُ“ . قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ . قَالَ ” فَإِنَّهُمْ يَأْتُونَ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنَ الْغُضُوءِ وَأَنَا فَزَظُّهُمْ عَلَى الْحَوْضِ أَلَا لَبِذًا ذَنِّ رَجَالٍ عَنْ حَوْضِي كَمَا يُذَاذِ الْبُعَيْرُ الضَّالُّ أُنَادِيهِمْ أَلَا هَلُمَّ . فَيَقَالُ إِنَّهُمْ قَدْ بَدَلُوا بَعْدَكَ . فَأَقُولُ سَحَقًا سَحَقًا (رواہ مسلم)

”مجھے تمنا ہوئی کہ کہیں ہم اپنے بھائیوں کو بھی دیکھ سکتے!!!“۔ صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں؟ فرمایا: ”تم میرے ساتھی ہو، ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی نہیں آئے!“۔ صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ کے وہ امتی جو ابھی آئے ہی نہیں آپ ان کو پہچان کیسے لیں گے؟ فرمایا: ”کیا خیال ہے کسی آدمی کے گھوڑے ایسے ہوں جن کے جسم اور پیشانیوں اعلیٰ سفید ہوں، وہ انہیں ان گھوڑوں میں سے صاف نہ پہچان لے گا جن کا سارا جسم کالا مٹایا ہو؟“۔ صحابہ نے عرض کی: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! فرمایا: ”تو وہ یوں آئیں گے کہ وضو کے اثر سے ان کے اعضاء چمک رہے ہوں گے اور میں ان سے پہلے حوض پر (ان کے استقبال کے لیے)

محبوب کا حلیہ مبارک [صلی اللہ علیہ وسلم]

ماخذ: شامل ترمذی و دیگر کتب حدیث و تفسیر

ہماری اولادیں، والدین، مال و اسباب اور یہ روح و بدن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ہزار ہزار قربان۔ یہ آپ کی محبت ہے جو صدیوں سے آپ کا حلیہ مبارک مختلف شکلوں میں اہل علم و اہل عشق میں بیان کرواتی رہی ہے اور اصل شے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک شریعت اور آپ کی مبارک سنتوں کا اتباع ہے۔ رنگ کالا ہو، ہونٹ موٹے موٹے، نسل کا حبشی ہو اور ذات کا غلام، لیکن اتباع میں کامل ہو تو ماہ نبوت کا ہالہ 'سیدنا بالال' ہو جاتا ہے۔ حضور پر نور کا حلیہ بھی حفظ کرتے ہیں اور آپ کی شریعت کی اتباع کا عزم بھی!

شاعر رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وأحسن منك لم ترقط عيني
وأجمل منك لم تلد النساء
خلقت مبرئاً من كل عيب
كانك قد خلقت كما تشاء

”تیرے جیسا حسین، میری آنکھ نے نہیں دیکھا۔ تیرے جیسے جمال والا کسی ماں نے نہیں جنا۔ آپ ہر عیب سے پاک پیدا ہوئے۔ آپ ایسے پیدا ہوئے جیسے آپ نے خود اپنے آپ کو چاہا۔“

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

”اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسن و جمال میں سے بہت تھوڑا سا ظاہر فرمایا، اگر سارا ظاہر فرماتے تو آنکھیں اس کو برداشت نہ کر سکتیں۔ یوسف علیہ السلام کا سارا حُسن ظاہر کیا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حُسن کی چند جھلکیاں دکھائی گئیں، باقی سب مستور ہیں۔ کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو اس جمال کی تاب لا سکتی۔“

ام معبد رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”میں نے ایک نوجوان دیکھا، بڑا صاف ستھرا۔ حسین سفید چمکتا چہرہ گویا نوخیز گلی ہو (کلیوں میں جو رونق ہوتی ہے، وہ پھول میں نہیں ہوتی)۔ نہ ایسے موٹے تھے کہ نظروں میں جچیں نہیں اور نہ ایسے کمزور اور دُبلے تھے کہ بے رُعب ہو جائیں۔ وسیمٌ قسیمٌ تھے..... (وسیم یعنی وہ حسین جس کو جتنا دیکھیں، اس کا حُسن اتنا بڑھتا چلا جائے، جسے دیکھتے ہوئے آنکھ نہ بھرے اور قسیم یعنی جس حسین کا ہر عضو الگ الگ حُسن کی ترجمانی کرتا ہو، جس کا ہر عضو حسن میں کامل اور اکمل ہو)۔ اُس کی پلکیں بڑی دراز۔ اُس کی آنکھیں بڑی حسین، موٹی، سیاہ۔ اس کی داڑھی بڑی خوبصورت اور گھنی۔ اس کی گردن صراحی دار اور لمبی۔ آواز میں کشش اور رعب۔“

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”حضور ﷺ نہ زیادہ لمبے تھے، نہ کوتاہ قد، ہتھیلیاں اور دونوں پاؤں پُر گوشت تھے (یہ صفات مردوں کے لیے محمود ہیں اس لیے کہ قوت اور شجاعت کی علامت ہیں۔ عورتوں کے لیے مذموم ہیں) حضور ﷺ کا سر مبارک بھی بڑا تھا اور اعضا کے جوڑ کی ہڈیاں بھی بڑی تھیں۔ سینہ سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک باریک دھاری تھی۔ جب حضور ﷺ چلتے تھے تو گویا کہ کسی اونچی جگہ سے نیچے کو اتر رہے ہیں۔ میں نے حضور ﷺ جیسا نہ پہلے دیکھا اور نہ بعد میں دیکھا۔“

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ:

”میں نے کسی کو سرخ جوڑے میں حضور اقدس ﷺ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا، آپ ﷺ کے بال مونڈھوں تک رہے ہیں، اور آپ ﷺ نے زیادہ لمبے تھے نہ پست قد۔“

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”حضور اقدس ﷺ نہ بہت لمبے قد کے تھے نہ پست قد بلکہ آپ ﷺ کا قد مبارک درمیانہ تھا نیز رنگ کے اعتبار سے نہ بالکل سفید تھے چونکہ طرح، نہ بالکل گندمی کہ سانولا بن جائے (بلکہ چودھویں رات کے چاند سے زیادہ روشن، پُر نور اور کچھ ملاحظہ لیے ہوئے تھے) حضور اقدس ﷺ کے بال نہ بالکل سیدھے تھے نہ بالکل پیچ دار (بلکہ ہلکی سی پیچیدگی اور گھونگر یا لپن تھا) چالیس برس کی عمر ہو جانے پر حق تعالیٰ جل شانہ نے آپ ﷺ کو نبی بنایا اور پھر دس برس مکہ مکرمہ میں رہے (اس میں کلام ہے جیسا کہ فوائد میں آتا ہے)۔“

اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے مروی ہے کہ:

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم درمیانہ قد تھے، نہ زیادہ طویل نہ پست، نہایت خوب صورت معتدل بدن والے، حضور ﷺ کے بال نہ بالکل پیچیدہ تھے نہ بالکل

سیدھے (بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی اور گھونگریا پن تھا) نیز آپ ﷺ گندی رنگ کے تھے۔ جب حضور ﷺ راستہ چلتے تو آگے کو جھکے ہوئے چلتے۔“

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے حضور اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک دریافت کیا اور وہ حضور ﷺ کے حلیہ مبارک کو بہت ہی کثرت سے اور وضاحت سے بیان کیا کرتے تھے۔ مجھے خواہش ہوئی کہ وہ ان اوصافِ جمیلہ میں سے کچھ میرے سامنے بھی ذکر کریں تاکہ میں ان کے بیان کو اپنے لیے حجت اور سند بناؤں۔ (اور ان اوصافِ جمیلہ کو ذہن نشین کرنے اور ممکن ہو سکے تو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کروں، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر حضور ﷺ کے وصال کے وقت سات سال کی تھی۔ اس لیے حضور ﷺ کے اوصافِ جمیلہ میں اپنی کم سنی کی وجہ سے تامل اور کمال تحفظ کا موقع نہیں ملا تھا) ماموں جان نے حضور ﷺ کے حلیہ شریف کے متعلق یہ فرمایا کہ:

’آپ ﷺ خود اپنی ذات و صفات کے اعتبار سے شاندار تھے اور دوسروں کی نظروں میں بھی رتبہ والے تھے، آپ ﷺ کا چہرہ مبارک ماہِ بدر (چودھویں کے چاند) کی طرح چمکتا تھا۔ آپ ﷺ کا قد مبارک بالکل متوسط قد والے آدمی سے کسی قدر طویل تھا لیکن لمبے قد والے سے پست تھا، سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا، بال مبارک کسی قدر بل کھائے ہوئے تھے۔ اگر سر مبارک میں اتفاقاً خود مانگ نکل آتی تو مانگ رہنے دیتے، ورنہ آپ ﷺ خود مانگ نکلنے کا اہتمام نہ فرماتے۔‘

(یہ مشہور ترجمہ ہے اس بنا پر یہ اشکال پیش آتا ہے کہ حضور ﷺ کا قصداً مانگ نکالنا روایات سے ثابت ہے۔ اس اشکال کے جواب میں علمایہ فرماتے ہیں کہ اس کو ابتدائے زمانہ پر محمول کیا جائے کہ اول حضور ﷺ کو اہتمام نہیں تھا، لیکن بندہ ناچیز کے نزدیک یہ جواب اس لیے مشکل ہے کہ حضور ﷺ کی عادتِ شریفہ مشرکین کے مخالف اور اہل کتاب کی موافقت کی وجہ سے مانگ نہ نکالنے کی تھی، اس کے بعد پھر مانگ نکالنی شروع فرمادی، اس لیے اچھا ترجمہ جس کو بعض علمائے ترجیح دی ہے وہ یہ کہ اگر بسہولت مانگ نکل آتی تو نکال لیتے اور اگر کسی وجہ سے بسہولت نہ نکلتی اور کنگھی وغیرہ کی ضرورت ہوتی تو اس وقت نہ نکالتے، کسی دوسرے وقت جب کنگھی وغیرہ موجود ہوتی نکال لیتے۔)

جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”حضور اکرم ﷺ فراخ دہن تھے، آپ ﷺ کی آنکھوں کی سفیدی میں سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے، ایڑی مبارک پر بہت کم گوشت تھا۔“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

”میں ایک مرتبہ چاندنی رات میں حضور اقدس ﷺ کو دیکھ رہا تھا۔ میں کبھی چاند کو دیکھتا اور کبھی آپ ﷺ کو، بالآخر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ حضور ﷺ چاند سے کہیں زیادہ جمیل و حسین اور منور ہیں۔“

ابو اسحاق کہتے ہیں کہ:

کسی شخص نے حضرت براء سے پوچھا کہ کیا حضور اقدس ﷺ کا چہرہ مبارک تلوار کی طرح شفاف تھا۔ انہوں نے کہا کہ نہیں بلکہ بدر کی طرح روشن گولائی لیے ہوئے تھا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”حضور اقدس ﷺ اس قدر صاف شفاف، حسین و خوب صورت تھے کہ گویا کہ چاندی سے آپ ﷺ کا بدن مبارک ڈھالا گیا ہے۔ آپ ﷺ کے بال مبارک قدرے خم دار گھونگریا لے تھے۔“

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ

”مجھ پر سب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پیش کیے گئے یعنی مجھے دکھائے گئے۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو میں نے دیکھا تو ذرا پتلے و بدلے بدن کے آدمی تھے گویا کہ قبیلہ شنوئیہ کے لوگوں میں سے ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو ان سب لوگوں میں سے جو میری نظر میں ہیں عروہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) ان سے زیادہ ملتے جلتے معلوم ہوئے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں سے میں خود ہی ان کے ساتھ مشابہ ہوں، ایسے ہی اسرائیل (یعقوب) علیہ السلام کو دیکھا تو ان کے ساتھ زیادہ مشابہ ان لوگوں میں سے جو میری نظر میں ہیں وہ دحبہ کلبی ہیں۔“

سعید جریری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو الطفیل رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ:

”حضور اقدس ﷺ کو دیکھنے والوں میں اب روئے زمین پر میرے سوا کوئی نہیں رہا۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھ سے حضور ﷺ کا کچھ حلیہ بیان کیجیے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ سفید رنگ تھے ملاحظہ کے ساتھ یعنی سرخی مائل اور معتدل جسم والے تھے۔“

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”حضور اقدس ﷺ کے اگلے دانت مبارک کچھ کشادہ تھے، گنجان نہ تھے جب حضور اقدس ﷺ تکلم فرماتے تو ایک نور سا ظاہر ہوتا جو دانتوں کے درمیان سے نکلتا تھا۔“

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

”حضور ﷺ میانہ قد تھے۔ آپ ﷺ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان اوروں سے قدرے زیادہ فاصلہ تھا (جس سے سینہ مبارک چوڑا ہونا بھی معلوم ہو گیا) گنجان بالوں والے، جو کان کی لوتک ہوتے تھے، آپ ﷺ پر ایک سرخ دھاری کا جوڑا یعنی لنگی اور چادر تھی۔ میں نے آپ ﷺ سے زیادہ حسین کبھی کوئی چیز نہیں دیکھی۔“

ابراہیم بن محمد جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے ہیں (یعنی پوتے ہیں) وہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حضور ﷺ کے حلیہ مبارک کا بیان فرماتے تو کہا کرتے تھے کہ:

”حضور ﷺ نہ زیادہ لمبے تھے، نہ زیادہ پستہ قد بلکہ میانہ قد لوگوں میں تھے۔ حضور ﷺ کے بال مبارک نہ بالکل پیچ دار تھے نہ بالکل سیدھے بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی لیے ہوئے تھے۔ نہ آپ ﷺ موٹے بدن کے تھے نہ گول چہرہ کے البتہ تھوڑی سی گولائی آپ ﷺ کے چہرہ مبارک میں تھی (یعنی چہرہ انور نہ بالکل گول تھا نہ بالکل لانا بلکہ دونوں کے درمیان تھا) حضور ﷺ کا رنگ سرخی مائل سفید تھا۔ حضور ﷺ کی مبارک آنکھیں نہایت سیاہ تھیں اور پلکیں دراز، بدن کے جوڑوں کی ہڈیاں موٹی تھیں (مثلاً کہنیاں اور گھٹنے اور ایسے ہی دونوں مونڈھوں کے درمیان کی جگہ بھی موٹی اور پُر گوشت تھی، آپ ﷺ کے بدن مبارک پر (معمولی طور سے زائد) بال نہیں تھے (یعنی بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے بدن پر بال زیادہ ہوتے ہیں حضور ﷺ کے بدن مبارک پر خاص خاص حصوں کے علاوہ جیسے بازو پنڈلیاں وغیرہ ان کے علاوہ اور کہیں بال نہ تھے) آپ ﷺ کے سینہ مبارک سے ناف تک بالوں کی لکیر تھی آپ ﷺ کے ہاتھ اور قدم مبارک پُر گوشت تھے۔

جب آپ ﷺ تشریف لے چلے تو قدموں کو قوت سے اٹھاتے گویا کہ پستی کی طرف چل رہے ہیں، جب آپ کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن مبارک کے ساتھ توجہ فرماتے تھے (یعنی یہ کہ صرف گردن پھیر کر کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ اس لیے کہ اس طرح دوسروں کے ساتھ لاپرواہی ظاہر ہوتی ہے اور بعض اوقات متکبرانہ حالت ہو جاتی ہے، بلکہ سینہ

مبارک سمیت اس طرف رخ فرماتے۔ بعض علما نے اس کا مطلب یہ بھی فرمایا ہے کہ جب آپ ﷺ توجہ فرماتے تو تمام چہرہ مبارک سے فرماتے، کن اکھیوں سے نہیں ملاحظہ فرماتے تھے۔) آپ ﷺ کے دونوں مبارک شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ سخی دل والے تھے۔ اور سب سے زیادہ سچی زبان والے تھے۔ سب سے زیادہ نرم طبیعت والے تھے۔ اور سب سے زیادہ شریف گھرانے والے تھے۔ (غرض آپ ﷺ دل و زبان، طبیعت، خاندان، ذاتی اور نسبتی اوصاف ہر چیز میں سب سے زیادہ افضل تھے) آپ ﷺ کو جو شخص یکایک دیکھتا مرعوب ہو جاتا تھا (یعنی آپ ﷺ کا وقار اس قدر زیادہ تھا کہ اول وہلہ میں دیکھنے والا رعب کی وجہ سے ہیبت میں آ جاتا تھا) اول تو جمال اور خوبصورتی کی وجہ سے بھی رعب ہوتا ہے، اس کے علاوہ جب کمالات کا اضافہ ہو تو پھر رعب کا کیا پوچھنا۔ اس کے علاوہ حضور ﷺ کو جو مخصوص چیزیں عطا ہوئیں، ان میں رعب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا۔ اور جو شخص پہچان کر میل جول کرتا تھا وہ (آپ ﷺ کے اخلاق کریمہ و اوصاف جمیلہ کا گھاسل ہو کر) آپ ﷺ کو محبوب بنالیتا تھا۔ آپ ﷺ کا حلیہ بیان کرنے والا صرف یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے حضور ﷺ جیسا باجمال و باکمال نہ حضور ﷺ سے پہلے دیکھا نہ بعد میں دیکھا۔“

اللهم صلِّ وسلِّم علیٰ نبینا محمد و علیٰ آل محمد

☆☆☆☆☆

بلب کے اوپر اندھیرا!

”آج کل ہر چیز کے معنی بدل گئے ہیں، ہر چیز کا مفہوم الٹ گیا ہے۔ ہمارے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ پہلے زمانے کے مقابلے میں اب اس دور میں ہر چیز الٹی ہو گئی، یہاں تک کہ پہلے چراغ تلے اندھیرا ہوتا تھا، اور اب بلب کے اوپر اندھیرا ہوتا ہے۔“

(اصلاحی خطبات)

برصغیر کے حکمرانوں کے خلاف لڑنا مسلمانوں پر کیوں واجب ہے؟

مولانا فضل الرحمن قاسمی

حضرت مولانا فضل الرحمن قاسمی کا تعلق شہید سراج الدولہ، سیدتیجو میر اور حاجی شریعت اللہ رحمہ اللہ کی سرزمین سے ہے جس کے پیشتر حصے کو آج بنگلہ دیش کے نام سے جانا جاتا ہے اور آپ نے یہ تحریر بنگلہ دیش میں ہی قلم بند کی ہے۔
زیر نظر سلسلہ کل چار حصوں پر مشتمل ہے، اس مضمون کا دوسرا حصہ جنوری ۲۰۲۲ء کے مجلہ 'نوائے غزوہ ہند' میں دیکھا جاسکتا ہے۔ (ادارہ)

ہندوستان: دارالحرب بننے سے ماضی قریب تک

علمائے ہند کا کردار

یہ ملک یعنی برصغیر [ہندوستان (بھارت)، بنگلہ دیش اور پاکستان] دارالحرب بننے کے بعد دارالاسلام بننے کے مرحلے میں کبھی داخل نہیں ہوا، کہ دارالحرب سے دارالاسلام میں تبدیل ہونے کے لیے جو باتیں ضروری تھیں وہ اس خطہ ارض کو نصیب نہیں ہوئیں۔
گزشتہ دو سو برس میں برصغیر بہت سے مراحل سے گزرا اور ہزاروں تبدیلیاں اس میں آئیں، مگر ان میں سے کوئی تبدیلی بھی اسے دارالاسلام بنادینے والی نہ تھی۔ دو سو برس کے اس سفر کو ہم مختصر اُبیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اللہ درست بات کی توفیق عطا فرمائے۔

ہم پر کیا گزری؟

ہندوستان (یعنی برصغیر پاک و ہند اور بنگلہ دیش) گزشتہ دو سو برس کے دوران ایسے ایسے مراحل سے گزرا کہ جن کا تصور بھی آج کے مسلمان کے لیے مشکل ہے، اور ایسا ہی حال ہر ماضی کا ہوتا ہے کہ حال کا آدمی جتنا بھی پڑھ لے اور جہاں تک بھی تصور کے گھوڑے دوڑائے وہ مشاہدہ کرنے والے کے احساس کو نہیں پاسکتا۔ بدلتے احوال کا ادراک، ماضی اور حال کا فرق اس دور سے گزرنے والا جیسے کر سکتا ہے اس طرح اس دور سے غیر حاضر فرد نہیں کر سکتا۔
اسی طرح جن لوگوں نے اپنے مقتول والدین، بھائی بہنوں رشتہ داروں کے خون سے رنگے چہرے ان کے قاتلین کے ہاتھوں میں دیکھے، ان کا جذبہ انتقام اور بدلے کا عزم ان کے برابر ہر گز نہیں ہو سکتا جنہوں نے اس قتل و قاتل کی محض کہانیاں سن رکھی ہیں اور انہیں اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔

اسی طرح باپ دادا سے میراث میں ملی جائیداد اور اپنی محنت سے بنائے مکان کی محبت یکساں نہیں ہو سکتی، اپنے خون پسینے کی کمائی کی قدر و قیمت ہر گز مفت طے عیے کے برابر نہیں ہو سکتی۔
گندے ماحول میں رہنے بسنے والا اس ماحول کی گندگی اور بدبو سے وہ اذیت محسوس نہیں کرتا جتنا کہ پاکیزہ ماحول سے اس گندگی اور تعفن بھرے مقام پر آنے والا محسوس کرتا ہے۔ مگر پاکیزہ ماحول سے آنے والے کی یہ تکلیف اور اذیت بھی رفتہ رفتہ دور ہوتی جاتی ہے، بدبو کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔ کیوں؟ کیا بدبو دور ہو گئی یا اس شخص نے بدبو کو اپنا لیا؟ حقیقت یہ ہے کہ بدبو تو

اپنی اسی شدت کے ساتھ قائم و دائم ہے، ماحول بھی متعفن ہے اور گندگی بھی پھیلی ہوئی ہے، لیکن صاحبوں نے اس بدبو کو اپنا لیا ہے۔

ان چند تمہیدی نکات کے بعد اب ہم ہندوستان کی مختصر کہانی کی جانب آتے ہیں۔ یہ کوئی باقاعدہ تاریخی مضمون نہیں ہے کہ جس میں ماضی کے ہر گوشے کو اجاگر کیا جائے، بلکہ ہم یہاں صرف تاریخ کے ان حصوں پر روشنی ڈالیں گے جن سے صدیوں پر محیط پیچیدگیوں کو حل کرنے میں مدد ملے۔ قوم پرستی کی جہالت، عصبیت پر مبنی نفرت، اور فرقہ وارانہ عداوت سے پاک ہو کر محض ایک مسلمان کی حیثیت سے تاریخ کی جن باتوں کو سامنے لانا اور جن حالات پر غور کرنا مطلوب ہے ہم صرف انہی کا احاطہ کرنے کی کوشش کریں گے، ان شاء اللہ۔ دو سو صدیوں پر محیط اس تاریخ کو ہم چار حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

- پہلا حصہ: ہندوستان دارالحرب بننے سے مغل سلطنت کے خاتمے تک، یہ قریباً پچاس سالہ مدت ہے۔
- دوسرا حصہ: مغل سلطنت کے اختتام سے آزادی ہند اور قیام پاکستان تک، یہ قریباً ایک صدی پر محیط عرصہ ہے۔
- تیسرا حصہ: آزادی ہند اور قیام پاکستان سے لے کر تقسیم پاکستان اور قیام بنگلہ دیش تک، جو لگ بھگ تیس چوبیس برس پر محیط ایک مختصر مدت ہے۔
- چوتھا حصہ: تقسیم پاکستان اور قیام بنگلہ دیش سے لے کر اب تک، یہ قریباً پچاس سال کا عرصہ ہے۔

پہلا حصہ: فتویٰ دارالحرب سے مغل سلطنت کے خاتمے تک

(۱۸۰۸ء تا ۱۸۵۷ء)

انیسویں صدی کا آغاز، جب ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیا گیا، یہ وہ دور تھا کہ جب مسلمانوں کا وجود تو تھا لیکن ان کے پاس طاقت نہ تھی، تخت سلطانی مسلمانوں کے پاس تھا مگر سلطانی نہ تھی۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے فتوے کی حتمی تاریخ بتانا تو مشکل ہے البتہ تاریخ دان ۱۸۰۸ء سے ۱۸۱۲ء کے دوران اس کی تاریخ بتاتے ہیں۔ مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”۱۸۰۳ء میں جب کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے نمائندے نے شاہِ دہلی سے ملکی انتظام کا پروانہ جابرانہ طریقے سے لکھوا کر ملک میں اعلان کر دیا کہ خلق (مخلوق) خدا کی، ملک بادشاہ سلامت کا اور حکم کمپنی بہادر کا، تو شاہ عبدالعزیزؒ نے ہندوستان کے دارالحرب ہو جانے کا فتویٰ جاری فرمایا اور مسلمانوں کو آزادی ہند کے لیے آمادہ کرنا ضروری سمجھا (مذکورہ مفصل فتویٰ فتاویٰ عزیز یہ صفحہ ۱۷ پر موجود ہے)۔

واقعات نے بتلادیا تھا کہ ہندوستان کے موجودہ حکام و امراء میں سے اب کسی میں طاقت اس بدیسی غیر مسلم قوم کے مقابلے اور دفع کرنے کی ایسی نہیں رہی جس پر اطمینان کیا جائے۔ لہذا مسلمانوں کے لیے احوال پر غور کرنا اور آزادی کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنا زبوں ضروری ہے جو کہ ہر دارالحرب کے باشندے پر لازم ہے۔ چنانچہ اس کے بعد سے جدوجہد شروع ہوئی۔“ (نقش حیات ص ۴۱۰، ۴۱۱)

مذکورہ فتوے کے اجراء کے قریباً پچاس سال بعد ہندوستان میں مغل حکومت کا خاتمہ ہوا اور ۱۸۵۷ء میں مغل سلطنت کے آخری فرمانروا سلطان بہادر شاہ ظفر کی جلاوطنی کے ساتھ ہندوستان سے بادشاہت کا جنازہ نکلا۔ ان پچاس برس کے دوران تخت سلطانی مسلمانوں کے ہاتھ میں رہا، دہلی کا لال قلعہ بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں رہا لیکن ہندوستان پھر بھی دارالحرب تھا، مغل سلطنت کے باوجود ہندوستان دارالحرب تھا، صدیوں سے مسلمانوں کے ہاتھوں میں سلطنت رہنے کے باوجود دارالحرب بن گیا!!!

نا قابل ذکر اختلافات / کچھ الحاد کچھ زلات

اس موقع پر قارئین کی توجہ ایک بات کی جانب دلانا چاہتا ہوں، بات یہ ہے کہ اس عرصہ میں ہندوستان کے دارالحرب ہونے کے بارے میں بعض نے اختلاف بھی کیا۔ اسی طرح مغل سلطنت کے بعد کے دور میں جب حکومت صد فی صد کفار کے ہاتھ میں تھی، اس وقت بھی بعض لوگوں نے، قادیانیوں اور ان جیسے کچھ دیگر فرقوں نے بھی اس مسئلہ میں اختلاف کیا اور کرتے رہے، دنیا میں کون سا ایسا مسئلہ ہے جس میں کسی کو اختلاف نہ ہو! غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اختلاف کرنے والے نے دلیل کی رو سے اختلاف کیا، اپنی عصبيت اور نفاق اور الحاد کی بنا پر یا کسی شبہ کی بنیاد پر۔ اگر کسی شبہ کی بنیاد پر اختلاف کیا تو وہ معذور ہے اور اگر نفاق اور الحاد کی بنا پر اختلاف کیا تو وہ ملعون ہے، قابل ملامت ہے۔

ہندوستان کے حق پرست علمائے کرام اس پر متفق تھے کہ انیسویں صدی کے آغاز میں برصغیر پاک و ہند دارالحرب بن گیا تھا۔ کتاب و سنت کی رو سے یہی فیصلہ درست تھا۔ پھر بھی نفاق، الحاد اور زندہ کی گرفت میں پھنسے لوگ اس کے دارالاسلام ہونے کا واویلا کرتے تھے اور انگریز سرکار کی جانب سے ان کو ایسا امن اور راحت میسر تھی جو اسلامی سلطنت کے دور میں بھی ان کو کبھی نہ ملی تھی۔ ان لوگوں کی نظر میں انگریز کے خلاف جہاد کرنا فساد اور فتنہ تھا اور کفار کی اطاعت ان کے نزدیک واجب تھی۔ ان ملحدین اور زنادقہ کی سوچ و فکر اور ان کے

اقوال کی جانب توجہ کرنے کی نہ تو ضرورت ہے اور نہ ہی گنجائش۔ البتہ اہل حق علمائے کرام میں سے بھی بعض کے قلم کی نوک سے کچھ ایسی باتیں نکل گئیں جو دلیل کی رو سے غلط اور علمائے وقت کے اجماع کے خلاف تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلویؒ نے ہندوستان کے دارالحرب بن جانے کا جو فتویٰ جاری فرمایا اسی پر ہندوستان کے حق پرست علماء عمل پیرا ہوئے اور ہندوستان پر تسلط کفار کے خلاف جہاد شروع کیا اور اپنی محدود طاقت و وسائل کے باوجود انگریز کے خلاف جہاد کرتے رہے، قربانیاں دیتے رہے، اللہ کے راستے میں شہید ہوتے رہے، اللہ کے دشمنوں کو مارتے رہے اور اپنا فرض ادا کرتے رہے۔

ادائے فرض کا ایک قابل اقتداء نمونہ

دارالاسلام، جو غیر اسلامی تسلط کی وجہ سے دارالحرب بن گیا تھا، کو دوبارہ حاصل کرنے اور غیر اسلامی اقتدار ہٹانے کے لیے اللہ کے راستے میں جہاد کا جو تسلسل شروع ہوا تھا، معرکہ بالا کوٹ اسی کی ایک ناقابل فراموش کڑی ہے۔ رائے بریلی کے سید خاندان کے یتیمائے روزگار مرشد کامل، مجاہد ملت سید احمد بریلویؒ کی امارت اور ان کے بے مثال سپہ سالار مولانا اسماعیل شہیدؒ کی قیادت میں مسلط قوت کے خلاف جہاد کا سلسلہ شروع ہوا۔

سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلویؒ ہی کے دربار کے پروردہ ہیں۔ آپ اگر تاریخ کے صفحات پر نگاہ دوڑائیں تو آپ دیکھیں گے کہ ہمارے اسلاف کے مراکز علمی سے جس طرح تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری و ساری رہا اسی طرح وقت کی دیگر شرعی ذمہ داریاں بھی یہی مراکز انجام دیتے رہے۔ چنانچہ اسی مرکز علمی سے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ جاری کیا گیا، اسی مرکز علمی سے جہاد کا آغاز ہوا اور انہی مراکز علمی سے نکلنے والے علم و عمل کے شہ سوار اسلامی حکومت دوبارہ قائم کرنے اور تسلط قوتوں کو ہٹانے کے لیے آخری دم تک لڑتے رہے یہاں تک کہ اس راستے میں اپنے گلے گنوا دیے۔

مختصر اُس وقت حالات یہ تھے کہ ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا جا چکا تھا، ملک کے حکمران مسلمان تھے، تسلط کفار کا تھا، آئینی ادارے کفار کے قوانین کے ماتحت چلتے تھے، تسلط قوت دنیا کی سب سے بڑی مسلح فوج کی مالک تھی، عام مسلمانوں میں جہالت و گمراہی و باکی طرح پھیلی ہوئی تھی، نفاق و الحاد کا جال بچھا ہوا تھا، ہر قسم کی سازشوں کے پھندے گھیرے ہوئے تھے، دین کے تمام جلی و قطعی شعبوں کو مشکوک اور مختلف فیہ بنانے کا منصوبہ پختہ ہو چکا تھا، اسلام کے دشمن کفار محاربین کی بہبود اور ان کے قدم چومنے کے لیے ایمان فروشوں کی ایک بڑی جماعت اپنے ایمان کا سودا کر چکی تھی، علمائے سوء اور اللّٰہین ھادُوا یُحْزِنُونَ الْکَلْمَ عَنْ مَّوْاصِعِهِ (دینی نصوص میں معنوی تحریف کرنے والوں) کی ایک بڑی تعداد تحریف اور تاویل کا بازار گرم کیے ہوئے تھی، جہادی جدوجہد کے خلاف پروپیگنڈہ جاری تھا، ملکی اور غیر ملکی دشمنوں کی تعداد اور قوت کا اندازہ لگانا بھی مشکل تھا جبکہ دوسری جانب مجاہدین تھے، دونوں فریقوں کی تعداد اور قوت میں سرے سے کوئی تناسب نہ تھا۔ محض ایک معرکہ بالا کوٹ پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو نظر آئے گا کہ مسلمان مجاہدین کی تعداد سات سو جبکہ دشمن کی تعداد دس ہزار

تھی۔ تاریخ پر نظر ڈالیں تو اسلام اور کفر کے مابین معرکوں میں فریقین کا عددی تناسب کہیں بھی دکھائی نہیں دیتا، مگر مسلمان جب بھی اپنے رب کے بھروسے اور ایمانی طاقت کے بل پر لڑا، وہ کامیاب ہوا۔

بانیان دارالعلوم دیوبند کا اقدام

مسلط انگریز کے خلاف ہمارے اکابر و اسلاف جہاد کے لیے جتنے میدانوں میں بھی اترے ان میں سے ہر ایک کا یہی حال تھا مگر پھر بھی انہوں نے اپنی شرعی ذمہ داری سے روگردانی نہ کی۔ میدان بالا کوٹ کی جو تصویر آپ کے سامنے پیش کی، اس کے تقریباً پچیس برس بعد شمالی کے میدان میں بھی عین وہی منظر نظر آتا ہے۔

ہمارے اکابر علمائے دیوبند، جن کو صف اول کے اکابر سمجھا جاتا ہے، مختصر سامان جہاد کے ساتھ مخالف مسلح فوج کی ان گنت تعداد کے خلاف میدان میں اتر گئے کیونکہ مسئلہ دفاع کا تھا۔ حاجی امداد اللہ مہاجر کی لگی امارت، قاسم نانوتوی کی سپہ سالاری، رشید احمد گنگوہی بطور قاضی اور دیگر کئی علمائے کرام کی شرکت کے باعث یہ معرکہ جہاد بپا ہو سکا۔

۱۸۵۷ء میں جب علمائے ہند نے دہلی کی جامع مسجد میں غاصب انگریز کے خلاف جہاد کا متفقہ فتویٰ صادر فرمایا تو اس فتوے پر غور کرنے کے لیے تھانہ بھون میں علماء کی مجلس شوریٰ طلب کی گئی۔ موضوع بحث وہی تھا کہ موجودہ حالات میں ہم ظالم و جابر انگریز سے نکل لے سکتے ہیں یا نہیں، اور اس وقت جہاد کا شرعی حکم کیا ہے۔ اجلاس میں شوریٰ نے متفقہ طور پر دہلی کے علماء کے فتویٰ جہاد کی توثیق و تصدیق و تائید کی۔ حاجی امداد اللہ مہاجر کی، مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہم اللہ تعالیٰ سب موجود تھے، صرف ایک بزرگ حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی کی رائے مخالف رہی، اس اجلاس کا ایک دل چسپ مکالمہ ملاحظہ فرمائیں:

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے حضرت شیخ محمد صاحب سے خطاب کرتے ہوئے نہایت ادب کے ساتھ عرض کیا: حضرت! کیا وجہ ہے کہ آپ ان دشمنان دین و وطن کے خلاف جہاد کو فرض بلکہ جائز بھی نہیں فرماتے؟

حضرت مولانا شیخ محمد صاحب: اس لیے کہ ہمارے پاس اسلحہ اور آلات جہاد نہیں ہیں، ہم بالکل بے سروسامان ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب: کیا اتنا بھی سامان نہیں ہے جتنا سامان غزوہ بدر میں تھا؟

حضرت مولانا شیخ محمد صاحب: اگر آپ کی تمام جہتیں اور باتیں مان لی جائیں تو سب سے بڑی شرط جہاد میں نصب امام کی ہے۔ امام کہاں ہے کہ اس کی قیادت میں جہاد کیا جائے؟

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب: نصب امام میں کیا دیر لگتی ہے، مرشد برحق حضرت حاجی صاحب موجود ہیں، انہی کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی جائے۔

حضرت حافظ ضامن صاحب نے فرمایا: مولانا بس سمجھ میں آگیا، پھر سب نے حضرت حاجی صاحب کے دست حق پر بیعت جہاد کی۔ (نقش حیات از مولانا حسین احمد مدنی، ص: ۵۵۲، ۵۵۱)

جہاں ایک طرف یہ واقعہ تاریخ کا ایک اہم حصہ ہے وہیں دوسری طرف ہمارے متنازع فیہ مسئلہ کا ایک مدلل اور کافی ثانی جواب بھی ہے۔

نہضۃ الخواطر پر ایک نظر

علامہ عبدالحیٰ اپنی مشہور کتاب نہضۃ الخواطر میں لکھتے ہیں:

وثار المسلمون وأهل البلاد على الحكومة الإنجليزية سنة أربع وسبعين ومائتين وألف، وقامت جماعة من العلماء والصلحاء وأهل الغيرة من المسلمين في سہارنپور ومظفر نکر فاعلنوا الحرب على الإنكليز واختاروا الشيخ إمداد الله أميراً لهم، واشتبك الفريقان في ميدان شاملي قرية من أعمال مظفر نکر فقتل حافظ محمد ضامن شهيداً، وانقلبت الدائرة على المسلمين ورسخت أقدام الإنكليز.

واشتد بطشهم بكل من اهتم بالمشاركة في هذه الثورة، وضاعت على العلماء العاملين الغيارى الأرض، وضاق مجال العمل في الهند، وقضى بعض الرفقة مدة في الاختفاء والانزواء، ولجأ بعضهم إلى الهجرة ومغادرة البلاد، وأثر الشيخ إمداد الله الهجرة إلى مكة المكرمة، ودخل مكة سنة ست وسبعين ومائتين وألف وألقى رحله بالبلد الأمين، وكان أول إقامته على الصفا ثم انتقل إلى حارة الباب حيث قضى حياته ولقي ربه. نهضة الخواطر لعبد الحي الحسيني المتوفى سنة 1341هـ، ص: 1194، دار ابن حزم بيروت، الطبعة الأولى 1420هـ 1999ع

”مسلمانان ہند نے ۱۲۷۴ ہجری میں انگریز حکومت کے خلاف بغاوت کی اور علماء و صلحاء اور غیرت مند مسلمانوں کی ایک جماعت سہارن پور اور مظفر نگر میں جمع ہوئے اور انگریز کے خلاف جہاد کا اعلان کیا اور حاجی امداد اللہ مہاجر کی صاحب کو اپنا امیر بنایا۔ ضلع مظفر نگر کی ایک آبادی شاملی کے میدان میں فریقین کے درمیان مقابلہ ہوا اس میں حافظ ضامن صاحب نے شہادت پائی، مسلمانوں کی حالت کمزور ہو گئی، انگریزوں کے قدم راسخ ہو گئے۔

ان لوگوں کے خلاف انگریز کی گرفت سخت ہوتی گئی جنہوں نے اس انقلاب میں شرکت کی۔ جہاد کے کام کرنے والے غیرت مند علماء پر زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہو گئی اور ہندوستان میں کام کا میدان تنگ ہونے لگا۔ بعض لوگ کچھ عرصے کے لیے روپوش ہو گئے اور بعض نے ہجرت کی راہ اختیار کی۔ حاجی امداد اللہ نے مکہ مکرمہ کی جانب ہجرت کو ترجیح دی۔ آپ ۱۲۷۶ ہجری میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور بلدِ امین میں مقیم ہو گئے۔ آپ پہلے صفا پر اقامت پذیر

ہوئے اس کے بعد حارۃ الباب میں منتقل ہو گئے اور وہاں رہتے ہوئے اپنے رب سے جا ملے۔“ (نزہۃ الخواطر ص ۱۱۹۴)

خلاصہ

ہندوستان کی گزشتہ دو سو اود صدیوں پر محیط تاریخ کا جو مختصر جائزہ ہم پیش کر رہے ہیں اس کے پہلے حصے کے مطالعے سے جو باتیں سامنے آتی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

اول: شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے فتویٰ دارالحرب کے اجراء سے لے کر مغل سلطنت کے خاتمے تک ہندوستان مسلسل دارالحرب ہی رہا۔ اس عرصہ میں یہ کبھی دوبارہ دارالاسلام نہ بن سکا۔

دوم: تقریباً پچاس سالہ اس مدت میں ہندوستان کے تحت سلطنت پر مسلمان رونق افروز رہے اس کے باوجود یہ دارالحرب ہی رہا۔ اکابر علمائے ہند اسے دارالحرب ہی سمجھتے تھے۔

سوم: اس پچاس سالہ مدت میں تسلط کفار کے خلاف مسلمانان ہند علمائے کرام کی قیادت میں لڑتے رہے، جہاد کرتے رہے۔

چہارم: بانیان دارالعلوم دیوبند نے ان جہادی معرکوں کے ایک بڑے حصے کی قیادت کی ذمہ داری ادا کی اور تعلیم و تعلم سے متعلق جملہ امور کی انجام دہی کے دوران بھی ان کے اندر انگریز کے خلاف جہاد کی فکر مسلسل دکھائی دیتی رہی۔

پنجم: اپنے سے کئی گنا بڑی، باقاعدہ اور مسلح فوجی قوت کے خلاف وہ انتہائی کم قوت اور تیاری کے باوجود میدان میں اترے۔ سامان کی قلت، افرادی قوت کی کمی اور بعض علماء کا اختلاف بھی ان کو ان کے فرائض منصبی کی ادائیگی سے نہ روک سکا کہ ان کے نزدیک ادائے فرض نہایت اہم تھا۔

ششم: ظاہری ناکامی کے بعد بھی جہاد کی فکر کو انہوں نے ذہنوں سے نہیں نکالا بلکہ اسی فکر کی خاطر وہ روپوش ہوئے، اسی جہاد کو جاری رکھنے کے لیے انہوں نے ہجرتیں کیں، جلاوطن ہوئے، سزائیں قبول کیں، شہادت سے ہمکنار ہوئے مگر کسی حالت میں بھی کفار سے سمجھوتہ نہیں کیا۔

ہندوستان اب تک دارالحرب ہے، دارالاسلام بننے کی کوئی علت تاحال سامنے نہیں آئی۔

دوسرا حصہ: مغل سلطنت کے خاتمے سے

آزادی ہند اور قیام پاکستان تک (۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک)

اب ہندوستان سے مغل سلطنت کا خاتمہ ہو چکا تھا، نام ہی کی سہی جو سلطنت باقی تھی اب وہ بھی نہ رہی۔ ۱۸۵۷ء میں عام خونریزی اور جلاوطنیوں کے بعد انگریز مطمئن ہو گئے کہ ان کے مقابلے میں اب ایسی کوئی طاقت باقی نہیں رہی جو ان کے اقدام کو روک سکتی ہے۔ مغل سلطنت کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے رنگون جلاوطن کر دیا، مسلمانوں کے

قائدین اور مجاہدین میں کسی کو پھانسی پر لٹکایا اور کسی کو جلاوطنی کی سزا دی، اس طرح انگریز نے اپنے خلاف بغاوت کی تمام ممکنہ جڑیں اکھیڑ دیں۔

اب تک تو انگریز ایک کمپنی کے عنوان کے تحت اپنی ساری کارروائیاں جاری رکھے ہوئے تھا، لیکن ۱۸۵۷ء کی غارت گری کے بعد انگریز اپنے آپ کو کامیاب سمجھنے لگا، اس موقع پر ہندوستان کی حکومت ایسٹ انڈیا کمپنی کے سے براہ راست برطانوی راج کو منتقل ہو گئی۔

۱۸۵۸ء میں ملکہ وکٹوریہ نے ہندوستان کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی اور تبھی ہندوستان سرکاری طور پر برطانوی راج کے ماتحت منتقل ہو گیا۔ تقریباً سو برس تک برطانوی راج ہندوستان پر مسلط رہا۔ اس تسلط نے دارالحرب کی حیثیت کو درجہ متوسطہ سے درجہ ممتاز تک ترقی دی۔ سرکار برطانیہ نے ایک دارالحرب اور دارالکفر کی حیثیت سے ہندوستان میں کفر ہی کو ترویج دی اور مسلمانوں کے ایمان و عقائد، اعمال و افکار، تعلیم و تربیت کے تمام اجزاء مٹانے کے لیے عملی اقدامات کیے اور جن مراکز علمی سے اسلام اور اسلامیت کی تعلیم اور پرچار ہوتا تھا ان سب کو بے اثر اور بے فائدہ بنانے کی کوشش جاری رکھی۔

اب ہم یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ مسلمان قائدین اور مجاہدین اس تمام عرصہ میں کیا کرتے رہے اور اس صد سالہ عرصہ میں ان کی کیا سرگرمیاں رہیں۔ ہم تاریخ کے صرف انہی حصوں کا احاطہ کرنے کی کوشش کریں گے جو ہمارے موضوع سے متعلق ہیں۔ واللہ التوفیق۔

رہبران امت کی سرگرمیاں

دہلی کے علماء و مشائخ: دہلی کے ولی اللہی خاندان کا جو علم شاہ اسحاقؒ کے ہاتھ میں تھا وہ ان کے شاگردوں کے ذریعے برابر بلند رہا۔ ان میں شاہ عبدالغنی مجددی، مولانا مملوک علی نانوتوی، میاں نذیر حسین دہلوی اور حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمہم اللہ کے نام سر فہرست ہیں۔

اکابر دیوبند: ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد حاجی امداد اللہ صاحب نے مکہ مکرمہ کا رخ فرمایا اور غیر معمولی مشکلات اور پریشانیاں برداشت کر کے مکہ معظمہ میں بیٹھ کر ہی آخر تک ہندوستانی تحریک کی قیادت کرتے رہے۔ (علمائے ہند کا شاندار ماضی؛ جلد ۴، ص ۲۸۶)

ان کے علاوہ مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا قاسم نانوتوی، مولانا یعقوب نانوتوی رحمہم اللہ اور ان کے ہم عصر و ہم خیال علمائے کرام اپنی اپنی طاقت اور بساط کے مطابق خلافت اسلامیہ کی اقامت اور بقا کے لیے کوششیں کرتے رہے۔

یہ ہیں وہ حضرات جن کے ساتھ ہمارا علمی سلسلہ ملتا ہے اور جن کی جدوجہد اور قربانیوں کے صلے میں ہم علم، عمل اور جہاد کے میدانوں سے وابستہ ہوئے۔ ان کے علاوہ ہندوستان کے مختلف خطوں میں مختلف مکاتب فکر کے مسلمان آزادی ہند اور ہندوستان میں اسلامی حکومت کے قیام کے لیے کوششیں کرتے رہے ہیں، ان حضرات کی فہرست بہت طویل ہے اور اس کا احاطہ ممکن نہیں۔

دیگر مجاہدین ملت: سید احمد شہید بریلوی کا قافلہ مختلف شعبوں میں تقسیم ہو کر میدان جہاد میں اپنا کردار ادا کرتا رہا۔ مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی کے متبعین میں سے علمائے صادق

پورے اپنے علاقوں میں یہ کوشش جاری رکھی، مولانا کرامت علی جون پوری کے متبعین اپنے علاقے میں جدوجہد کرتے رہے، میرنثار الدین تیتو میر کے متبعین اپنے حوصلہ و عزم کے مطابق لڑتے رہے، حاجی شریعت اللہ کے جانشین حضرات اپنی استطاعت کی حد تک اسلامی شریعت کے قیام کو کوششوں میں حصہ ڈالتے رہے، غرض جس کے پاس جو کچھ اسباب و وسائل موجود تھے وہ انہی کو بروئے کار لا کر دشمن کی سرکوبی کے لیے کام کرتے رہے۔

ایک ناقابل انکار حقیقت

یہاں ہمیں ایک حقیقت کو قبول کرنا ہو گا کہ ۱۸۵۷ء کے واقعات کے بعد ایک طویل مدت تک پورے ہندوستان پر سناٹا سا چھایا رہا۔ جو قافلے اب تک سرگرم تھے اب وہ سابق سرگرمی کے ساتھ منظر عام پر نظر نہیں آ رہے تھے، دشمن اسلام انگریز مسلمانوں کی جانب سے حملوں کے قہم جانے کے سبب کچھ مطمئن سا ہو چلا تھا، جن خطرات کا انہیں روزمرہ زندگی میں سامنا تھا وہ اب قریباً مٹ چکے تھے۔

لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمان مجاہدین اپنی ذمہ داری بھول بیٹھے تھے کیونکہ بعد کی تاریخ بتاتی ہے کہ کفار کے خلاف بغاوت کی جو چمکاری ان کے سینوں میں دبی ہوئی تھی وہ بجھی نہیں تھی بلکہ حالات کے سنبھلنے تک دبا دی گئی تھی۔ اور ایسا بھی نہیں ہے کہ مجاہدین اسلام اس دور میں بے کار بیٹھے تھے، بلکہ وقت کے تقاضے اور ضرورت کے مطابق جو اور جیسی تیاری وہ کر سکتے تھے، کر رہے تھے، بس انہوں نے صرف اپنا طور طریقہ بدل لیا تھا۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس دور میں مجاہدین کا عسکری طور پر خاموشی اختیار کرنا بے سبب نہ تھا اور اس کے لیے انہیں مورد الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ ہاں البتہ اگر عوام کی بھرپور مدد اور حمایت ان کے ساتھ ہوتی اور دیگر مسلم ممالک بھی ہندوستان کو غلامی کے اس دور سے نکلنے میں مدد دیتے تو شاید تاریخ کا چہرہ کچھ اور ہوتا۔

اس موقع پر ایک اور بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ عام مسلمانوں کا دروس ہائے حدیث میں مشغول ہو جانا ایک مستقل دینی خدمت تو ہے لیکن جہاد نہیں، اگر وہ دعوت و تبلیغ کا کام شروع کر دیں تو وہ بھی دینی ضرورت ہے لیکن جہاد نہیں۔ کسی نے اگر اصلاح نفس کی سرگرمیوں میں حصہ ڈالنا شروع کر دیا تو یہ بھی ایک مطلوب دینی امر تو ہے مگر جہاد نہیں ہے، جیسے یہ تمام شعبے جہاد نہیں ہیں ویسے یہ شعبے اپنی عام حالت میں جہاد کی تیاری میں بھی شامل نہیں ہوتے لہذا یہ آیت کریمہ **وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ** کا مصداق بھی نہیں ہیں۔ مگر ہندوستان کے خاص اس دور کے تناظر میں بعد کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ان مجاہدین کی دروس ہائے حدیث میں مشغولیت اور دعوت و تبلیغ اور اصلاح و تزکیہ کی کوشش دراصل جہاد کے لیے راستے تلاش کرنے کی خاطر ہی تھی، وہ بظاہر ایسی سرگرمیوں میں خود کو مشغول ظاہر کرنا چاہتے تھے جو براہ راست برطانوی راج کو چیلنج نہ کرتی تھیں، بعد ازاں اسی تعلیم و تعلم اور دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں دو تین عشروں کے بعد ایسے کارنامے رونما ہوئے دو تین برسوں کی کوشش سے جن کا ہونا ممکن نہ تھا۔

اکابر علمائے کرام نے علاوہ از جہاد جن عنوانات کے تحت امارت اسلامیہ کے قیام کی خاطر جو کارنامے انجام دیے اور اس راہ میں جو کوششیں کیں ان کا مختصر جائزہ ہم پیش کرنے کی کوشش کریں گے، ان شاء اللہ۔

جہاد شاملی کے بعد

شاملی کے جہاد اور مغل سلطنت کے خاتمہ کے قریباً نو برس بعد میدان شاملی کے کامیاب مجاہد مولانا قاسم نانوتویؒ نے ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی۔ دارالعلوم میں دیگر علوم کے علاوہ تدریس حدیث کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ اس مدرسہ کے پہلے طالب علم محمود حسن ہیں جو بعد میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے نام سے مشہور ہوئے۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی

شیخ الہندؒ نے جہاد اور اقامت خلافت کی راہ میں جو کارنامے سرانجام دیے ان کا فکری سرچشمہ آپ میدان شاملی کے مجاہدین کو قرار دے سکتے ہیں۔ شیخ الہندؒ نے علمی بصیرت، فکری پختگی اور جذبہ جہاد براہ راست ان حضرات سے لیا جنہوں نے اپنی تمام طاقت و قوت میدان شاملی میں اللہ کے راستے میں پیش کر دی تھی۔ حضرت حاجی صاحب (م ۱۸۹۹ء)، مولانا گنگوہی (م ۱۹۰۵ء) اور مولانا قاسم نانوتوی (م ۱۸۸۰ء) رحمہم اللہ، ہر تین حضرات سے مختلف علوم دین سکھنے کا موقع حضرت شیخ الہندؒ کو ملا جس کی وجہ سے ان کی فکر اور طریق کار میں وہ شبہات اور اشتباہات داخل نہ ہو سکے جو جمہوریت کے فساد اور وطنیت اور عصبیت کی بلا کے ذریعے بعد کے سیاسی افکار میں داخل ہوئے۔

حضرت شیخ الہندؒ نے ۱۸۶۶ء سے ۱۹۰۵ء تک لگ بھگ چالیس سال کی طویل مدت تک ان صالح صحبتوں سے فیض اٹھایا جن کی تشکیل ٹھوس اسلامی خلافت کے قیام کے واحد طریق کار، جہاد اور قتال فی سبیل اللہ کی فکر سے ہوئی تھی، جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریق کار کے مطابق ڈھلی ہوئی تھیں، یہی وجہ ہے کہ ان شخصیات نے غاصب انگریز جیسی بڑی قوت کے خلاف لڑنے میں کوئی تاہل نہ کیا اور بے سروسامانی کی حالت میں بھی اپنے فرض سے غفلت گوارا نہ کی۔

ان صحبتوں کی برکت سے شیخ الہندؒ نے دروس ہائے حدیث، تزکیہ کی خانقاہوں اور دعوت و تبلیغ کے نام سے ۱۸۵۷ء کے بعد کی مدت میں، جسے ہم نے سکتہ کی مدت قرار دیا، اور جو دراصل سکتہ کی مدت نہ تھی بلکہ اس دور میں خفیہ طور پر گوریل طریق کار سے اقامت خلافت اور جہاد کی تیاری کی جارہی تھی، اپنا فرض انجام دیا۔

شیخ الہند کا طریق کار

بظاہر سکتہ کی ایک طویل مدت کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کا ظہور ہوا۔ اپنے اکابر کی قربانیوں کے ثمرات حاصل کرنے کے لیے انہوں نے بنیادی طور پر تین سمت پیش رفت کی۔ پہلا ہندوستان کے مسلمانوں کو کفار کے خلاف لڑنے کے لیے تیار کرنا، دوسرا اپنی روحانی اولاد یعنی اپنے شاگردوں میں دین کی اصل روح پھونکنا اور ان کو ان کی ذمہ داریوں اور فرائض سے آگاہ کرنا

اور تیسرا دنیا کے تمام مسلم ممالک کو ایک محاذ پر اکٹھا کر کے خلافت عثمانیہ کی اعانت اور کفار کے خلاف جہاد پر آمادہ کرنا۔ گویا یہی وہ میراث تھی جو آپ کو اپنے اکابر سے ملی اور یہی وہ چنگاری تھی جس سے آپ نے جہاد کی شمع جلائی تھی۔

شیخ الہند نے اپنے تینوں منصوبوں میں سے اول الذکر کے لیے آزادی ہند اور دوسرے کے لیے جمیعت الانصار کے عنوان کے تحت کام شروع کیا جب کہ تیسرے منصوبے کے لیے بیرونی ممالک کے سفر کیے۔ ان تینوں منصوبوں کا اجمالی خاکہ مختصر ملاحظہ فرمائیے۔

نزہۃ الخواطر کا بیان

شیخ الہند کے ان تینوں منصوبوں کا ایک اجمالی خاکہ آپ کو نزہۃ الخواطر کی اس جامع عبارت میں ملے گا:

وكان قد وضع خطة لتحرير الهند من حكم الإنجليز، كان يريد أن يستعين فيها بالحكومة الأفغانية والخلافة العثمانية، وهما لها جماعة من تلاميذه وممن يثق بهم من أصحابه، وكان في مقدمتهم المولوي عبيد الله السندي، وأرسله إلى أفغانستان، وكان الاتصال بينه وبين تلاميذه وأصحابه في الحدود الشمالية وفي أفغانستان، ولما تم لهم بعض ذلك ومهدوا الأرض للثورة واشتدت عليه الرقابة في الهند سافر إلى الحجاز سنة ثلاث وثلاثين وثلثمائة وألف، وأقام بمكة وقابل غالب باشا الوالي التركي سراً، ثم سافر إلى المدينة المنورة وقابل أنور باشا وزير الحربية وجمال باشا القائد العام للجيش العثماني الرابع حين زار المدينة المنورة، وفافوضهما في طرق إعانة المسلمين في الهند ونفي الإنجليز منه، وأخذ منهما رسالة سرية إلى الشعب الهندي، والوعد بتأييد القضية الهندية، وحمل أهل الهند على مساعدة الشيخ محمود حسن والاعتماد عليه، وأخذت صور هذه الوثيقة، وقرر تسريبها إلى الهند وأفغانستان بطريقة سرية، واشتهرت فيها بعد بالرسائل الحربية (ديشي رومال-قاسي) وصلت إلى الهند، وأراد الشيخ محمود حسن أن يصل إلى الحدود الشمالية الحرة بين أفغانستان والهند عن طريق إيران فسافر إلى الطائف، ورجع إلى مكة وأقام بها مدة، ودرس في صحيح البخاري وحج، وكان ذلك سنة أربع وثلاثين وثلثمائة وألف.

واكتشفت الحكومة الإنجليزية المؤامرة، وعرفت قضية الرسائل الحربية، فصرفت عنايتها إلى القبض على زعيم هذه الحركة وقطب رحاها (شيخ الهند محمود حسن-قاسي)، وكان الشريف حسين أمير مكة قد خرج عن الدولة المتبوعة العثمانية، وثار عليها بتحريض الدولة الإنجليزية فأوعزت إلى الشريف بإلقاء القبض عليه وتسليمه إلى الحكومة الإنجليزية، فألقي القبض عليه في صفر سنة خمس وثلاثين وثلثمائة وألف، ومعه المولوي حسين أحمد الفيض آبادي والحكيم نصرت حسين الكوروي والمولوي عزيز گل والمولوي وحيد أحمد، وسفر هؤلاء في الثامن عشر من ربيع الأول

سنة خمس وثلاثين وثلثمائة وألف إلى مصر ومنها إلى مالطه حيث وصلوا سلخ ربيع الآخر سنة خمس وثلاثين وثلثمائة وألف. نزهة الخواطر لعبد الحي الحسني المتوفى سنة 1341هـ، ص: 1378، دار ابن حزم بيروت، الطبعة الأولى 1420هـ 1999ع

نزہۃ الخواطر کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پہلے ہندوستانی مسلمانوں کے دل میں تسلط کفار کے خلاف جذبہ جہاد بیدار کرنے کی کوشش کی پھر اس کو ایک خاص ترتیب میں لاکر اصل مقصد کو نبوی طریقہ اور ماثور طریقہ پر وجود میں لانے کے لیے مجاہدین کی تشکیل کی، افغانستان اور سرحدی علاقوں سے اپنے شاگردوں اور محبین کے ذریعہ یہ کام آگے بڑھانے کی کوشش کی، کفار کے خلاف انہوں نے ان دونوں محاذوں کو ایک حد تک تیار کرنے کے بعد بیرون ممالک کا سفر شروع کیا اور اس سلسلہ میں عالم اسلام کے زعماء اور قائدین سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی، خاص طور پر خلافت عثمانیہ ترکیہ جو اس وقت دنیا کی سب سے بڑی اسلامی حکومت اور دارالاسلام تھی، اس کے ذمہ دار حضرات سے رابطہ کرنے کے لیے خاص طور پر کوشش کی اور ایک معتد بہ حد تک آپ اپنی کوششوں میں کامیاب بھی ہوئے، عثمانی خلافت کے بااثر ذمہ داروں سے آپ نے ملاقات کی، سارے حالات پیش کیے، اپنے منصوبے اور فکر و ترحیب کا خاکہ پیش کیا، دونوں طرف سے متحدہ طور پر کام کرنے کا فیصلہ ہوا، مسلمانوں کے اس عالمی مسئلہ کو حل کرنے کے لیے اور اس فریضہ منصبی کی ادائیگی کے لیے عالمی سطح پر اور عالمی محاذ پر کام شروع ہوا، جس کی تفصیل آپ کو سوانح شیخ الہند کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں ملے گی نیز مولانا حسین احمد مدنی کی کتاب نقش حیات میں بھی اس کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔

غدار اور منافقین ہر جگہ ہوتے ہیں

نزہۃ الخواطر کی عبارت سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ غداروں کی غداری کی وجہ سے یہ سارے منصوبے انگریز کے ہاتھ لگ گئے اور اس عالمی فکر کے روح رواں شیخ الہند کو گرفتار کرنے کے لیے انگریز نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ غداروں نے کفار کی پوری پوری مدد کی۔ امیر مکہ شریف حسین نے انگریز کے اشارے پر شیخ الہند کو گرفتار کر کے انگریز کے حوالے کر دیا جنہوں نے انہیں طویل مدت تک جزائر مالٹا میں قید رکھا۔

بات مختصر کرنا چاہتا ہوں لیکن موضوع کچھ ایسا ہے کہ کچھ باتیں کیے بغیر حالات کی صورت واضح کرنا ذرا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ مالٹا میں شیخ الہند کے ساتھ دیگر علمائے کرام بھی اسارت کی زندگی گزار رہے تھے، ان علماء میں سر فہرست مولانا حسین احمد مدنی ہیں جو اپنے شیخ کے ساتھ مالٹا میں اسیر رہے۔

۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۰ء کے دوران مالٹا کی یہ اسارت قریباً تین سال پر مبنی تھی۔ یہ زمانہ شیخ الہند کی زندگی کا آخری مرحلہ تھا اور فیصلہ کن بھی جس میں آپ اپنی زندگی کی تمام تر کوششوں کو ایک نتیجہ کی طرف لے جانا چاہتے تھے۔ ایک عالمی ذمہ دار کی حیثیت سے اپنے ملک کے عام مسلمانوں کو کفار کے خلاف ابھار کر، اپنے شاگردوں اور متعلقین کو کفار کے خلاف جہاد کرنے کے لیے ایک خاص ترتیب میں لاکر اور دنیا کے دوسرے ممالک کے بااثر ذمہ داروں کو اس

طرف متوجہ کر کے ایک عالمی منصوبے اور خاکے کو عملی جامہ پہنانے کے مرحلے میں جدوجہد کرتے کرتے قید ہو گئے، حالت قید میں بھی جہاں تک ممکن ہو خود بھی اس فکر کے فروغ کے لیے کام کرتے رہے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے رہے۔

شیخ الہند کی فکر اور ان کی جدوجہد پر نظر ڈالیں تو نبوی طریقہ کی جھلک اس میں دکھائی دے گی۔ اپنی سوچ و فکر میں پوری امت کی ذمہ داری وہ اپنے کاندھوں پر محسوس کرتے تھے اور اسی کے سبب سب کو ساتھ لے کر وہ چلے۔ ایسا شخص کبھی حالات کے رد و بدل سے متاثر نہیں ہوتا اور بڑی سے بڑی طاقت و قوت سے گھبراتا نہیں۔

قید سے رہائی کے چند ماہ بعد مختلف بیماریوں کے هجوم کا مقابلہ کرتے کرتے آپ انتقال فرما گئے۔ آپ نے اپنے پیچھے اعلائے کلمۃ اللہ، اقامت خلافت اور دارالہرب کو پھر سے دارالاسلام میں تبدیل کرنے کی خاطر جہاد کا ایک قابل اتباع نمونہ چھوڑا۔ اللہ ان کے تمام مساعی جلیلہ کو قبول فرمائے۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

بقیہ: سلطانی مجبور

”عمیر کا کہنا ہے کہ بنک میں اتنی رقم نہیں جو اباجی کے علاج کے لیے کافی ہو..... مزید قرضے کا بھی وہ انتظام نہیں کر سکتا..... اس کے بقول وہ پہلے ہی گھریلو معاملات کے لیے بنک اور دوستوں سے بہتیرا قرضہ لے چکا ہے۔“

”ہوں..... یعنی بہ الفاظ دیگر ہم اباجی کے علاج کے لیے عمیر سے کوئی امید نہ رکھیں، جو بھی کرنا ہے خود ہی کرنا ہے؟“ عثمان صاحب بین السطور مفہوم تک پہنچنے میں تیز تھے۔

”عثمان..... یہ کیسے ممکن ہے کہ آمدن اور لوگوں سے لیے ہوئے قرضوں کے باوجود عمیر کے پاس گنجائش نہ ہو..... ہمیں اس سے بات کرنی چاہیے،“ ابو بکر صاحب پریشانی سے بولے۔

”رہنے دیں بھائی جان..... تمام ریکارڈ اور تمام فائلوں میں حساب آخری ہند سے تک درست ہو گا..... آپ کو سب فائلیں ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر اور پاک صاف ملیں گی..... کیونکہ ان میں پہلے ہی نہایت مہارت سے ہاتھ کی صفائی دکھائی جا چکی ہے..... لہذا یہ تسلیم کر لیں کہ عمیر سے کوئی بھی توقع رکھنا بیوقوفی ہے۔ آپ جانتے ہیں ڈاکٹر کہہ رہے تھے کہ جلد آپریشن نہ کیا گیا تو اباجی کے کومے میں جانے کا خطرہ ہے، اور اگر وہ کومے میں چلے گئے تو ریوٹول مزید مشکل اور پیچیدہ ہو جائے گا۔ اس لیے ہم نے جو بھی کرنا ہے، جلد از جلد کرنا ہے.....“

”تو پھر..... یہی چارہ رہ جاتا ہے کہ امی جان کے نام پر جو اکاؤنٹ کھلوا تھا اس میں سے پیسے نکال لیے جائیں..... کتنی اماؤنٹ ہو گی اس میں عثمان..... پندرہ لاکھ تک تو ہو گی یقیناً؟“، ابو بکر صاحب اپنی خواہش کے خلاف عثمان صاحب سے پوچھ رہے تھے۔ اس اکاؤنٹ میں وہ تینوں

بھائی نہایت خاموشی اور راز داری سے پیسے جمع کر رہے تھے کہ ان کی خواہش تھی کہ اپنی مرحومہ والدہ کی جانب سے کوئی مسجد یا مدرسہ تعمیر کریں، جو ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے بھی صدقہ جاریہ بن جائے۔

”اس سے زیادہ ہی ہونے چاہئیں..... کم از کم بھی بائیس لاکھ تو تھے،..... آخری دفعہ جب میں نے چیک کیا..... کیوں جاوید؟“ عثمان صاحب نے استغہامیہ نظروں سے جاوید صاحب کی طرف دیکھا۔ جاوید صاحب ایک گہری سانس لیتے ہوئے قریب رکھی کرسی پر ڈھسے گئے۔ انہوں نے بے بسی اور بد بختی سے سرنفی میں ہلاتے ہوئے غم سے چور انداز میں جواب دیا:

”کچھ بھی نہیں ہے بھائی!..... میں نے عمیر کا جواب سنتے ہی وہ اکاؤنٹ چیک کیا..... مگر وہ خالی پڑا ہے۔ محض چند ہزار روپے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے اس میں.....!!“

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

بقیہ: سوشل میڈیا کی دنیا سے

یہ ہے ہمارا پاکستان..... بلکہ دراصل ان کا پاکستان!

فانی لاڑی الفتن تنقہ خلال بیوتکم کو قع القطر..... محرم طلال نے لکھا

یہ حقیقت ہے کہ موجودہ دور میں کسی کے جنازے میں لوگوں کی آئی بڑی تعداد سے مرعوب نہ ہوں، نہ اس کو حق پر ہونے کی دلیل سمجھیں۔

اس کے برعکس ہم ایسے دور میں زندہ ہیں جب اہل حق کے جنازے رات اندھیروں میں اٹھائے جارہے ہوں اور ہمیں انکی قبر کے مقام تک کی خبر نہ ہو.....

احساس شکست بھی ایک نعمت ہے..... شیخ حامد کمال الدین نے لکھا

استعمار کے دور اول میں ہند تو ہمارے ہاتھ سے نکل گیا لیکن ہمارے معیار بچ گئے۔ احساس شکست بھی ایک نعمت ہے اور ایک نئے سرے سے اٹھ کھڑا ہونے کیلئے ایک بڑا محرک ہے۔

کہیں اس دور میں ہمارا یہ ’قومی میڈیا‘ ہوتا۔۔۔ تو میر جعفر اور میر صادق ہمارے قومی ہیرو ہوتے اور ہماری تاریخ کے محسن؛ کوئی شکست اور کونسا نقصان!!!

آپ کے بچے آج تک میسور اور سرنگاپٹم کو رو لیتے ہیں تو اس کی وجہ یہ کہ آپ کی پچھلی نسلیں فاتح کے زاویہ نگاہ سے نہیں سوچتی تھیں۔ ذرا آپ اندازہ کر سکتے ہیں اس وقت آپ کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟

خوارج کو پہچانے!!!

شیخ سردار ولی شہید رحمہ اللہ (ترجمہ و حواشی: ابو عمر عبد الرحمن*)

باہر کی وہ دین دشمن طاقتیں ہیں جو افغانستان میں جہاد کے ثمرات ضائع کرنا چاہتی ہیں اور یہاں ایک دفعہ پھر دین دشمن نظام لانے کے خواب دیکھتی ہیں۔

شیخ سردار ولی رحمہ اللہ کی ایسی شہادت کسی بڑے مجاہد عالم دین کی اول یا آخری شہادت نہیں تھی، داعش کی طرف سے علمائے کرام، مجاہدین عظام اور افغانستان کی غیرت دین سے سرشار عوام کے خلاف کارروائیوں کا ایک طویل سلسلہ ہے جو تاحال جاری ہے۔ ابھی تک ان حملوں میں شیخ سردار ولی، شیخ رحیم اللہ حقانی اور شیخ مجیب الرحمن انصاری جیسے مشائخ عظام سمیت اہل ایمان و جہاد کی ایک بڑی تعداد شہید ہو گئی ہے، اور حیران کن حد تک اپنے پیش رو خوارج کے نقش قدم پر چلتے ہوئے موجودہ حروریوں کے بھی اول نشانے پر چونکہ مؤمنین مصلحین اور علمائے کرام و مجاہدین ہیں اس لیے ان کے حملوں کے اہداف میں بھی سرفہرست مقامات

مساجد، مدارس اور پھر عوامی اجتماعات ہیں۔ ذیل میں ہم شیخ سردار ولی رحمہ اللہ علیہ کے خوارج کے خلاف سلسلہ دروس سے ایک مقطع ”خوارج اوپیڈونی“ (خوارج کو پہچانو!) کا ترجمہ پیش کرتے ہیں اور بعض حواشی بھی اس پر درج کرتے ہیں تاکہ اس تحریر کی

رسول اللہ ﷺ نے خوارج کے متعلق بہت خطرناک وعیدیں سنائی ہیں، انہیں کلاب اہل النار (جہنم کے کتے) کا نام دیا ہے، ان کے بارے میں ’اسلام سے یہ ایسے نکل گئے جیسا کہ تیر شکار سے نکل جاتا ہے‘، کہا ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر آپ ﷺ نے انہیں پایا تو انہیں عادی و شمود کی طرح قتل کریں گے۔

روشنی میں خوارج عصر کا قبیح چہرہ پہچانا جائے، ان کے متعلق کسی قسم کی خوش گمانی سے بچا جائے، ان سے مکاحقہ نفرت و عداوت رکھی جائے اور ہر سطح پر ان کے ساتھ مقابلہ کیا جائے، یہ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق بہت خطرناک وعیدیں سنائی ہیں، انہیں کلاب اہل النار (جہنم کے کتے) کا نام دیا ہے، ان کے بارے میں ’اسلام سے یہ ایسے نکل گئے جیسا کہ تیر شکار سے نکل جاتا ہے‘، کہا ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر آپ ﷺ نے انہیں پایا تو انہیں عادی و شمود کی طرح قتل کریں گے، نیز یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ قرآن پڑھیں گے مگر ان کے حلق سے قرآن نیچے نہیں اترے گا، یعنی انہیں اس کا فہم نصیب نہیں ہو گا اور یہ بھی احادیث میں وارد ہے کہ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر سب سے بدترین قتل ہونے والے مقتولین خوارج ہیں اور بہترین شہداء وہ ہیں جو خوارج کے ہاتھوں شہید ہوں۔ اس تحریر کا دوسرا مقصد یہ ہے، کہ یہ مقطع چونکہ خود شیخ سردار ولی رحمہ اللہ کے سلسلہ بیانات سے لیا گیا ہے، اس لیے اس سے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ شیخ رحمہ اللہ کے دشمن کون تھے؟ ظاہر ہے شیخ نے اپنے بیان میں جن گمراہوں کی صفات قبیحہ بیان کی ہیں انہیں ظالموں نے ہی بالآخر شیخ کو

[شیخ سردار ولی رحمۃ اللہ علیہ افغانستان کے مشہور و معروف اور صاحبِ خیر و حق گو سلفی عالم تھے۔ داعش کا فساد جب مسلمانوں پر حملوں کی صورت میں بڑھنے لگا، جہاد کے ثمرات کو جس سے خطرہ لاحق ہوا اور داعشی فساد، مسلک اہل حدیث کی آڑ لے کر یہاں بین الممالک جنگ پیدا کرنے کا امر کی ایجنڈا پورا کرنے لگے تو ایسے میں شیخ رحمہ اللہ نے ’رد الحارجیہ‘ کے نام سے سلسلہ دروس شروع کیا اور خوارج کی وہ صفات بیان کیں جو ہر اُس فرد کو گروہ داعش میں بدرجہ اتم نظر آرہی تھیں جو اس گمراہ گروہ کے افعال و افکار کا تھوڑا سا بھی علم رکھتا تھا۔ صرف یہ نہیں بلکہ شیخ رحمہ اللہ امارت اسلامی کے بڑے حامی و مؤید تھے اور اپنی اس تائید و حمایت کو علی الاعلان ظاہر بھی کرتے تھے۔ یہ داعش کو قبول نہیں تھا، داعش نے اپنے رسمی اعلانات میں افغانستان کے علمائے کرام، بالخصوص امارت کی تائید کرنے والے علماء کو ڈرایا دھمکایا کہ وہ

امارت کی تائید سے ہاتھ کھینچ لیں، ورنہ کسی کی بھی جان بخشی نہیں ہوگی اور بری طرح مارے جائیں گے۔ شیخ رحمہ اللہ پر ان دھمکیوں کا اثر نہیں ہوا، بلکہ جب امارت اسلامی کی تائید و ترشید کے لیے کابل میں ملک بھر سے ہزاروں علمائے کرام کی کانفرنس منعقد ہوئی تو شیخ سردار ولی رحمہ اللہ

نے بھی اس میں شرکت کی، امارت اسلامی کی حمایت کا ایک دفعہ پھر اظہار کیا اور امیر المومنین شیخ حبیب اللہ حفظہ اللہ کے ساتھ بیعت کی بھی تجدید کی۔ یہ وہ حقائق ہیں کہ جن کی کوئی تردید نہیں کر سکتا۔ مذکورہ کانفرنس کے ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ شیخ رحمہ اللہ کو بڑی بے دردی کے ساتھ انتہائی وحشیانہ انداز سے، خنجروں کے ستائیس وار کر کے شہید کر دیا گیا۔ شیخ کی شہادت پر امارت اسلامی کے قائدین اور جنود سو گوار ہوئے۔ امارت کے ترجمان نے کھل کر اس جرم قبیح کی مذمت کی اور بتایا کہ اس واقعے سے امارت اسلامی اپنے ایک بڑے عالم اور حامی و مؤید شیخ سے محروم ہوئی، نیز یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ ان خوارج عصر کا بزدلانہ اقدام ہے جو دین دشمن قوتوں کے ہاتھوں آج کھلونہ بنے ہوئے ہیں۔ اللہ کا فضل رہا کہ امارت کے جنود نے طویل کوشش و محنت کے بعد شیخ کے بعض قاتلین تک رسائی حاصل کی، انہیں گرفتار کیا اور ان سے ملنے والی معلومات سے جہاں یہ بات یقین تک پہنچ گئی کہ شیخ کی شہادت ان خوارج عصر کے ہاتھوں ہوئی وہاں اس بات کے بھی قوی شواہد مل گئے کہ داعشیوں سے یہ جرم کرانے والے

شہید کر دیا، اللہ شیخ کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور ہمیں فتنوں کے اس دور میں حق پہچاننے اور اس کا ساتھ دینے کی توفیق دے، آمین۔ (ابو عمر عبد الرحمن)

کون دائرہ اسلام سے نکلا اور کون نہیں؟ یہ فیصلہ کرنا یا اس پر زبان کھولنا تکفیر ہے اور یہ کام صرف اور صرف راسخ علمائے کرام کا ہے۔ یہ اُن لوگوں کا کام ہے جو قرآن و سنت کا گہرا علم رکھتے ہوں، ہر کس و ناکس کا کام یہ قطعاً نہیں ہے کہ کبھی ایک کے بارے میں اعلان کرے کہ یہ کافر ہے اور کبھی دوسرے کے بارے میں کہے کہ یہ اسلام سے خارج ہے۔ خوارج کی ایک نشانی یہ ہے (کہ وہ بغیر علم، تحقیق اور اہلیت کے لوگوں کی تکفیر کرتے ہیں)، دوسری نشانی، آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”چھوٹی عمر کے لڑکے ہوں گے“ زیادہ تر نوجوان ہوں گے، آج بھی انہیں دیکھیں (اکثریت کم عمروں کی ہوگی)..... اس طرح فرمایا ”سَفْهَاءُ الْاَحْلَام“، ”کمزور عقول والے ہوں گے“، (اس میں ان کے چھوٹے بڑے سب برابر ہیں!) بغیر سوچ کے بس ٹھک سے فتویٰ

لگائیں گے، اور ایسی بات کریں گے کہ فرمایا ”قول البریۃ“ تمہیں گمان ہو گا کہ اس کی بات بڑی اچھی ہے، کہیں گے بس ہم قرآن و حدیث پر فیصلہ کریں گے، قرآن و حدیث کے سوا دوسری کوئی چیز نہیں مانیں گے، اور آپ ﷺ نے فرمایا ”عالم نہیں ہو گا مگر اپنا آپ عالم دکھائے گا۔“ علماء کی محفل میں بیٹھے گا اور آپ اگر اس کے سامنے کوئی آیت سنائیں یا کوئی حدیث ذکر کریں، تو اس کی ایسی توجیہ پیش کرے گا کہ جیسے یہ بہت بڑے مدرسے سے فارغ ہے، حالانکہ حقیقت میں جاہل ہو گا اور بس لوگوں کو اپنا آپ عالم دکھائے گا۔ آگے فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے خلاف جنگ و قتال کے لیے ہر دم تیار ہو گا، جبکہ یہود و نصاریٰ اور (ہنود و مشرکین) کو بری نگاہ سے بھی نہیں دیکھے گا۔ کسی مسلمان سے اگر کوئی خطا ہو جائے، کوئی غلط

¹ تاریخ طبری نے حضرت عبد اللہ بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شہادت کا یہ دردناک واقعہ کچھ اس طرح بیان کیا ہے: ”خوارج اصرار سے چلے، جب وہ نہر کے قریب پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص عورت کو گدھے پر لیے جا رہا ہے، یہ لوگ اس کے پاس پہنچے اور اسے ڈانٹ ڈپٹ کی اور خوف زدہ کیا۔ پھر اس شخص سے سوال کیا ”تم کون ہو؟“ اس شخص نے کہا ”میں عبد اللہ بن خطاب، رسول اللہ ﷺ کا صحابی ہوں“ یہ کہہ کر عبد اللہ نے زمین پر سے اپنے کپڑے اٹھالے جو گھبراہٹ میں زمین پر گر گئے تھے۔ خوارجوں نے سوال کیا ”کیا تم ہم سے ڈر گئے تھے؟“ عبد اللہ نے جواب دیا ہاں، خوارجوں نے کہا ”آپ ڈریے نہیں، آپ ہم سے وہ حدیث بیان کیجیے، جو آپ نے اپنے والد سے سنی ہے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے، شاید اللہ تعالیٰ اس حدیث کے ذریعہ ہمیں کوئی فائدہ پہنچائے“ عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”مجھ سے میرے والد خطاب نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ عقیقہ ایک فتنہ واقع ہو گا، جس میں انسانوں کے قلوب ایسے ہی مردہ ہو جائیں گے جیسے کہ اس فتنے میں انسانوں کے اجسام ختم ہو جائیں گے، ایک شخص شام کے وقت مومن ہو گا لیکن فتنے کی وجہ سے صبح کافر ہو گا اور اگر وہ اس

قدم اٹھ جائے تو فوراً کہے گا ”یہ کافر ہو گیا، غرق ہو گیا۔“ یہ ان کی علامات ہیں..... لوگوں میں (اہل ایمان کے خلاف) بدگمانیاں پیدا کریں گے، آپ کسی کے ساتھ (کسی ضروری کام سے) بیٹھے ہوں گے، یہ اشتہار لگائے گا کہ دیکھا نہیں! وہ آدمی فلاں، لوگوں کے پاس گیا تھا، ان کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا، بھئی یہ بھی بس انہیں میں سے ہو گیا، (پشتو میں: داپہ کی ہُم لادو)، اس سے بھی ایمان نکل گیا، اگلی علامت، انوکھاری کریں گے، کبھی ایک مسلمان کا بچہ انوکھاریں گے اور تاوان مانگیں گے تو کبھی دوسرے کا، خواب ابن ارت رضی اللہ کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو انہوں نے اٹھایا اور کہا کہ تم اس گروہ میں کھڑے ہو تم کافر ہو، راستے میں جب انہیں لے جا رہے تھے، تو زمین پر ایک کھجور درخت سے گری پڑی تھی، ایک خارجی نے اسے اٹھا کر منہ میں ڈالا، دوسرے نے کہا ”تھو کو، پھینکو!!“..... ”مشتبہ مال ہے، پیٹ میں حرام چلا جائے گا“..... واہ! کس درجہ کے یہ

کون دائرہ اسلام سے نکلا اور کون نہیں؟ یہ فیصلہ کرنا یا اس پر زبان کھولنا تکفیر ہے اور یہ کام صرف اور صرف راسخ علمائے کرام کا ہے۔

”متقی“ تھے!! کتنے بڑے ”بزرگ“ تھے؟!..... یہ ان کی ”پرہیز گاری“ تھی کہ کھانے پینے میں چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھتے

تھے!! آج بھی اگر کسی کا کھانا آتا ہے تو کہتے ہیں، یہ مت کھاؤ، یہ آدمی فلاں جگہ کام کرتا ہے، اس کا کھانا نہیں کھانا!!!!!! (کسی کے مال یا کھانے کا مشتبہ ہونا اگر یقینی ہو تو یہ اچھی صفت ہے مگر یہ ”یک رخا“ تقویٰ ہے، اس لیے کہ ایک طرف اتنا تقویٰ اور دوسری طرف مسلمانوں کے حقوق کے معاملے میں اکبر الکبائر سے بھی نہیں رکتے، عہد شکنی، غیبت، تکفیر مسلم، مسلمانوں کا ناحق خون بہانے اور ان پر ظلم کرنے جیسے سارے گناہ اپنے لیے جائز بلکہ کارِ ثواب سمجھتے ہیں، شیخ آگے فرماتے ہیں:) تو عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو جب نہر کے کنارے لٹا دیا اور خنجر نکال کر ان کے گلے پر رکھ دیا، تو انہوں نے فرمایا ”عجیب پرہیز گار ہو! مشتبہ کھجور نہیں کھاتے ہیں اور مجھے ذبح کرتے ہو؟ حالانکہ میں مسلمان اور صحابی رسول ہوں“ ظالموں نے کچھ نہیں سنا اور حضرت عبد اللہ ابن خطاب رضی اللہ عنہما کو لٹا کر ذبح کر دیا۔ بہت ضروری ہے کہ ہر معاملے میں تحقیق

فتنہ کی وجہ سے صبح کو مومن ہے تو شام کو کافر ہو جائے گا“ خوارجوں نے کہا ”ہم تم سے یہی حدیث معلوم کرنا چاہتے تھے، اچھا یہ بتاؤ، ابو بکر و عمر کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟“ عبد اللہ بن خطاب نے ان دونوں بزرگوں کی تعریف کی۔ خوارجوں نے پھر پوچھا کہ حضرت عثمان کے ابتدائی اور آخری دور کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت عبد اللہ بن خطاب نے فرمایا ”وہ شروع دور میں بھی حق پر تھے اور آخری دور میں بھی“ خوارجوں نے پھر سوال کیا ”علی بن ابی طالب کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ تحکیم سے قبل کیسے تھے اور تحکیم کے بعد ان کے دین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟“ حضرت عبد اللہ نے فرمایا ”وہ اللہ کو تم لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں اور تم لوگوں سے زیادہ دین کے بیروکار ہیں اور تم لوگوں سے زیادہ بصیرت کے مالک ہیں“ اس بات پر خوارجوں نے کہا ”تم اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہو اور مشہور لوگوں کے ناموں کو بس دیکھ کر ان سے محبت کرتے ہو اور تم ان کے افعال کو نہیں دیکھتے، خدا کی قسم ہم تمہیں ایسی ہی طرح قتل کریں گے کہ آج تک کسی نے اسی طرح قتل نہیں کیا ہو گا، پھر خوارجوں نے انہیں باندھا..... انہیں نہروان کے کنارے لے گئے اور شہید

ہو، کوئی کافر ہے یا نہیں؟..... یہ فیصلہ آسان نہیں! بھائی تم عالم ہو، کیا تم اس فیصلے کے اہل ہو یا نہیں؟ کس فرد کے متعلق بدگمانی جائز ہے اور کس کے بارے میں ناجائز ہے؟ کسی سے مال چھینتے ہو، تو بھائی کیوں چھینتے ہو؟ (کیا اس کا مال تمہارے لیے حلال ہے؟) مسلمانوں کے بچوں کو اغوا کرتے ہو اور پھر اطلاع دیتے ہو، اتنا مال بھیج دو، فلاں چیز دے دو!! یہ باتیں خوارج نے شروع کی تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں سمجھانے کے لیے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بھجوایا، حروری کے علاقے میں یہ سارے جمع تھے۔ علی رضی اللہ عنہ نے انہیں بھجوایا کہ انہیں سمجھائیں، عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے۔ ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ جب آپ ﷺ دنیا سے رحلت کر گئے تو آپ کی عمر تیرہ یا پندرہ سال تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں عادی تھی کہ اللہ اسے قرآن و سنت کا عالم بنادیں۔ عمر رضی اللہ عنہ انہیں اپنے ساتھ بٹھاتے، کیوں کہ اللہ نے انہیں قرآن کا فہم دیا تھا۔ جبرائیل علیہ السلام کو انہوں نے تین دفعہ دیکھا ہے۔ اللہ کے خوف سے اتنا روتے تھے کہ آنسو بہنے کی وجہ سے آنکھوں کے نیچے کی جگہ پر انے چڑے جیسی ہو گئی تھی۔ ایک ہزار چھ سو ساٹھ احادیث ان سے مروی ہیں، اللہ نے انہیں انتہائی عظیم شان دی تھی، تو جب یہ ان کی طرف روانہ ہوئے تو اچھے کپڑے آپ نے زیب تن کیے۔ جیسے اُس علاقے میں داخل ہوئے تو حوروں نے دیکھتے ہی کہا ”واہ واہ ابن عباس! یہ کیا پہنا ہوا ہے؟“ (اچھے کپڑوں پر اعتراض

کر دیا گیا۔ ان کا خون نہر میں جوتے کی تسے کی صورت میں ایک دھار کی شکل میں بہہ رہا تھا، جبکہ ان کی عورت کو، جو عنقریب بچہ جنم والی تھی کو بھی پکڑ کر لے گئے، ان کا پیٹ چاک کیا اور پیٹ میں جو بچہ تھا اُسے نکال پھینک دیا۔“ (طبری جلد سوم)

سبحان اللہ اور استغفر اللہ، آج اور کل کے خارجیوں میں کس قدر مماثلت ہے!! کل بھی یہ الزام لگاتے تھے کہ شخصیات کے ساتھ ان کی شہرت کے باعث تم محبت کرتے ہو جبکہ شخصیات کے اقوال و افعال کو نہیں دیکھتے ہو اور آج بھی اگر ان کے ہوائے نفس کے خلاف کسی متقی، عالم اور مجاہد شخصیت کا قول انہیں سناؤ تو یہی ان کا جواب ہوتا ہے۔ راقم کے ساتھ فتنہ داعش کے آغاز میں، وزیرستان کے دور میں ایک داعشی نے بحث کی، وہ شیخ امین الظواہری کو گمراہ کہہ رہا تھا (اور بعد میں، بہت جلد اس گروہ نے شیخ کی تکفیر بھی کی، نعوذ باللہ)، میں نے اس کے جواب میں شیخ امین کا موقف اس کے سامنے رکھا اور شیخ کا دفاع کیا، اُس نے ٹھک سے کہا ”انتم تعبدون ایمن الظواہری ونحن لا نعبد إلا الله“..... ”تم لوگ امین الظواہری کی عبادت کرتے ہو، جبکہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے ہیں!!“

آج کے خوارج بھی جب کسی کو قتل کرتے ہیں تو عمل قتل فن سمجھ کر، بد سے بدتر اور انتہائی دردناک انداز اس میں اپناتے ہیں، کیفیت قتل سے محظوظ ہوتے ہیں اور اس میں خون کا جسم سے نکلنے اور پانی میں بہاؤ کی باقاعدہ ویڈیوز بنا کر تشہیر کرتے ہیں جبکہ کل بھی حضرت عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہ ان کی خاتون کے پیٹ سے بچہ نکال کر بے دردی سے قتل کیا اور آج بھی افغانستان میں مشائخ عظام، عالی قدر مجاہدین، طلبائے علم دین اور معصوم بچوں کو یہ نیکی سمجھ کر قتل کر رہے ہیں، شیخ رحیم اللہ حقانی رحمہ اللہ کے ساتھ گود میں ان کا چھوٹا بچہ تھا (اور دیگر چھوٹی چھوٹی عموں کے بیٹے بھی تھے) جبکہ طلباء و مجاہدین کو تفسیر

کیا)..... آج بھی بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو بہت بڑے بزرگ اور پرہیز گار سمجھتے ہیں، کہ اگر کوئی اچھے کپڑے پہنے، اچھی گاڑی استعمال کرے، تو کہیں گے، ”بھئی یہ بہت اسراف کرتا ہے، ویسے اس گاڑی کی کیا ضرورت تھی؟ اس گھر کی کیا حاجت تھی؟ ایسے جوتے یہ کیوں استعمال کرتا ہے؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بھی کہا کہ ایسے کپڑے کیوں پہنتے ہیں؟ انہوں نے ایسے سادہ لوگوں کو اپنے ساتھ ملایا تھا جو بس ٹھک فتنے لگاتے تھے، بارہ ہزار افراد جمع ہوئے تھے، ان کے فتوؤں اور بدگمانیوں کا یہ حال تھا۔ جبکہ اسلام ہمیں تحقیق کا پابند کرتا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے، ”فرماتے ہیں، اپنے آپ کو لال بیگ مت بناؤ کہ جس طرف ایک رخ کرتا ہے دوسرے بھی اُس طرف چل پڑتے ہیں، علم و تحقیق سے کام لیا کرو کہ یہ مسئلہ ایسا ہے یا نہیں، اس کیفیت پر بات ہونی چاہیے یا نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”میرے کپڑوں کی فکر نہ کرو، آپ ﷺ نے اس سے بھی اچھا جوڑا پہنا تھا، مقصد کی بات کرو تا کہ مشکل حل ہو۔“ خوارج نے کہا ”ہم تمہارے ساتھ مذاکرات کرتے ہیں، مگر مرجع صرف قرآن و حدیث ہو گا، کوئی دوسری چیز بیچ میں نہیں لاؤ گے“¹ اور اس کے مطابق یہ دونوں گروہ کافر ہو گئے ہیں ”کہا ”علیؑ بھی (نعوذ باللہ من ذالک) کافر ہے اور معاویہؓ بھی کافر ہے“²۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ”اپنے بڑوں کو آگے کرو، ان کے ساتھ بات کرتا ہوں، میں بھی قرآن و حدیث سے ہی جواب دوں گا، بے فکر رہو، کوئی اور چیز بیچ میں نہیں لاؤں

قرآن پڑھا رہے تھے جب خارجی نے اپنا آپ کو اڑایا اور شیخ اور ان کے چھوٹے بچے سمیت درجنوں طلباء کو شہید کیا اور شیخ کے دیگر بیٹوں سمیت درجنوں ہی کو زخمی بھی کیا۔ کل بھی خوارج کے ہاں اسلام و کفر اور زندہ چھوڑنے یا قتل کرنے کا فیصلہ بس چند بے کار اور فضول قسم کے سطحی سوالات کے بعد ہوتا تھا، آج بھی آپ کفر و اسلام ثابت کرنے کے لیے ان کی بحثیں سنیں، انٹرنیٹ پر ان کی گفتگو کبھی ملاحظہ کریں، یعنی وہی انداز اور وہی فساد ہے!

اعبرت کی بات ہے کہ یہ صفت بھی آج کے خوارج میں بدرجہ اتم موجود ہے، ان کا بھی دعویٰ ہے کہ یہ صرف قرآن و حدیث کی دلیل مانتے ہیں اور صرف اس پر عمل کرتے ہیں، گویا ان کے ہاں فقہائے امت کا کام کوئی قابل التفات نہیں، حالانکہ فقہاء بھی قرآن و حدیث ہی کی بات کرتے ہیں، اور انہوں نے وہیں سے ہی مسائل اخذ کیے ہیں، بس فرق یہ ہے کہ علم، اہلیت اور تقویٰ کے ساتھ مسائل اخذ کیے ہیں اور یہ بغیر علم، بغیر اہلیت اور بغیر تقویٰ کے خود فقہائے عصر بن کر مسائل اخذ کرتے ہیں، حالانکہ فقہاء کا علم، فہم، تقویٰ اور زمانہ آج کے دور والوں سے بہت زیادہ اچھا تھا بلکہ دونوں کے بیچ کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ فقہاء کے ذخیرہ علم سے انکار کر کے دراصل پھر یہ قرآن و حدیث سے کھینچ کر اپنے مقصد کا مطلب نکالتے ہیں جو درحقیقت ہوائے نفس کی اتباع کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ خوارج عصر کے ہاں دوسرا طریقہ بھی ہے، وہ یہ کہ ان میں سے بعض فقہاء کا انکار تو نہیں کرتے ہیں، مگر پوری فقہ میں کوئی ایک شاذ قول اٹھاتے ہیں، اس کو اپنا معنی پہناتے ہیں اور کہتے ہیں، ہم بھی تو فقہاء کی پیروی کرتے ہیں، حالانکہ جو مطلب یہ اس ایک قول سے لیتے ہیں، اس کا اصل مفہوم واضح کرنے کے لیے فقہ میں دوسرے اقوال سے کتابیں بھری ہوتی ہیں مگر یہ اس طرف کبھی نہیں دیکھتے ہیں۔

² گویا ان کے گروہ کے علاوہ پوری امت کافر ہے! ایسی نظریات آج کے خوارج کے بھی ہیں۔ جو ان کے ساتھ ہے، وہ مسلمان ہے چاہے کتنا بڑا مجرم ہو اور جو ان کے ساتھ نہیں، وہ وقت کا ملامت، شیخ اسامہ بن

گا۔“خوارج بولے ”یہ دونوں گروہ اس لیے کافر ہیں، کہ انہوں نے انسانوں میں سے حکم مقرر کیا، حالانکہ اللہ کا حکم ہے کہ ﴿إِن الْحُكْمُ لِلَّهِ﴾ حکم اور فیصلے کا اختیار فقط اللہ کے لیے ہے۔ لہذا جو حکم مقرر کرے وہ کافر ہے۔ دوسرا یہ کہ اس معاہدے میں انہوں نے ”من علی ابن ابی طالب“ لکھا ہے، امیر المومنین اپنے ساتھ نہیں لکھا ہے۔ اب یہ مسلمانوں کے امیر ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو لکھتے کیوں نہیں ہیں؟ اور اگر نہیں ہیں تو یہ کافر ہیں۔ تیسرا یہ کہ معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے لشکر کی خواتین کو یہ لونڈیاں کیوں نہیں بناتے ہیں، ان کے اموال غنیمت کیوں نہیں کرتے ہیں؟“ عبد اللہ ابن عباس نے جواب دینا شروع کیا۔ فرمایا ”ان الحكم الا الله، کے دو معنی ہیں، ایک یہ ساری مخلوقات کا اختیار اللہ کے پاس ہے اور اس میں اللہ کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ جبکہ یہاں علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو حکم مقرر کیا ہے، اس کا معنی دوسرا ہے، مثلاً اگر حاجی حالت احرام میں اگر کسی جانور کو قتل کر دے، تو یہ پھر اس کے برابر صدقہ کرے گا اور اس کا فیصلہ حکم کرے گا کہ کیا ذبح ہو۔ اب جب آپ ﴿إِن الْحُكْمُ لِلَّهِ﴾ کی بس یہی تعریف کرتے ہیں تو کیا یہ حاجی کافر ہو گیا؟“ سادہ لوگ تھے، اکثر سمجھ گئے، دوسرا یہ کہ سورۃ النساء میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ اگر میاں بیوی کے درمیان ناچاقی ہوئی، تو دونوں طرف سے حکم مقرر کریں، حُكْمًا قَدْ أَهْلًا وَحُكْمًا قَدْ أَهْلًا، اب اگر یہاں حکم مقرر کرنے سے کوئی کافر نہیں ہوتا تو وہاں بھی علی ابن طالب اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما حکم مقرر کرنے پر کافر نہیں ہوئے، اب دوسری بات کہ علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے امیر ہیں یا نہیں اگر ہیں تو اپنے ساتھ لکھتے کیوں نہیں ہیں؟ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر ورق پر علی رضی اللہ عنہ نے نہیں لکھا تو کیا ہوا، علی رضی اللہ عنہ دلوں میں لوگوں کے امیر ہیں، رسول اللہ ﷺ جب صلح حدیبیہ کا معاہدہ لکھ رہے تھے تو سہیل بن عمرو نے کہا کہ محمد ﷺ کے ساتھ جو رسول اللہ لکھا ہے، اس کو منادو، علی رضی اللہ عنہ نے کہا میں تو نہیں مناسکتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس کو منایا اور قرآن کریم میں اس پوری صلح کی تعریف آئی، وجہ کیا تھی؟ انکار کسی نے نہیں کیا، بلکہ خاموشی اختیار کی گئی اور دلوں میں اقرار سب کر رہے تھے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اب یہاں اگر مسلمانوں کی مصلحت کی وجہ سے علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھ امیر المومنین نہیں لکھا تو اس میں کیا برائی ہوئی؟ یہ سن کر بہت سوں کا دماغ ٹھکانے آگیا، تیسری بات یہ ہے کہ تم کہتے ہو کہ لشکر معاویہ رضی اللہ عنہ کی عورتوں کو ہم لونڈیاں کیوں نہیں بناتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اہل قبلہ ہیں اور اہل قبلہ کی عورتوں کو لونڈیاں اور بیٹوں کو غلام نہیں بنایا جاسکتا ہے، جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ لوگوں کی قید میں آگئیں، آپ لوگوں نے کیوں چھوڑا؟ بولے، اس لیے کہ وہ تو ہماری ماں ہیں، ام المومنین ہیں۔“ جب ایسا ہے تو پھر لشکر کی دیگر عورتوں کو بھی لونڈیاں نہیں بنایا جاسکتا ہے۔ جب یہ مسئلہ ابن عباس نے بیان کیا اور جوابات بھی قرآن و سنت سے

لاذن..... یا شیخ مجیب الرحمان انصاری اور شیخ رحیم اللہ حقانی کیوں نہ ہوں، سب کافر بھی ہیں اور واجب القتل بھی۔

بیان کیے تو چھ ہزار تک خوارج توبہ تائب ہو گئے۔ باقیوں کو علی رضی اللہ عنہ نے سمجھایا، اس سے بھی کئی لوگ واپس آئے، اس کے بعد مزید کے ساتھ علی رضی اللہ عنہ کی جنگ ہوئی اور اس کے بعد علی رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی ایک خارجی کے ہاتھ ہی ہوئی، اس کی تفصیل ان شاء اللہ پھر کبھی بیان کریں گے۔

وما علينا الا البلاغ المبين!

☆☆☆☆☆

امت مسلمہ خود مستقل بالذات ہے!

حضرت مولانا کے ذہن و دماغ نے دوسرے مسلمان قائدین کے برخلاف کبھی اس کو قبول نہیں کیا کہ امت اسلامیہ مختلف دوروں میں اپنے مسائل زمانہ اور اہل زمانہ ارباب حکومت کی خواہش اور ضروریات کے مطابق حل کرنے پر مجبور ہے آپ کے نزدیک امت مسلمہ خود اپنے ہر طرح کے مسائل کا حل رکھتی ہے اور اس کو کتاب و سنت جیسا مکمل مدلل اور جامع دستور دیا گیا ہے کہ وہ کسی دوسرے قانون یا دوسری قوم یا شخصی انسانی خواہش اور دماغ سوزی کی محتاج نہیں اور نہ کسی غیر کے در کی درپوزہ گر ہے۔ اس کا انحصار نہ نسب پر ہے نہ خون اور وطن پر۔ وہ ایک قانون، ایک ضابطہ رکھتی ہے جو مکمل بھی ہے اور قیامت تک کافی بھی وہ نہ زمانہ کے ساتھ بدلتا ہے نہ اہل سیاست کے غیر مستقل حالات کے تابع ہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ

حکایات خلیل حصہ دوم سوانح مولانا خلیل احمد سہارنپوری

مؤلف: مولانا محمد ثانی حسنی ندوی مظاہری

جمہوری عدالتیں اور اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلے نہ کرنا

پہلا حصہ

حضرت الامیر، مولانا عاصم عمر شہید رحمہ اللہ

معنی و مفہوم کے ساتھ بیان کرنے اور اس کو سلف صالحین کی تشریحات کے مطابق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائی تاکہ یہ طبقہ دین مبین کو ہر قسم کی ملاوٹ سے پاک کر کے، تشدد و غلو کے خاردار راستوں سے بچا کر اعتدال کی شاہراہ پر چلائے۔

چنانچہ امت ہر دور میں تاریک سے تاریک فتنوں میں بھی کامیابی سے سفر کرتی رہی۔ دشمنانِ دین کی طرف سے اڑائے گئے گرد و غبار میں بھی اس جماعت نے حق کی راہ اعتدال کو نہیں چھوڑا، علمائے اہل سنت نے اس قافلے کو فکری ڈاکوؤں، مذہبی سوداگروں اور ایمان کے دشمنوں سے بچا کر منزل کی جانب رواں دواں رکھا ہوا ہے۔

آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق لا يضرهم من خذلهم حتى يأتي أمر الله.“ (صحیح مسلم)

”میری امت کی ایک جماعت حق کی خاطر قتال کرتی رہے گی، حق پر غالب رہے گی، جس نے ان کا ساتھ چھوڑا وہ اس جماعت کو نقصان نہ پہنچا سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آجائے۔“

چنانچہ دیگر موضوعات کی طرح اس مسئلہ (اللہ کے نازل کردہ قانون سے فیصلہ نہ کرنا) میں بھی ہر دور کے علمائے حق نے اپنے دور میں پائی جانے والی کمی و زیادتی کو بیان کرتے ہوئے اس مسئلے کو شریعت کی تعلیم کی روشنی میں سمجھایا ہے۔

لہذا اس دور میں بھی اہل علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے سامنے موجود صورتِ مسئلہ کو گہرائی کے ساتھ سمجھیں، صرف اس کے ظاہری حالات اور مبہم اصطلاحات کا استعمال ہو تا دیکھ کر اس کے مطابق اس کی شرعی حیثیت کو بیان نہ کریں، تاکہ قرآن و حدیث کی روشنی میں امت کی رہ نمائی کر سکیں۔ نہ تو اپنی طرف سے کسی مسئلہ میں تشدد اختیار کریں، اگر شریعت نے لوگوں کو گنجائش دی ہے تو یہ اپنی طرف سے ان پر سختیاں نہ عائد کریں، اور نہ ہی آسانیاں پیدا کرنے کے چکر میں دین کی ان سرحدوں کو ہی پامال کر بیٹھیں جو کفر و اسلام میں امتیاز قائم رکھتی ہیں۔

لیکن افسوس کہ اس دور میں، زیر بحث مسئلہ میں لوگوں نے انتہائی سستی اور مدابہت سے کام لیا ہے۔ اور اب تو یہ حال ہے کہ عوام تو عوام، اہل علم گھرانوں میں بھی اس بات کا احساس نہیں کہ اللہ کی شریعت کے علاوہ کسی اور قانون کے تحت زندگی کی سانس لینا، غیر اللہ کے آئین کو

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کرنے کا مقصد یہ بیان فرمایا کہ ”وہ صرف اللہ کی عبادت کریں“..... لیکن اگر عدالت میں قرآن نافذ نہ ہو، تجارت عالمی مالیاتی اداروں کے بنائے ہوئے قوانین کے تحت کی جاتی ہو، نظامِ حکومت جمہوری ہو..... تو اللہ کی عبادت کس طرح کی جاسکتی ہے؟

حالانکہ اللہ تعالیٰ کا منشا تو یہ ہے کہ روئے زمین سے تمام باطل ادیان کو مٹا کر اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا دین قائم کر دیا جائے۔ صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ کافر بھی اس دین کے عطا کردہ نظام کے تحت زندگی گزاریں تاکہ کوئی طاقت ور کسی کمزور پر ظلم نہ کر سکے، مظلوم کو انصاف دلایا جائے، غریب کو عزت سے جینے کا حق دیا جائے۔

اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم صرف مسلمانوں کے مسائل ہی میں نہیں ہے بلکہ کفار کے مسائل و مقدمات (سوائے کچھ شخصی و عائلی معاملات کے) اسی الہی دستور و آئین کے ذریعہ حل کیے جائیں گے۔ لیکن آپ سوچوں کی پستی اور اللہ تعالیٰ کے صریح حکم سے غفلت کا اندازہ لگائیے کہ کافروں کے مابین فیصلہ تو دور کی بات، مسلمانوں کی عدالتیں مسلمانوں کے مابین فیصلے کافروں کے قانون سے کرتی ہیں۔ اسی کے مطابق زندگی گزارنے پر مجبور کیا جاتا ہے اور ان فیصلوں پر عمل درآمد کے لیے پولیس اور فوج بنائی گئی ہے جو اس کفر کو جبراً نافذ کرتی ہے، اس کی رٹ کو یقینی بناتی ہے۔ حالانکہ اللہ کا قرآن ہی وہ قانون ہے جس کے مطابق فیصلے کرنے چاہئیں:

فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ..... (سورۃ المائدہ: ۴۸)

”سو آپ اس (دستور) کے مطابق فیصلہ کیجیے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے، اور ان (کافروں) کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے.....“

یہاں ہم جمہوری نظام کے ایک اساسی ستون، یعنی جمہوری عدالتوں کا جائزہ لیں گے اور اس غرض سے اس بنیادی سوال کا جواب جاننے کی کوشش کریں گے کہ ان عدالتوں میں اللہ کی شریعت کی بجائے انسانوں کے تراشے ہوئے قانون کے مطابق فیصلے کرنے کا جو عمل جاری ہے، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

اللہ کی شریعت کے علاوہ کسی اور قانون سے فیصلہ کرنا

اہل سنت و الجماعت کو اللہ رب العزت نے اپنے دین کی حفاظت کے لیے منتخب فرمایا اور دین کو افراط و تفریط اور کمی و زیادتی سے محفوظ رکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ قرآن و سنت کو اس کے صحیح

حاکم ماننا، اس پر خاموش رہنا، راضی رہنا یہ کوئی چھوٹا موٹا گناہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سخت الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

کس قدر زیادتی ہے کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی سخت وعید کو کوئی اپنی طرف سے ہلکا کر کے پیش کرے، کسی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو غلط جگہ پر پیش کرے۔ شہنشاہ ارض و سماء لوگوں کو ڈرا رہے ہیں کہ جس نے ہمارے آئین کے علاوہ کسی اور آئین سے فیصلہ کیا وہ کافر ہے..... لیکن ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ کی دھمکی کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں، خود بھی کفر کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی جری کرتے ہیں کہ ہمیں کوئی بات نہیں، یہ کوئی ایسا بڑا جرم نہیں جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ گویا (نعوذ باللہ) احکم الحاکمین کی وعید نہ ہوئی، کوئی معمولی بات ہو گئی! اعاذ باللہ منہ!

اسی طرح یہ بھی اہل سنت کے مسلک کے خلاف ہے کہ قرآن و حدیث کے ظاہری ترجمہ کو دیکھ کر اس کو وہ معنی پہنا دیے جائیں جو اسلاف امت سے ثابت نہیں ہیں۔

اپنے دور میں درپیش کسی مسئلہ میں ہم اس وقت غلط کر بیٹھتے ہیں جب کسی مسئلہ کے بارے میں ہم اس کا ظاہر دیکھ کر فیصلہ سناتے ہیں اور اس تفصیل کو طلب نہیں کرتے جو سلف صالحین نے بیان فرمائی ہے۔ اسی طرح دوسری غلطی یہ ہوتی ہے کہ اسلاف امت کی بیان کی گئی تفصیل کو ہم آج ایسی جگہ ثابت کر جاتے ہیں جہاں وہ منطبق ہو ہی نہیں سکتی۔

زیر بحث مسئلہ (قرآن کے خلاف فیصلہ کرنا) بھی اسی قسم کے مسائل میں سے ہے جن میں صورت مسئلہ کی گہرائی میں جائے بغیر موجودہ نظام کے بارے میں شرعی حکم بیان کر دیا جاتا ہے۔ بندہ نے کوشش کی ہے کہ صورت مسئلہ کو پوری طرح کھول کر بیان کر دیا جائے تاکہ علمائے حق شریعت کی روشنی میں ہماری رہ نمائی کریں۔

تعمیہ:

غیر قرآن سے فیصلہ کرنے والا کافر ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اس بحث میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ ساری بحث صرف ایک شرعی حکم سے متعلق ہے۔ یعنی کوئی حج یا حکام قرآن کے تمام فیصلے نافذ کرتا ہے لیکن صرف ایک قطعی طور پر ثابت شدہ شرعی حکم میں غیر قرآن سے فیصلہ سنانا ہے (مثلاً زنا کی شرعی سزا کو بدل کر انگریزی قانون میں بیان کردہ سزا کے مطابق فیصلہ کرتا ہے) تو کیا وہ مکمل دائرۃ اسلام سے خارج ہو گیا نہیں؟

آیت کا شان نزول

پہلے اس آیت کی شان نزول (پس منظر) سمجھتے چلیں، اس کے بعد اس آیت کی تفسیر میں مشہور مفسرین (مفتدین و متاخرین) کے اقوال بیان کیے جائیں گے۔ اگر ہم اس بحث کو اچھی طرح

سمجھ لیں تو ان شاء اللہ اسلام و کفر، جس کو جدید دجالی ذہنوں نے خلط ملط کرنے کی کوشش کی ہے، الگ الگ ہو جائیں گے۔

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلْهُمُ اللَّهُ قُلُوبًا فَهُوَ الْكَافِرُونَ (سورۃ المائدہ: ۴۴)

”اور جو اللہ کے نازل کردہ (قرآن) سے فیصلہ نہ کریں وہی لوگ کافر ہیں۔“

معارف القرآن میں مفتی شفیع صاحبؒ نے اس کی شان نزول امام بغویؒ کے حوالہ سے اس طرح بیان فرمائی ہے:

”یہ زنا کا واقعہ ہے۔ خیبر کے یہودیوں میں یہ واقعہ پیش آیا اور تورات کی سزا کے مطابق ان دونوں کو سنگسار کرنا لازم تھا۔ مگر یہ دونوں کسی بڑے خاندان کے افراد تھے۔ یہودیوں نے اپنی قدیم عادت کے مطابق یہ چاہا کہ ان کے لیے سزا میں کمی کی جائے اور ان کو یہ معلوم تھا کہ مذہب اسلام میں بڑی سہولتیں دی گئی ہیں، اس بنا پر اپنے نزدیک یہ سمجھا کہ اس سزا میں بھی تخفیف ہوگی۔ خیبر کے لوگوں نے اپنی برادری بنی قریظہ کے لوگوں کو پیغام بھیجا کہ اس معاملہ میں فیصلہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کرادیں۔ چنانچہ کعب بن اشرف وغیرہ کا ایک وفد ان لوگوں کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ شادی شدہ مرد و عورت اگر زنا میں مبتلا ہوں تو ان کی کیا سزا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم میرا فیصلہ مانو گے؟ انہوں نے اقرار کیا۔

اس وقت جبریل امینؑ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم لے کر نازل ہوئے کہ ان کی سزا سنگسار کر کے قتل کر دینا ہے۔ ان لوگوں نے جب یہ فیصلہ سنا تو بوکھلا گئے اور ماننے سے انکار کر دیا۔ جبریل امینؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں سے یہ کہیں کہ میرے اس فیصلے کو ماننے یا نہ ماننے میں ابن صوریہ کو حکم بنا دو۔ اور ابن صوریہ کے حالات و صفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وفد سے پوچھا کہ کیا تم اس نوجوان کو جانتے ہو جو گورا مگر ایک آنکھ سے معذور ہے، فدک میں رہتا ہے، جس کو ابن صوریہ کہا جاتا ہے؟ سب نے اقرار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا، آپ لوگ اس کو کیسا سمجھتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ علمائے یہود میں روئے زمین پر اس سے بڑا کوئی عالم نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو بلاؤ۔ چنانچہ وہ آگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم دے کر پوچھا کہ اس صورت میں تورات کا کیا حکم ہے؟ وہ بولا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو دی ہے! اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم قسم نہ دیتے اور مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ غلط بات کہنے کی صورت

میں تورات مجھے جلاڈالے گی تو میں یہ حقیقت ظاہر نہ کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی طرح تورات میں بھی یہی حکم ہے کہ ان دونوں کو سنگسار کر کے قتل کر دیا جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر تم پر کیا آفت آئی کہ تم تورات کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہو؟ ابن صوریانے بتلایا کہ اصل بات یہ ہے کہ زنا کی شرعی سزا تو ہمارے مذہب میں یہی ہے لیکن ہمارا ایک شہزادہ اس جرم میں مبتلا ہو گیا، اس کی رعایت کرتے ہوئے ہم نے اس کو چھوڑ دیا، سنگسار نہیں کیا۔ پھر یہی جرم ایک معمولی آدمی سے سرزد ہوا تو ذمہ داروں کو سنگسار کرنا چاہا۔ تو مجرم کے خاندان والوں نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ اگر شرعی سزا اس کو دینی ہے تو پہلے شہزادے کو دو ورنہ ہم اس پر یہ سزا جاری نہ ہونے دیں گے۔ یہ بات بڑھی تو سب نے مل کر صلح کر لی کہ سب کے لیے ایک ہی ہلکی سزا تجویز کر دی جائے اور تورات کا حکم چھوڑ دیا جائے، اور اب یہی سب میں رواج ہو گیا۔“

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے بھی اس آیت کی شان نزول اسی واقعے کو قرار دیا ہے۔ دیگر مفسرین نے بیان کیا ہے کہ تورات میں مذکور یہ سزا منہ کالا کر کے دونوں کو لٹا گدھے پر بٹھا کر شہر کا چکر لگوانا پھر کوڑے مارنا تھی۔

چند قابل غور باتیں:

ا۔ آپ ان یہود کی تورات کی سچائی و صداقت پر ایمان دیکھیے کہ وہ غلط بات کہنے کی صورت میں اس بات سے ڈر رہا ہے کہ تورات اس کو جلاڈالے گی۔ اس کے ساتھ اللہ کی وحدانیت پر یقین بھی ملاحظہ فرمائیے کہ قسم دیے جانے پر ایسا بچ بولنے پر آمادہ ہو گیا جس سے اس کی پوری قوم و مذہب کی بے عزتی ہوتی تھی۔

ب۔ انہوں نے تورات کے حکم سنگسار کا اس طرح انکار نہیں کیا تھا کہ وہ ان کے منزل من اللہ (اللہ کی جانب سے نازل کردہ) ہونے کے منکر ہو گئے تھے، بلکہ انہوں نے تورات کے حکم کے مقابلہ میں اپنی طرف سے ایک اور قانون منظور کر لیا تھا، اور اسی کو نافذ کر دیا تھا۔

ج۔ علما یہود نے تورات کے اندر رجم کرنے کے حکم کو مٹا کر اپنا ترمیم شدہ قانون کسی دستاویز یا دستور کی شکل میں لکھا نہیں تھا اور نہ ہی تورات کے قانون کے مقابلے میں کوئی دستور تحریری طور پر تیار کیا تھا۔ بلکہ ابھی تک تورات میں اللہ کا نازل کردہ قانون رجم ہی موجود تھا، یہ ترمیم صرف زبانی کلامی کی گئی تھی۔ جب کہ آج قرآن کے مقابلے میں ایک دستور تحریری طور پر تیار ہے جس کو پڑھایا جاتا ہے اور قرآن کی بجائے اسی کو جبراً ملک میں نافذ کیا گیا ہے۔ اس کے اندر بے

شمار خلاف شرع ترمیمات موجود ہیں، پھر بھی اس کو اسلامی کہا جاتا ہے۔ گویا قرآن اسلامی نہیں بلکہ اسلامی وہ ہے جو آئین پاکستان میں ہے۔ یا جو چور کے ہاتھ کاٹنے اور شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنے کے قوانین محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے وہ اسلامی نہیں، بلکہ اسلامی وہ ہیں جو قوانین پاکستان میں ہیں؟

د۔ اس واقعے سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نازل کردہ قانون میں ترمیم کرنے والوں پر کفر کا حکم لگایا گیا۔

اب آپ ذرا غور فرمائیے کہ آج جمہوریت کے لادین علم بردار اور اس کے مسلح محافظین بھی تو ایسا ہی کر رہے ہیں۔ بلکہ اس سے کہیں زیادہ بدتر جو یہود کرتے تھے۔ آپ آج جمہوریت میں شریک سیکورل جماعتوں کو دیکھیے کہ وہ کس ڈھٹائی کے ساتھ اس قرآن کے احکامات کو وحشت و درندگی کہتے ہیں، ان کو فرسودہ اور تاریک دور کے قوانین کہتے ہیں، قوت کے زور پر ان کو نافذ ہونے سے روکتے ہیں، اس میں نہ کسی شرافت، نہ ہی کسی خوفِ الہی کی پروا کرتے ہیں..... پھر کیا وجہ ہے کہ یہود تو اس حکم ما انزل اللہ (اللہ کے قانون) کے مطابق فیصلہ نہ کرنے یا اس میں ترمیم کرنے سے مطلقاً فرار اور ان جاحدین و منکرین کے حق میں اتنے دلائل کہ کبھی ان کو پکا سچا مسلمان ثابت کیا جائے، کبھی امام المسلمین بنادیا جائے!

وَمَنْ لَّعَنَ بَحْكُمْ يَمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ اور مفسرین کرام

اب آئیے اس آیت کو امت کے ان مفسرین کی تفاسیر سے سمجھتے ہیں جن پر اتفاق ہے۔ امام المفسرین ابن جریر طبریؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

يقول تعالى ذكره: ومن كنتم حكم الله الذي انزل في كتابه، وجعله حكما بين عباده فافخاه، وحكم بغيره، كحكم اليهود..... {فاولئك هم الكافرون} يقول: هؤلاء الذين لم يحكموا بما انزل الله في كتابه، ولكن بدلوا وغيره حكمه وكنتموا الحق الذي في كتابه {بهم الكافرون} يقول: هم الذين ستروا الحق الذي كام عليهم كشفه وتبينه وغطوه عن الناس واطهروا لهم غيره وقضوا به لسحت اخذوه منهم عليه (جامع البيان في تأويل القرآن)

”اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اور جس نے اللہ کے اس حکم کو چھپایا جو اس نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے، اور جس کو اپنے بندوں کے مابین قانون بنایا ہے، چنانچہ اس نے اس قانون کو چھپایا اور یہود کی طرح اس کے علاوہ فیصلہ کر دیا..... (وہ کافر ہیں) یعنی یہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ سے فیصلہ نہیں کرتے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کو تبدیل کر دیتے ہیں اور اس حق کو چھپا جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے۔

(ایسے لوگ کافر ہیں) جنہوں نے اس حق کو چھپایا جس کا کھول کر بیان کرنا ان پر لازم تھا، اور لوگوں کی آنکھوں سے اس حق کو اوجھل رکھا، اور لوگوں کے سامنے اس حق کے علاوہ دوسری بات ظاہر کی، اور اسی کے مطابق فیصلہ کیا، رشوت کی وجہ سے جو انہوں نے لی تھی۔“

فائدہ:

امام ابن جریر طبریؒ نے اس آیت کی تفسیر میں جو تفصیل بیان فرمائی ہے وہ آج کے عدالتی نظام میں مکمل پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کو چھپانا، یعنی مقدمات کے دوران میں کبھی اس کا ذکر ہی نہ کرنا کہ زیر بحث مقدمات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا قانون کیا ہے بلکہ اپنے بنائے قانون ہی کو اسلامی آئین کہنا اور یہ کہنا کہ ہماری عدالتیں اسلامی آئین کی رو سے ہی فیصلے کرتی ہیں، اللہ تعالیٰ کے قانون میں تبدیلی کرنا (جیسے شادی شدہ زانی کو سنگسار کی بجائے چند سال جیل کی سزا وغیرہ)..... یہ سب وہی باتیں ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہود کو کافر قرار دیا۔

اس آیت کی تفسیر میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

”من جحد ما انزل الله فقد كفر، ومن اقر به ولم يحكم فهو ظالم فاسق۔“

”جو اللہ تعالیٰ کی حدود (سنگ ساری، کوڑے مارنا وغیرہ) میں سے کسی بھی قانون کا انکار کرے، تو وہ کافر ہو گیا، اور جس نے ان سب باتوں کا اقرار کیا لیکن ان قوانین کے مطابق فیصلے نہیں کیے تو وہ ظالم و فاسق ہے۔“

حضرت عکرمہؒ نے فرمایا:

معناه: ومن لم يحكم بما انزل الله جاحدا به فقد كفر، ومن اقر به ولم يحكم به فهو ظالم فاسق (الكشف والبيان، الجزء ۵)

”اس کے معنی یہ ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کے قانون کا انکار کرتے ہوئے اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے، تو وہ واقعی کافر ہو گیا۔ اور جو اس قانون کا اقرار کرے اور اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہ ظالم و فاسق ہے۔“

قرآن کے قانون پر ایمان لانا..... ایک شبہ اور اس کی وضاحت

وَمَنْ لَّمْ يَجْزِمْهُمَ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ كَبَرًا (یعنی جو اللہ تعالیٰ کے قانون کا انکار کرتے ہوئے اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہ واقعا کافر ہو گیا)، اس سے لوگوں کو شاید یہ شبہ ہوا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اس کو قرآن کا حصہ یا اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہونے کا یقین نہ رکھتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی اس پر ایمان رکھتے ہوئے قرآن کے قانون کے علاوہ سے فیصلے کرتا ہے تو وہ کفر اکبر نہیں بلکہ کفر مجازی یا کفر دون کفر (یعنی چھوٹا کفر) ہے۔

وضاحت:

ایسا سمجھنا اسلام کی عبارت کو سمجھنے میں غلطی ہے۔ یعنی جس طرح خوارج نے اس آیت سے مطلقا کفر اکبر مراد لیا اور اعتدال سے ہٹ گئے، اسی طرح اس آیت میں بیان کیے گئے کفر کو مطلقا کفر دون کفر یا کفر اصغر قرار دینا بھی اہل سنت کے راستے سے ہٹ جانا ہے۔ یاد رہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کفر دون کفر کو مطلقا نہیں استعمال کیا بلکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دفاع میں بیان کیا ہے۔

ہمارے اسلاف نے واضح طور پر یہ فرمایا ہے کہ یہ حاکم اس بات کا یقین رکھتا ہو کہ متعلقہ مقدمے میں قرآن کے قانون سے فیصلہ کرنا واجب ہے اور اس کے خلاف کرنے پر خود کو گناہ گار اور سزا کا مستحق سمجھتا ہے۔ صرف اتنا کافی نہیں کہ وہ ان قوانین کو قرآن کا حصہ سمجھے اور اس کے مطابق فیصلے کو واجب نہ سمجھے۔ یہودی بھی ان آیات کو، جو رحم کے بارے میں تھیں تورات کا حصہ مانتے تھے، لیکن فیصلے میں اس کی جگہ دوسرا قانون بنالیا تھا اور اسی کو شرعی قانون ثابت کر رہے تھے۔ چنانچہ قرآن نے ان کے اس عمل کو کفر اکبر قرار دیا۔

نیر یہ بات ذرا غور کرنے کی ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن کی کسی آیت کو منزل من اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ نہ مانے تو وہ صرف اس نظریے کی وجہ سے ہی فوراً کافر ہو جائے گا۔ اس کے بارے میں یہ بحث کرنا فضول ہے کہ قرآن کے قانون کے علاوہ سے فیصلہ کرنے سے کافر ہوتا ہے یا نہیں؟ لہذا اس آیت کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہو سکتا۔ علمائے امت نے اس کا مطلب یہی بیان کیا ہے کہ قرآن کے قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کو واجب سمجھتا ہو اور اس کے علاوہ کسی بھی قانون سے فیصلہ کرنے کو گناہ سمجھتا ہو۔

اس بات کو امام بیضاوی، امام ابو بکر جصاص، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم جوزیہ، امام ابن ابی العز حنفی، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ وغیرہ نے اور زیادہ واضح اور کھول کر بیان کیا ہے۔ اہل علم حضرات کو امام صاحبؒ کی عبارت پر غور کرنا چاہیے۔ چنانچہ بعض مفسرین نے وَمَنْ لَّمْ يَجْزِمْهُمَ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ کی تفسیر میں اختصار کے طور پر صرف اتنا فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ لیکن ان کی مراد وہی ہے جو دیگر مفسرین امت کی ہے کہ اس سے فیصلے کو واجب سمجھتا ہو۔

وقال ابن مسعود والسدي: من ارتضى في الحكم وحكم فيه بغير

حكم الله فهو كافر (الكشف والبيان، الجزء ۵)

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور امام سدیؒ نے فرمایا: ”جس نے فیصلہ کرنے میں رشوت لی اور اس فیصلہ میں اللہ کے قانون کے علاوہ سے فیصلہ دیا تو وہ قاضی (جج) کافر ہے۔“

فائدہ:

ان دونوں حضرات کے نزدیک ایسا شخص بالکل کافر ہے۔

”اس آیت میں کافر ہونے کا حکم مسلمانوں کے بارے میں ہے (یعنی جو اللہ

تعالیٰ کی شریعت سے فیصلہ نہ کریں)۔“

مشہور حنفی فقیہ اور مفسر امام نسفیؒ (۱۰۷۷ھ وفات) تفسیر نسفی میں فرماتے ہیں:

أى مستهيناً به ”یعنی جو اللہ تعالیٰ کی شریعت کو کم اہم سمجھتے ہوئے، اس کے

مطابق فیصلہ نہیں کرتا وہ کافر ہے۔“

تو کیا آج جمہوری نظام کے مقابلے میں نفاذ شریعت کو بے وقعت نہیں سمجھا جا رہا؟ تو پھر توپ و تفنگ اور جنگ کس بات کی؟ دہلی کی سپریم کورٹ کس کی عظمت کی داستان سناتی ہے؟ اسلام آباد کی عدالت عالیہ میں اللہ تعالیٰ کے قانون کا کیا حشر کیا جاتا ہے؟ پارلیمنٹ کا بنایا قانون، وحی سے اعلیٰ، اور وحی کا قانون اس وقت تک قانون نہیں بن سکتا جب تک پارلیمنٹ اس کی منظوری نہ دے دے! بتائیے کون اہم ہے اور کون غیر اہم؟ کس قانون کی رٹ کو قائم رکھنے کے لیے سوات تا وزیرستان جنگ جاری ہے؟ حالانکہ مجاہدین تو مطالبہ ہی اللہ تعالیٰ کی شریعت کا کر رہے ہیں؟

امام بیضاویؒ (۶۹۱ھ وفات) کا نام کس طالب علم کے لیے نیا ہے؟ آپ نے تفسیر بیضاوی میں اس آیت کی تفسیر یوں فرمائی ہے:

{ومن لم يحكم بما انزل الله} مستهيناً به منكرآله {فأولئك هم الكافرون} الاستهانتهم به وتمردهم بأن حكموا بغيره. ولذلك وصفهم بقوله {الكافرون}

”اور جس نے اللہ تعالیٰ کی شریعت سے فیصلہ نہیں کیا، اس قانون کو کم اہم سمجھتے ہوئے (اس کے علاوہ کو زیادہ اہم سمجھا) اس کے مطابق فیصلہ کرنے کے وجہ کا انکار کرتے ہوئے، تو وہ کافر ہے، اس قانون کو کم اہم سمجھنے کی وجہ سے اور اس کے علاوہ سے فیصلے پر ڈٹے رہنے کی وجہ سے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو الکافرون قرار دیا۔“

بتائیے کون غیر اسلامی قوانین پر ڈٹا ہوا ہے اور اس کے لیے جنگ کرتا ہے؟

اسی طرح علامہ زرخشریؒ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ انہوں نے تفسیر کشاف میں یہی تفسیر کی ہے۔

تنبیہ:

علامہ زرخشریؒ اور امام بیضاویؒ کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے علاوہ کسی قانون سے فیصلے پر ڈٹے رہنے کی وجہ سے وہ کافر ہیں، آج جمہوری عدالتی نظام پر کتنا صادق آتا ہے۔ یہ عدالتیں غیر قرآن سے فیصلوں پر سالوں سے ڈٹی ہوئی ہیں، بلکہ قرآن کے مقابلے میں بنائے گئے

قال ابن مسعود والحسن: هي عامة في كل من لم يحكم بما انزل الله من المسلمين واليهود والكفار اي معتقدا ذلك و مستحلاله فأما من فعل ذلك وهو معتقدا أنه راكم محرم فهو من فساد المسلمين (الجامع لأحكام القرآن المعروف تفسير القرطبي: الجزء ۶، تفسیر سورة المائدة: ۴۴)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حسن بصریؒ نے فرمایا: ”یہ آیت مسلمانوں، یہودیوں اور دیگر کفار میں سے ہر اس شخص کے بارے میں عام ہے جو اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرے۔ یوں جو اللہ تعالیٰ کی شریعت سے فیصلہ نہ کرے اور اپنے اس فعل کے صحیح اور (قانونی) ہونے کا نظریہ رکھتا ہو (تو وہ شخص صریح کافر ہے)۔ البتہ جو اس کام کو حرام سمجھتے ہوئے کرے تو وہ فاسق مسلمانوں میں سے ہے۔“

ذرا آج کے نظام جمہوریت پر غور کیجیے اور فیصلہ کیجیے کہ کیا ان عدالتوں والوں کی نہایت غالب اکثریت اپنے فیصلوں کو گناہ سمجھتی ہے؟ وہ تو اپنے نزدیک بہت بڑا خیر کا کام کر رہے ہیں۔ اور کیا یہ عدالتیں غیر قرآن سے فیصلے کرنے کو حلال یعنی قانونی نہیں سمجھتیں؟

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا:

”جی ہاں! لیکن تم (یعنی یہ امت) ان یہود کے راستے پر قدم قدم چلو گے۔“ (الجامع لأحكام القرآن المعروف تفسیر القرطبي؛ الجزء ۶، تفسیر سورة المائدة: ۴۴)

علامہ آلوسیؒ نے ’روح المعانی‘ میں امام شعبیؒ کی یہ روایت نقل کی ہے:

”سورہ مائدہ کی یہ تینوں آیات (وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ)، ان میں سے پہلی اس امت کے لیے ہے، دوسری یہود اور تیسری نصاریٰ کے بارے میں ہے۔“

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں:

”اس بنیاد پر یہ لازم آتا ہے کہ مسلمانوں کی حالت یہود و نصاریٰ سے بدتر ہوگی۔“ (روح المعانی؛ الجزء ۵، تفسیر سورة المائدة: ۴۴)

آج کفریہ عدالتوں کو اسلامی ثابت کرنے والے اور کفریہ جمہوری نظام کو اسلامی قرار دینے والے یہود و نصاریٰ سے آگے نہیں بڑھے تو اور یہ سب کیا ہے؟

تفسیر ابن جریر میں بھی امام شافعیؒ کا یہ قول بیان کیا گیا ہے کہ:

قوانین کی رٹ کو یقینی بنانے کے لیے لڑنے کو جہاد کہتی ہیں..... کیا اہل حق اس کا حکم بیان کر پائیں گے؟

ابوالفرج ابن جوزیؒ (۵۰۸-۵۹۷ھ) 'زاد المسیر' میں فرماتے ہیں:

.....ومن لم يحكم بما أنزل الله جاحداً، وهو يعلم أن الله أنزله، كما فعلت اليهود، فهو كافر.....

”..... جس نے اللہ تعالیٰ کی شریعت سے فیصلہ نہیں کیا، اس کے وجوب کا انکار کرتے ہوئے، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ قانون ہے، جیسا کہ یہود نے کیا تھا، تو وہ کافر ہے.....“

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر مفسرین نے جو اس آیت کے ضمن میں یہ فرمایا کہ ”جو اللہ تعالیٰ کے قانون کا انکار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے قانون کے علاوہ فیصلہ کرے“ اس سے مراد یہ نہیں کہ وہ اس کو اللہ تعالیٰ کی کتاب کا حصہ نہ مانتا ہو، بلکہ یہ ہے کہ وہ اس کے مطابق فیصلہ کرنے کے واجب ہونے کا اعتراف نہ کرتا ہو۔

مفتی شفیع صاحبؒ نے ’معارف القرآن‘ میں وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ کی تفسیر اس طرح فرمائی ہے:

”یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے احکام کو واجب نہیں سمجھتے اور ان پر فیصلہ نہیں دیتے بلکہ ان کے خلاف فیصلہ کرتے ہیں وہ کافر و منکر ہیں، جن کی سزا دائمی عذاب جہنم ہے۔“ (معارف القرآن؛ تفسیر سورۃ المائدہ: ۴۴)

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ:

”یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی لیکن ہمارے اوپر بھی واجب ہے۔“ (بخوالہ تفسیر طبری آیت ہذا)

امام ابو بکر جصاصؒ فرماتے ہیں:

”اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت حسن بصریؒ اور حضرت ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم عام ہے ہر اس شخص کے بارے میں جو قرآن کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا اور غیر اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔“ (احکام القرآن للجصاص؛ الجزء: ۳، ص: ۵۳)

اسی طرح ابو بختریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا یہ بنی اسرائیل کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ:

”جی! (البتہ یاد رکھو کہ) بنی اسرائیل بھی تمہارے بھائی ہیں اگر تم یہ سوچتے ہو کہ میٹھا میٹھا تو سارا تمہارے لیے ہے اور کڑوا کڑوا سارا بنی اسرائیل کے لیے

ہے، (تو) نہیں! بلکہ تم ضرور ان کے طریقے کی پیروی کرو گے۔“ (احکام

القرآن للجصاص؛ الجزء: ۳، ص: ۵۳)

یعنی جو بات اپنے اوپر دشوار گزرے اس کو کہیں کہ یہ حکم تو بنی اسرائیل کے لیے تھا اور جس میں نفس پہ کوئی دشواری نہ ہو اس کو خود اپنا لیں۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”جن حضرات نے اس آیت کے بارے میں یہ کہا کہ یہود کے بارے میں ہے، (فرمایا) یہ ضعیف دلیل ہے کیونکہ تفسیر میں اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے نہ کہ خاص سبب کا۔“ (مفتاح الغیب المعروف تفسیر الرازی؛ الجزء ۶، تفسیر سورۃ المائدہ: ۴۴، أبو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسن بن الحسن التمیمی الرازی الملقب بفخر الرازی)

مزید فرماتے ہیں:

”امام عطاء (تابعی) نے فرمایا: یہ ’کفرون کفر‘ ہے یعنی ’یہاں کفر سے مراد کفر اصغر ہے‘۔ اور امام طاؤس (تابعی) نے فرمایا: یہ ایسا کفر نہیں جو ملت سے خارج کر دے جیسا کہ اللہ اور یوم آخرت کا انکار ملت سے خارج کر دیتا ہے‘۔ گویا ان حضرات نے اس آیت کو کفر نعمت کہا ہے، یہ قول بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ لفظ کفر جب مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے کفر فی الدین (یعنی بڑا کفر) مراد ہوتا ہے۔“

جن حضرات نے یہ کہا کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو تمام مقدمات میں اللہ کے قوانین کے خلاف فیصلے کرے وہ کافر ہے، البتہ جو بعض مقدمات میں ایسا کرے وہ کافر نہیں ہے۔ امام رازیؒ اس کا رد فرماتے ہیں:

لو كانت هذه الآية وعيداً مخصوصاً بمن حكم الله تعالى في كل ما أنزل الله تعالى لم يتناول هذا الوعيد اليهود بسبب مخالفتهم حكم الله في الرجم، وأجمع المفسرون على أن هذا الوعيد يتناول اليهود بسبب مخالفتهم حكم الله تعالى في واقعة الرجم... قال عكرمة: قوله {ومن لم يحكم بما أنزل الله} إنما يتناول من أنكروا قلبه وجحدلسانه، أما من عرف بقلبه كونه حكم الله وأقر بلسانه كونه حكم الله، إلا أنه أتى بما يضاده فهو حاكم بما أنزل الله تعالى، ولكنه تارك له، فلا يلزم دخوله تحت هذه الآية، وهذا هو الجواب الصحيح والله أعلم

”اگر اس آیت میں خاص ان لوگوں کے لیے وعید ہوتی جو تمام فیصلوں میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کی مخالفت کریں تو اس میں ان یہود کے لیے وعید نہ ہوتی جو حکم رجم میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کی مخالفت کر رہے تھے۔ جب کہ تمام

مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیت میں ان یہود کے لیے وعید ہے جو واقعہ رجم میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کی مخالفت کر رہے تھے۔ عکرمہ کا کہنا ہے: ”اس آیت میں اس شخص کا حکم ہے جو اللہ تعالیٰ کے قانون کا دل سے انکار کرے اور زبان سے انکار کرے۔ البتہ وہ شخص جو دل سے اس قانون کے منجانب اللہ ہونے کی تصدیق کرے اور زبان سے بھی اقرار کرے، لیکن عملاً اس کے مخالف فیصلہ کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق ہی فیصلہ کرنے والا کہلائے گا، لیکن اس کو چھوڑنے والا ہو گا، چنانچہ وہ اس آیت میں داخل نہیں۔“ یہی جواب صحیح ہے۔“ (ایضاً)

وضاحت:

یہاں پھر یاد دلاتے چلیں کہ امام رازیؒ نے جو دل کی تصدیق اور زبان سے اقرار کی بات کی ہے، اس سے مراد وہی ہے جو پہلے بیان کیا گیا، کہ اس کے مطابق فیصلے کے واجب ہونے کا اقرار کرتا ہو۔ نیز یہ بات بھی یاد رہے کہ امام رازیؒ یہ حکم اس ریاست، حاکم یا جج کا بیان کر رہے ہیں جو باقی تمام احکام میں قرآن کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور صرف ایک قطعی اور صریح شرعی حکم میں قرآن کے خلاف فیصلہ کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک سے لے کر تاتاریوں کے ہاتھوں سقوط بغداد (۶۵۶ھ بمطابق ۱۲۵۷ء) تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ قرآن کے مقابلے میں کسی اور قانون کو بطور آئین ملک میں نافذ کیا گیا ہو۔ اس امت میں اس بات کا تصور بھی نہیں تھا کہ عدالتیں قرآن کے علاوہ کسی انسان کے بنائے آئین کے مطابق فیصلے کریں۔ غیر قرآن سے فیصلہ کرنے کی زیادہ سے زیادہ صرف یہ صورت ہوتی تھی کہ جج رشوت لے کر فیصلے میں ڈنڈی ماردیتا۔ چنانچہ مذکورہ آیت کے ضمن میں جو بھی بحث بڑے کفر یا چھوٹے کفر کی رہی وہ اسی صورت حال کو سامنے رکھ کر کی جاتی رہی، کیونکہ علماء عموماً انہی باتوں کو بیان کرتے ہیں جو ان کے دور میں عامۃ المسلمین کو درپیش ہوتی ہے۔

لیکن جب عالم اسلام پر تاتاری حملہ آور ہوئے، دار الخلافہ بغداد پر قبضہ کر لیا، پھر اس کے بعد یہ لوگ مسلمان ہو گئے۔ لیکن نظام حکومت قرآن کی بجائے ایک ایسے آئین سے چلانے لگے جو کچھ چنگیز خان کا بنایا ہوا تھا اور کچھ شقیں اسلام سے بھی جمع کر لی گئی تھیں۔ اس کو ”الیاسق یا الیاس“ کہا جاتا تھا۔

اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے حافظ ابن کثیرؒ نے اس قانون کے بارے میں فتویٰ دیا کہ:

”جس نے اس شریعتِ محکمہ کو چھوڑا جو محمد بن عبد اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر، جو کہ خاتم النبیین ہیں، نازل ہوئی، اور منسوخ شریعتوں میں سے کسی کے پاس فیصلہ لے کر گیا تو وہ کافر ہو گیا۔ تو اس شخص کا کیا انجام ہو گا جو (چنگیز خان کے

بنائے آئین) الیاس کے مطابق فیصلے کرائے اور اس کو شریعتِ محمدی علی صاحبہا السلام پر مقدم رکھے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا شخص بالاجماع امت کا فر قرار دیا جائے گا۔“ (البدایہ والنہایہ لابن کثیر)

سو آپ سوچے کہ قرآن کے علاوہ سے فیصلہ کرتی عدالتوں کو اسلامی کہنا۔۔۔۔۔ یہ کتنا بڑا جرم ہے؟ ابو جعفر نحاسؒ (۳۸۸ھ) نے فرمایا:

”میں کہتا ہوں کہ فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص یہ بات کہے کہ شادی شدہ زانی کو رجم کرنا واجب نہیں تو وہ کافر ہو گیا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ایک قانون کو رد کر دیا۔“ (معانی القرآن)

مشہور حنفی فقیہ امام ابوالیث سمرقندیؒ (وفات ۷۵۷ھ) نے اس کی تفسیر میں فرمایا:

یعنی: اذالم یقر، ولم یبین... یعنی: هذه الآية عامة فمن جحد حکم الله فهو من الکافرين
”یعنی جب وہ کسی مسئلے میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق سزا کے حق و سچ ہونے کا اقرار نہ کریں، اور نہ اس قانون کو بیان کریں۔۔۔۔۔ یعنی یہ آیت عام ہے جو اللہ تعالیٰ کی شریعت کا انکار کرے وہ کافروں میں سے ہے۔“ (تفسیر بحر العلوم للسمرقندی)

برصغیر کے اہل علم طبقے کے لیے نواب صدیق حسن خان بھوپالیؒ (وفات ۱۳۰۷ھ) کوئی اجنبی شخصیت نہیں۔ نواب صاحب ”نیل المرام“ میں اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”اس آیت میں لفظ من عام ہے جس کا مطلب ہے کہ یہ حکم کسی خاص ایک جماعت کے لیے نہیں ہے بلکہ اس کا حکم ہر حاکم یا جج کے لیے ہے۔“

آیت کی تفسیر اور تاریخی پس منظر

اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین نے یہ فرمایا کہ اس آیت میں کفر سے مراد کفر دون کفر یعنی چھوٹا کفر ہے۔ نیز بعض مفسرین نے یہ فرمایا کہ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی۔ آئیے اس کو وضاحت کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول کہ ”لیس الکفر الذی یذهبون الیه“، ”یہ وہ کفر نہیں جو وہ مراد لیتے ہیں“، خوارج کے بارے میں کہا گیا ہے۔ کیونکہ خوارج اس آیت کو بنیاد بنا کر بغیر کسی تفصیل کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کفر کا حکم لگاتے تھے۔ حالانکہ اہل سنت کے نزدیک اس میں تفصیل ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے الفاظ یذهبون الیه (جو کفر وہ مراد لیتے ہیں) صاف بتا رہے ہیں کہ یہ گفتگو خوارج کے جواب میں ہے، کیونکہ اہل سنت کا یہ مسلک تھا ہی نہیں کہ وہ اس آیت کو بنیاد بنا کر نفوذ باللہ کسی صحابی رسول کو کافر قرار دیتے۔ لہذا جب

اہل سنت کا یہ مسلک تھا ہی نہیں تو ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے بارے میں یہ کیوں فرماتے ”جو کفر و مراد لیتے ہیں۔“

اسی طرح مشہور تابعی ابو مجلزؒ کی وہ گفتگو جو آپ سے بنی عمرو بن سدوس کے لوگوں نے اس بارے میں کی۔ یاد رہے کہ یہ لوگ خوارج تھے۔ ابو مجلزؒ نے ان کو یہی سمجھایا کہ اس آیت میں مطلقاً کفر کا حکم نہیں ہے بلکہ تفصیل ہے۔

اس بحث میں اگر ایک تاریخی پس منظر کو ہم سمجھ لیں تو اس آیت کی تفسیر سمجھنا انتہائی آسان ہو جائے گا۔ یہ روایات ہیں، جن کو امام ابن جریر طبریؒ نے اپنی تفسیر میں اثر نمبر ۲۰۲۵ اور ۱۲۰۲۶ کے تحت روایت کیا ہے۔ اس روایت میں جو گفتگو ہے وہ حضرت ابو مجلزؒ اور بنی عمرو بن سدوس کے لوگوں کے درمیان ہے۔ یاد رہے کہ حضرت ابو مجلزؒ بڑے تابعین میں سے ہیں اور آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے تھے۔ جب کہ بنو عمرو بن سدوس کے جو لوگ آپ سے بات کرنے آئے تھے یہ لوگ پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، بعد میں خوارج بن گئے تھے۔

ان کا کہنا تھا کہ علی رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نعوذ باللہ مرتد ہو گئے۔ دلیل کے طور پر وہ اس آیت کو پیش کرتے تھے کہ جو اللہ کے نازل کردہ سے فیصلہ نہ کرے وہ کافر ہے۔ چنانچہ اس بحث نے اس دور میں زیادہ زور پکڑا۔ لہذا صحابہ اور تابعین نے ان کے جواب میں یہ فرمایا کہ اس آیت سے جو تم حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں کفر ثابت کرنا چاہتے ہو، وہ یہ نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں وہ چیز پائی ہی نہیں جارہی جو تم ثابت کرنا چاہتے ہو، لہذا اس آیت کو دلیل کے طور پر پیش کرنا باطل ہے۔ آپ حضرت ابو مجلزؒ کے الفاظ کو دیکھیں تو بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی۔

ابو مجلزؒ سے خوارج نے پوچھا کہ ان تینوں آیتوں (جس میں اللہ کی شریعت سے فیصلہ نہ کرنے والے کے بارے میں کافر، فاسق اور ظالم ہونے کا بیان ہے) کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا یہ حق ہیں؟ ابو مجلزؒ نے جواب دیا: جی ہاں! خوارج نے پوچھا: تو کیا یہ امراء اللہ کی شریعت کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا:

هو دينهم الذي يدينون به، وبه يقولون، اليه يدعون، فان هم تركوا شيئا منه عرفوا انهم قد اصابوا ذنبا

”یہ شریعت ہی تو ان کا دین اور نظام ہے جس کو وہ بطور دین اپناتے ہیں، اسی کے وہ قائل ہیں اور اسی کی جانب لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ اور اگر اس میں سے کچھ چھوڑ دیں تو وہ جانتے ہیں کہ انہوں نے گناہ کا کام کیا ہے۔“

آگے اور گفتگو ہے پھر آخر میں فرمایا کہ:

”یہ آیت یہود و نصاریٰ اور مشرکین اور ان جیسے لوگوں کے بارے میں ہے۔“ (تفسیر طبری، الجزء ۱۰)

یعنی جو مسلمان امر و احکام اسی شریعت کو آئین کے طور پر اپنے ملک میں نافذ کر دیں، اسی نفاذ شریعت کے قائل ہوں، اور اسی کی دعوت دیں، پھر اگر کسی قانون پر عمل کرنے میں سستی یا تاخیر ہو جائے تو خود کو گناہ گار سمجھیں، تو یہ آیت ایسے امر کے بارے میں نہیں ہے۔ یہ تو ان حکمرانوں کے بارے میں ہے جو یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی طرح ہو جائیں کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کو چھوڑ بیٹھیں۔ نہ اس کو ملک میں آئین کے طور پر نافذ کریں، نہ اس کی بات کریں اور نہ ہی اس کی دعوت دیں۔ یعنی ملک میں شریعت بھی نافذ نہ کریں اور ان کی عدالتیں غیر شرعی قانون کے مطابق فیصلے کریں اور پھر خود کو گناہ گار بھی نہ سمجھیں، تو اس وقت ایسے حکمران یہود و نصاریٰ کی طرح مکمل کافر ہوں گے۔ لیکن تم (خوارج) جن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس آیت کی رو سے کافر ثابت کرنا چاہتے ہو تو یاد رکھو کہ یہ آیت ان کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ یہ آیت یہود و نصاریٰ اور ان لوگوں کے بارے میں ہے جو مقدمات میں یہودیوں جیسے کام کریں۔

اب شاید آپ بات سمجھ گئے ہوں گے کہ جن صحابہ یا تابعین مفسرین نے اس آیت کے بارے میں یہ کہا کہ یہ مسلمانوں کے بارے میں نہیں بلکہ یہود و نصاریٰ کے بارے میں ہے تو ان کا مطلب یہی ہے کہ خوارج اس کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر منطبق کرنا چاہتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کفر سے پاک تھے جو اس آیت میں بیان کیا گیا، جو یہود کے اندر تھا کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کو چھوڑ کر اپنے بنائے آئین سے فیصلہ کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی شریعت کو چھوڑ بیٹھے تھے، پھر اس کو اپنے لیے قانونی اور آئینی قرار دے دیا تھا چنانچہ خود کو اس برے فعل پر گناہ گار بھی نہیں سمجھتے تھے۔

البتہ ان مفسرین کے نزدیک بھی اس آیت کا حکم عام ہے۔ یعنی وہ باتیں جو یہود میں تھیں اگر کسی مسلمان ریاست، حکام یا جج میں وہ باتیں پائی جائیں گی تو وہ بھی یہود کی طرح مکمل کافر ہو گا۔ جیسا کہ ابو مجلزؒ کی روایت میں یہ موجود ہے کہ ”جو ان یہود و نصاریٰ کی طرح کرے گا، یہ آیت ان کے بارے میں ہے۔“

یہ بات ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے بلکہ امام المفسرین ابن جریر طبریؒ نے اس آیت پر خوب بحث کے بعد اپنی رائے اس طرح بیان فرمائی ہے:

(باقی صفحہ نمبر 34 پر)

جاوید کے نام

خودی کے سار میں ہے غمِ جاوید کا سُراغ
خودی کے سونے روشن ہیں اُستوں کے چراغ
یہ ایک بات کہ آدم ہے صاحبِ مقصود
ہزار گونہ منہ و رخ و ہزار گونہ منہ و رخ
ہوتی نہ زراغ میں پیدا بلند پروازی
غراب گر لیتی شاہیں نیچے کو صحبتِ زراغ
جیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے واغ
ٹھہرے گا نہ کسی حلقہ میں اقبال
کہ ہے طریف و عیش اندیشہ و شکستہ و باغ

محمد اقبالؒ

اپنے بیٹے جاوید کو مخاطب کرتے ہوئے دراصل اقبال کے سامنے امتِ مسلمہ کی آئندہ کی ساری ہی نسلیں ہیں، امت کے جوان بیٹے بیٹیاں اقبال کے مخاطب ہیں۔ اقبالؒ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس نے خودی کو پالیا تو عمرِ جاوید اس کو حاصل ہو گئی [خودی خدا اور سول خدا (علیہ صلاۃ اللہ و سلام) کے عشق اور اتباع و فرماں برداری کا نام ہے]۔ اور اہل ایمان بخوبی باخبر ہیں کہ مومن کے سامنے تو ہر گھڑی آخرت کی زندگی رہتی ہے، عمرِ جاوید ان سے ختم ہونے والی زندگی تو جنت ہی کی ہے اور اتباعِ خدا اور سولِ خدا (علیہ صلاۃ اللہ و سلام) اس جنت کا پتہ ہے اور جنت کے محلات کی شاہ کلید بھی۔ پھر اس حیاتِ جاویدانی سے مراد دنیا میں بھی صاحبِ خودی کے عمل کا زندہ رہنا ہے۔ اتباعِ شریعت وہ خودی ہے کہ جب تک رہے تو دُئی و لاہور کے ظاہری و باطنی چراغ روشن رہیں اور جب اتباعِ شریعت سیاست و معاشرت سے اٹھ جائے تو عالمگیر کے تخت کے وارث ہندوؤں کی غلامی کی زندگی پر مجبور ہو جائیں! یہی خودی ہے جو اپنی گرمی سے قوموں کی راہ پر رکھے چراغوں کو روشن رکھتی ہے، وہ راہیں جو عروج کی طرف لے جاتی ہیں۔

اقبالِ امت کے جوانوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ ہر انسان کسی نہ کسی مقصد کے پیچھے لگا ہوا ہے، خودی کے تناظر میں یہاں مقصد بھی اللہ کی غلامی ہونا چاہیے۔ پھر اس غلامی میں جہاں جی علی الصلاۃ کی آواز آئے تو قبلہ رُو ہو کر سر بسجود ہو اور جہاں جی علی الجہاد کی صدا سنے تو وہی سر جو نماز میں جھکا یا تھا کٹھانے پر آمادہ ہو جائے۔ بامقصد زندگی ایک ایسا عزم ہے جس کی راہ میں ہزاروں قسم کی زیب و زینت اور ہزار قسم کی راحت و آرام بچے ہیں۔

دوسرے کا بچا شکار کھانے والا، دوسرے سے عیاری سے رزق کے ٹکڑے چھیننے والا نہ بلند نظر ہوتا ہے اور نہ ہی بلند پرواز۔ پس ایسے پست قد و پست کردار لوگوں سے بقول میاں محمد بخش صاحب 'فیض کسے ناپایا' (فیض کسی نے حاصل نہ کیا)، 'ٹکڑے انگور چڑھایا، تے ہر گچھا زخمیالا' (ٹکڑے خاردار درخت کی شاخوں پر جس نے شہر آور انگور کی تیل چڑھائی تو انگور کا ہر خوشہ چھلنی کر دیا)۔ ایسے کو توں گدھوں کی صحبت نے شاہین صفت جوانوں کو پست ہمت و پست نظر کر دیا۔ جن شاہین صفت جوانوں کے آباؤ اجداد کل نوک تلوار سے اپنی تاریخ لکھا کرتے اور جغرافیہ تشکیل دیتے تھے وہ جوان آج مظاہروں میں شرکت اور دیواروں پر پوسٹر چسپاں کر کے کشمیر و فلسطین فتح کرنے کی سوچتے ہیں۔

آج زمانہ بے حیائی کی ہر قید بھلانگ گیا ہے اور سب سے بڑی حیا تو اللہ کی ذات سے حیا ہے کہ انسان اس ذاتِ باری کی نافرمانی سے شرمائے۔ عصمت و غیرت کے جنازے معاشرے میں عام ہیں، حتیٰ کہ جس مملکتِ خدا داد کو (غلط طور سے) اقبال ہی کے خواب کی تعبیر کہا جاتا ہے وہاں کے آئین و قانون میں غیرت و حیا کے ایسے چیتھڑے اڑائے جارہے ہیں کہ الامان والحفیظ! اقبال سبھی جوانوں کی پاک دامنی کی دعا اللہ جلّ جلالہ سے کر رہے ہیں!

قوموں کے لیے موت ہے مرکز سے جدائی!

ام سعد

دیکھ کر شرمائیں یہود!!! اسی یہودی مقبوضہ ریاست اسرائیل کی سرحد سے جڑی مملکت مصر کا حال یہ ہو چکا ہے کہ بڑے بڑے ہوٹلوں میں، جہاں اعلانیہ شراب بکتی ہے، جاپانی خواتین، جنہوں نے اپنے سر ڈھانپ رکھے ہوں نہ کہ چہرہ، کا داخلہ ممنوع ہے۔ یہ ممنوعیت قانونی نہیں مگر عملی ضرور ہے اور ان ہوٹلوں میں جانے والا طبقہ بھی وہ ہے کہ عورت نے اگر سر ڈھانپ بھی رکھا ہو تو اس کا لباس مکمل طور پر مغربی ہی ہوتا ہے۔

اس وقت دنیا کے نقشے پر تین خالص نظریاتی ریاستیں موجود ہیں۔ ایک امارت اسلامیہ افغانستان، دوسری مملکت ایران اور تیسری ریاست اسرائیل۔ یہ کیا طرفہ تماشا ہے کہ یہودیت کے پرچارک تو خواہ فلسطینیوں کو ان کے ذاتی گھروں سے نکال کر ان کی املاک پر قبضہ کریں، ان کے شہروں پر بمباری کریں، ان کی بستیاں کو ڈھا کر وہاں یہودی بستیاں بسائیں، انہیں ان کی مسجد اقصیٰ کی زیارت تک سے روک دیں، ان کے سکول جانے والے ننھے بچوں تک کو خوف سے مر جانے پر مجبور کریں، عام فلسطینی شہریوں کی گاڑیوں پر گولیاں برسائیں، شہریوں کو شہید کریں یا شام میں مجاہدین پر بمباریاں کرتے پھریں یا دوسرے ملکوں کے اندر گھس کر مجاہدین کو گھات لگا کر شہید کریں اور علی الاعلان اس کی ذمہ داری بھی قبول کریں تو ان کی جانب انگلی تک اٹھانا جرم ہے، جبکہ امارت اسلامی افغانستان کے طالبان مجاہدین کو خود ایک فریق مان کر ان کے ساتھ معاہدہ کرنے کے باوجود ان کے وزراء تک پر ملک سے باہر جانے پر پابندی ہو، ان کے لیے انہی کے اموال تک رسائی ناممکن بنادی جائے اور انہی کا مال انہیں امداد کے نام پر اس طرح دیا جائے کہ وہ ان کی مرضی و منشا کے مطابق استعمال بھی نہ ہو سکے، معاہدے کے باوجود ڈرون حملے جاری رکھے جائیں اور نفاذ شریعت کی کوششوں پر انہیں تنقید کا نشانہ بنایا جائے تو یہ عین جائز، حق اور انصاف کا تقاضا ہے!!! جملہ معترضہ ملاحظہ ہو کہ افغانستان کا وہ طبقہ جو دارالحکومت کابل میں طالبان کی آمد کی خبر سنتے ہی سر پر پاؤں رکھ کر اپنے ’آقاؤں‘ کے قدموں میں جگہ پانے کے لیے ایسا بھاگا کہ غالباً سیلاب سے بچنے والے بھی ریمکیو ہیلی کاپٹر کو دیکھ کر اس طرح نہیں بھاگتے، ’روشن‘ مستقبل اور ’آزادی‘ کی تلاش میں آج نہ یہاں کارہانہ وہاں کا۔ جن کے وعدوں پر اعتماد کر کے یہ افغان (جو افغان قوم کے نام پر دھبہ ہیں) اپنا وطن اپنے گھر بار اپنے رشتہ دار چھوڑ کر ہوائی جہاز کے دروازوں اور پروں سے لٹکے، وہ انہیں انتہائی بوسیدہ ہوٹلوں کی عمارتوں میں (جن کی چھتیں ٹپک ٹپک کر راہداروں میں تالاب بنائے دیتی ہیں) ایک ایک کمرہ دے کر، روزانہ ایک جیسی، بہ مشکل گزارے لائق باسی خوراک دے کر، اور خاندانوں کو منتشر کر کے علیحدہ علیحدہ علاقوں میں رہائش پذیر ہونے پر مجبور کر کے فارغ

اگر آپ کو کہیں ایسی خواتین نظر آئیں جو اپنا جسم اور بال اچھی طرح ڈھانپے ہوئے ہوں، اور جن میں سے ایک ایک کے پیچھے چھ سے بارہ بچوں کی قطار ہو اور ان میں سے اکثر گھر داری، بچے پیدا کرنے اور ان کی پرورش کرنے کے علاوہ کئی کئی نوکریاں بھی کر رہی ہوں تاکہ وہ اپنے گھریلو اخراجات پورے کر سکیں اور ان سے پوچھنے پر معلوم ہو کہ ان کے شوہر حضرات نے اپنے آپ کو اپنے دینی مدارس میں دین کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے وقف کر دیا ہے اور وہ اس پر فخر کرتی ہیں اور یہ سمجھتی ہیں کہ مردوں کو اللہ رب العزت نے اپنے دین کا علم حاصل کرنے ہی کے لیے پیدا کیا ہے لہذا وہ اس شوہر کی خدمت، اس کا گھر چلانے کے لیے نوکری کرنے اور اس کے ڈھیروں ڈھیروں بچے پیدا کرنے اور ان کی پرورش کرنے کو نہ صرف اپنی ذمہ داری بلکہ اپنے لیے سعادت سمجھتی ہیں بلکہ اس سب کے بدلے میں اگر انہیں اپنے شوہر سے ان تعلیمات کا کچھ حصہ سیکھنے کا موقع مل جاتا ہے جس کا علم حاصل کرنے کے لیے وہ یکسوئی کے ساتھ دن رات ایک کیے ہوئے ہیں تو یہ ان کے لیے بہت بڑی نعمت ہے..... تو ہرگز ان پر دہشت گرد، بنیاد پرست، قدامت پرست ملاک لیلبل لگانے کی غلطی مت کیجیے گا کیونکہ یہ مسلمان مجاہدین کے گھروں کی خواتین نہیں بلکہ قدامت پرست یہودی خواتین ہیں جن کے شوہروں نے خود کو تورات کی تعلیم کے لیے وقف کر رکھا ہے، ریاست اسرائیل انہیں ماہانہ وظیفہ دیتی ہے، وہ اس دو سالہ لازمی فوجی سروس سے بھی مستثنیٰ ہیں جس کی پابندی ہر اسرائیلی مرد کو کرنی ہوتی ہے، ان کے یہاں مخلوط تعلیمی ادارے، مخلوط عبادت گاہیں نہیں ہوتیں، ان کی خواتین (کم از کم گھنٹوں تک) مکمل سائر لباس پہنتی ہیں اور بچوں کی کثرت پر فخر کرتی ہیں کہ وہ سب بھی بڑے ہو کر ان کے دین کے عالم بنیں گے۔ جدید طرز زندگی کو یہ لوگ گناہ سمجھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ قدامت پرست یہودی مردوں کی بیشتر تعداد کہیں نوکری کرنے کے قابل نہیں کہ وہ مخلوط اور آزاد ماحول سے ہم آہنگ نہیں ہو پاتے لہذا ان کے لیے ایسے ادارے قائم کیے جا رہے ہیں کہ جہاں صرف قدامت پرست یہودی ہی کام کرتے ہیں، ان کے کام کی جگہ کے ساتھ ہی ان کے لیے عبادت گاہ بھی بنایا جاتا ہے، ان کے دفتر میں محض حلال (کوشر) غذا ہی ملتی ہے اور خواتین اور مردوں کے کام کے کمرے بالکل جدا ہوتے ہیں۔

کیوں! حیرت ہوئی نا یہ سب جان کر!!! یہ یہودی وہ ہیں کہ پوری دنیا کا میڈیا ان کے ہاتھ میں ہے اور یہ ساری دنیا کو فاشی اور عریانی کی راہ پر ڈال رہے ہیں؛ جبکہ ان کے اپنے مذہب پر جیروکار ان کی عورتیں اپنی آواز تک نا حرم کو سنانا شرعاً ناجائز سمجھتی ہیں اور وہ ایسا لباس پہنتی ہیں جس سے جسم نہ جھلکتا ہو، قمیض کے گلے چھوٹے اور آستینیں کلائی تک ہوں اور اگر وہ شادی شدہ ہوں تو گھر سے باہر نکلتے ہوئے وہ سر بھی ڈھانپتی ہیں مگر دوسری طرف ’یہ مسلمان ہیں جنہیں

ہو چکے ہیں۔ دہائی دینے پر عملی مشکلات کا رونا ان 'مہاجرین مال' کے سامنے رو دیا جاتا ہے اور بس۔ نہ خدا ہی ملانہ وصال صم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے۔ یہ خود ساختہ 'مہاجرین' ایک ایک کر کے اندر کئی کئی افراد مقید ہو کر نفسیاتی بیمار یوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ تعلیم کا سلسلہ بھی ان کا یہاں منقطع ہے۔ باہر نکلنے کی آزادی بھی یہاں مسدود ہے (افغانستان میں نہیں)، کام کرنے کے مواقع بھی تاحال پیدا نہیں ہوئے..... لیکن امید بہار رکھ..... یقیناً یہاں ان کا مستقبل افغانستان میں رہنے کے مقابلے میں بہت روشن ہے۔

دنیا میں اگر کوئی قوم بحیثیت مجموعی اپنی تاریخ اپنی شناخت، اپنے دین اور شعائر دین سے بے بہرہ اور بے نیاز نظر آتی ہے تو وہ مسلمان ہے۔ غلامی کے مختلف ادوار نے مسلمانوں کے دلوں اور ذہنوں سے ان کے دین پر فخر کھرچ کر نکال دیا ہے، اب وہ حصول دنیا ہی کو عزت اور کامیابی کا ضامن سمجھتے ہیں اور اپنے دین پر عمل حتیٰ کہ اپنے دین سے منسوب ہونے کا اظہار کرنے کو ہی تنزیل کا باعث جانتے ہیں۔ جو اپنے آپ کو بہت اچھا مسلمان سمجھتا ہے اس کا حال بھی یہ ہے کہ وہ نظریاتی طور پر جس بات کو صحیح کہتا ہے اس کا عمل اس کے بالکل خلاف ظاہر ہوتا ہے۔ انٹرنیٹ پر موجود ایک ویڈیو کلپ میں جب ایک مسلمان نوجوان سے اس کی آئیڈیل شخصیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو بولا: چونکہ میں مسلمان ہوں لہذا میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کو اپنا آئیڈیل بتاؤں گا، البتہ موجود لوگوں میں میرا آئیڈیل فلاں مشہور سوشل میڈیا انفلوئنسر ہے۔ گویا ایک ہی جملے میں آسمان اور زمین کو، اکرم الاکریم اور اسفل السافلین کو ایک کر دیا۔ دوسری طرف مغضوب علیہم یہود کا یہ حال ہے کہ جہاں ایک طرف وہ دنیاوی ترقی، لبرل ازم، سیکولر ازم کی زندہ مثال ہیں، وہیں انہوں نے اپنے بچے بچے کے دل و ذہن میں مسلمان کے خلاف تعصب، مسجد اقصیٰ ڈھانے کا خواب اور ریاست اسرائیل کی قدرو قیمت بخوبی جمار کھی ہے۔ الجزیرہ چینل کی نشر کردہ ایک دستاویزی فلم میں فلسطین میں بسنے والے مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کی روزمرہ زندگی اور ان کے خیالات و تصورات کا کسی حد تک جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ اور بات کہ انٹرویو کے لیے جن شخصیات کا چناؤ الجزیرہ نے کیا ان میں ایک قدامت پسند یہودی رہی ہے اور اس کے مقابلے میں ایک سادہ سا مسلمان دکاندار۔ مسلمان کی بیٹی کا خواب یونیورسٹی جانا اور وکیل بننا ہے، جبکہ یہودی کی بیٹی تورات میں درج احکام کی پابندی، ماں کا ہاتھ بٹانے اور خدا کو راضی کرنے کو اپنا نصب العین بتاتی ہے۔ نیز یہودی رہی سے جب یہ سوال کیا گیا کہ اگر اس کی بیٹی کسی غیر یہودی سے شادی کر لے تو اس کا کیا رد عمل ہو گا، تو اس کا جواب مسلمان کے جواب کے بالعکس تھا جس نے کہا تھا کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اس کی بیٹی کسی غیر مسلم سے شادی کرے، یہ شرعاً ناجائز ہے، جبکہ رہی نے کہا کہ اس کی پہلی کوشش تو یہ ہو گی کہ اس کی بیٹی کا شوہر یہودی بن جائے، اگر وہ اس پر راضی نہ ہو تو وہ اپنی بیٹی کو نصیحت کرے گا کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ اچھی طرح نباہ کرے تاکہ ان کی جو

اولاد پیدا ہو اسے وہ سہولت کے ساتھ با عمل یہودی بنا سکے۔ آنے والی نسلوں کی خاطر شوہر سے نباہ کرنا اور ان نسلوں کے اندر یہودیت اتارنا اور انہیں ان کے دین سے جوڑے رکھنا یہودی عورت کی زندگی کا مقصد ہے۔ مسلمان عورتوں کو 'میرا جسم میری مرضی' جیسے بے حیا نعرے کے پیچھے لگا کر ان کے گھر اور خاندان تباہ کرنے والے، بچوں کی پیدائش اور پرورش کو ان کے لیے کلنک کا ٹیکہ بنا دینے والے، گھرداری اور شوہر کی خدمت کو حقوق نسواں کے منہ پر تھپڑ قرار دینے والے بزبان خود کہتے ہیں کہ 'ہم کم عمری سے ہی اپنے بچوں کی تربیت یہودی اقدار کے مطابق کرتے ہیں'۔

یہ وہ واضح فرق ہے کہ جس کی طرف مسلمانوں کو دل کی آنکھیں کھول کر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ مسلمان کو اللہ رب العزت نے شیر بنا کر حکومت کرنے کے لیے پیدا کیا ہے بھیڑ بنا کر نہیں کہ آنکھیں کھلی مگر دماغ بند کر کے جھوٹے جھاتے چلتے چلے جائیں۔ جہاں جس نے جس نعرے کے پیچھے لگا دیا بغیر سوچے سمجھے اس کی پیروی کرنے لگیں۔ آج اگر ہمارے بچے قرآن پاک حفظ کریں، اس کی تعلیم حاصل کریں، مدارس دینیہ میں اپنے دین کا علم حاصل کریں تو ان کی دنیاوی ضروریات کی فکر کرنا مملکت کا فرض ہے اور مملکت اگر اپنے فرائض سے غافل ہے تو استطاعت رکھنے والے اصحاب خیر کو اس طرف توجہ دینی چاہیے۔ فلاحی خیراتی اداروں کو چندہ دینے والوں کی تعداد بہت ہے، مگر اپنے دین کا علم حاصل کرنے، اس دین کے نفاذ کی عملی کوشش کرنے والوں کی کوششوں میں اپنا حصہ ڈالنے والوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہے۔

دنیا بھر میں مسلمانوں کے خلاف ظلم کا بازار گرم ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان ہر ظلم کے سامنے سر جھکاتے چلے جا رہے ہیں۔ مسلمان ظالم نہیں ہوتا تو مظلوم اور مسکین بن کر رہنا بھی اس کی شان کے خلاف ہے۔ جو سر ظلم کے خلاف اٹھنا نہیں جانتا اس کا مقدر یا ظالموں کی ٹھوکریں سہنا ہوتا ہے یا اسے کاٹ دیا جاتا ہے۔ حق دار کو اس کا حق اس کی مسکنت نہیں بلکہ اس کی قوت کی بنا پر ملتا ہے، اس کو حق ملتا ہے جو خود کو حق دار ثابت کرے۔ مسلمان خواہ کشمیری ہو یا ہندی، ایغور ہو یا روہنگیا، افریقی ہو یا ایشیائی اسی وقت سر اٹھا کر جی سکے گا جب وہ اپنے دین کے ساتھ جڑے گا اس دین کے ساتھ جو اسے آسمانوں کی بلندی سے جوڑتا ہے، جو کائنات کے مالک کے ساتھ اس کا رابطہ استوار کرتا ہے اور جو اسے اس کی شناخت عطا کرتا ہے، ہو ستمکم المسلمین، ان سب کو ایک رنگ میں رنگتا ہے؛ سرخ، زعفرانی، سیاہ یا زرد رنگ میں نہیں بلکہ اللہ کے رنگ میں، صبغة اللہ.....

(باقی صفحہ نمبر 34 پر)

قطر، فیفا ورلڈ کپ اور 'خدمتِ اسلام'

معین الدین شامی

تو اسلامی بیکناری نہیں، میں دنیا کا کوئی آئین اور کوئی قانون اور کوئی انٹرنیشنل لاء نہیں مانتا، میرے سامنے کسی اقوام متحدہ کے کسی چارٹر کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ اسلام ہے! یہ تو پچھلی آسمانی شریعتوں کو بھی منسوخ کرتا ہے، تو انسانی اختراع کردہ نظریات و فلسفوں اور بھول بھلیوں کا قصہ ہی کیا؟؟!!

فلہذا یہ بیان معیار تھا! اسلام معیار ہے، جس طرح یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا، جس طرح حضورؐ نے اس کو نافذ کیا اور جس طرح اس اسلام کو صحابہ کرام اور سلف صالحین، خیر القرون (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے برتا اور ہر شعبہ ہائے زندگی میں حاکم بنایا اور بالکل اسی طرح جس طرح اس اسلام نے ایک بار پھر دنیا میں غالب ہونا ہے اور محض غالب نہیں ہونا بلکہ دنیا کے ہر کپے کے مکان میں داخل ہو کر اللہ وحدہ لا شریک کی حاکمیت قائم کرنا ہے، چاہے اہل عزت اس کو عزت کے ساتھ قبول کریں یا اہل ذلت ذلت کے ساتھ اسلام کے سامنے ناک رگڑیں۔

ایک جنگ جاری ہے

دنیا کا ہر ذی شعور انسان بخوبی جانتا ہے کہ دنیا میں آج بھی آدم اور ابلیس کی لڑائی جاری ہے۔ بلکہ آدم اور ابلیس کی لڑائی آج دنیا میں اپنی سنگین ترین صورت اختیار کر چکی ہے اور اس لڑائی کی سنگینی میں برابر اضافہ ہوتا رہے گا یہاں تک کہ مسیح ابن مریم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) آسمان سے دوزرہ چادروں میں لپٹے، فرشتوں کا سہارا لیے اتریں اور زمین میں، زمین کے عالمی اور اول و آخر بد معاشوں اور کذابوں کے سرغنے دجال اکبر کو اپنے نیزے سے قتل نہ کر دیں۔ پس آج زمانے کی آخری جنگ مغرب کے سمندر سے مشرق کے ساحل تک اور قطب شمالی تا قطب جنوبی مختلف شکلوں میں جاری ہے اور اس وقت اسی جنگ کو دیکھنے کا ایک زاویہ قطر میں جاری فیفا ورلڈ کپ ہے۔

ایک معیار 'نیوٹرل' دنیا کا بھی ہے!

ایک طرف بھوک سے ہلکتی، صرف امت مسلمہ نہیں پوری انسانیت، ماحولیاتی تبدیلیوں کے سبب قیامت خیز سیلابوں کی نذر ہوتی انسانیت، چھینٹی چلاتی بے لباس انسانیت اور دوسری طرف عیش و طرب کی نظیر دو سو بیس (۲۲۰) ارب ڈالر کا فیفا ورلڈ کپ اور اس ورلڈ کپ کو قطر میں

قطر میں فیفا ورلڈ کپ جاری ہے اور دنیا بھر کی سکریٹوں پر چاہے وہ سمارٹ فونوں کی ہوں یا ہاتھی سائز ٹیلی وژنوں کی، قطر خبروں میں چھایا ہوا ہے۔ اور قطر کے خبروں میں چھانے کا سبب دولتِ قطر کے اس ورلڈ کپ کے دوران 'اسلامی اقدامات' ہیں۔ ہم بھی اسی تبصروں اور نظریات کی دنیا میں اپنا موقف رکھنا چاہتے ہیں لیکن آئیے پہلے اپنی گفتگو کے لیے معیار مقرر کر لیتے ہیں۔

ہمارا معیار کیا ہے؟

ہمارا تعلق دنیا کے ان نام نہاد لوگوں میں سے نہیں جو اپنی رائے کو معتدل یا نیوٹرل قرار دیتے ہیں، دنیا میں تو پینے کو ایسا پانی بھی میسر نہیں جو نیوٹرل pH رکھتا ہو۔ یہ اسی جدید 'تہذیب' کا شاخسانہ ہے جس کے تحت دنیا کو 'نیوٹرل' ہونے یا کسی معاملے میں نیوٹرل رائے رکھنے کا دھوکہ دیا گیا ہے، حالانکہ دنیا میں neutrality نام کی کسی شے کا کوئی وجود نہیں۔ لہذا ہم نیوٹرل نہیں ہیں۔ ہم دنیا میں جاری براہ راست جنگوں اور افکار کے معرکے میں اپنے لوگوں، اپنے عقائد اور اپنے شعائر و مفادات کے ساتھ کھڑے ہیں۔

جس طرح ساری دنیا پیسے، خواہشات، نظریات و غیرہ کی غلام ہے، ہم بھی غلام ہیں اور ہم غلاموں کا مالک، رب السموات والارض ہے، جس نے اس کارخانہ حیات کو آزمائش کے لیے پیدا کیا ہے تاکہ وہ دیکھے اور پرکھے کہ کون ہے جو اسی پروردگار کی نگاہ میں بہترین عمل کرتا ہے؟ اس مالک نے افکار و نظریات اور مذاہب و ادیان کے معرکے میں اپنے غلاموں کے لیے ایک دین، ایک نظریہ، ایک فکر اور ایک مذہب، life style، way of living پسند کر لیا ہے اور اس کا نام 'اسلام' ہے^۱۔ اب جنگ ہو یا امن، معاشرت ہو یا معیشت، کھیل ہو یا ثقافت، انسانی تعلقات نکاح و طلاق ہوں یا معاملات ہر چیز میں اسی 'اسلام' کو دیکھا جائے گا اور اس میں بھی 'دکیشن' ان کی رہی، کی طرح نہیں کہ جو جی چاہے اٹھا لو اور جو جی چاہے چھوڑ دو، نہیں، جس طرح سرمایہ داری پورہ پکچ ہے، جس طرح اشتراکیت پورہ پکچ ہے، جس طرح جمہوریت پورہ پکچ ہے صرف مخصوص اصول و ضوابط نہیں، way of life ہے اسی طرح یہ 'اسلام' بھی پورہ پکچ ہے، کامل پکچ ہے، اکمل پکچ ہے^۲۔ اور جب میرے آقا و مالک نے اس کا نام 'اسلام' رکھا ہے تو میں بھی اس کو اسلام ہی کے نام سے یاد کروں گا، عورتوں کے حقوق آئے تو فیمن ازم اور اس کی دوسری اور تیسری لہر کی لغوبات نہیں، معیشت آئی تو کپٹل ازم کی اچھی باتیں نہیں، اقتصاد آیا

^۱ اَلْیَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ (سورۃ المائدہ: ۳)

^۲ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ..... جس دین کو اس (اللہ نے) ان (مومنوں) کے لیے پسند کیا ہے: یعنی اسلام۔ (سورۃ

النور: ۵۵)۔ وَصَیْبَتْ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (سورۃ المائدہ: ۳)

منعقد کروانے کے لیے دی گئی بھاری رشوت کی رقم الگ ہے۔ سمجھنے کے لیے عرض ہے کہ ۲۲۰ ارب ڈالر پاکستان جیسے تئیس کروڑ انسانوں کے ملک کے سالانہ بجٹ کا پانچ گنا ہے۔

قطر کے محاسن

ہم نے بغور بھی اور بنظر غائر بھی دیکھا کہ:

- فیفا ورلڈ کپ کا غیر رسمی آغاز سورۃ الحجرات کی آیات سے ہوا۔
- بعد ازاں ورلڈ کپ کا رسمی آغاز سورۃ الحجرات کی اس مبارک آیت سے ہوا: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝
- قطر میں جگہ جگہ احادیثِ نبوی (علی صاحبہا صلوٰۃ و سلام) نمایاں کر کے لکھی گئیں۔
- ہوٹلوں کے آرام کمروں میں دین اسلام کی معلومات سے بھرپور ویب سائٹوں کے بار کوڈز کے سٹیکرز چسپاں کیے گئے۔
- حدودِ سنیڈیم میں اکٹل پینے پلانے پر پابندی لگی۔
- سرعام ہم جنس پرستی پر ٹوک لگائی گئی۔
- 'حد' سے زیادہ 'چھوٹے' کپڑے پہن کر باہر نکلنے پر پابندی لگی۔
- خوش الحان مؤذن لائے گئے اور کھیل کے میدانوں کے لاؤڈ سپیکروں کو اذان والے مائیکوں سے جوڑ دیا گیا۔
- اسلام کی طرف دعوت دیتے دوہزار لوگوں کی ٹیم کو ہر طرف بکھیرا گیا، دس عدد موبائل دعوتی یونٹس اور دس عدد دعوتی خیمے نصب کیے گئے۔
- ورلڈ کپ کی عالمی تاریخ میں پہلی بار وضو خانے اور جائے نمازیں تشکیل دی گئیں۔
- بانہوں میں بانہیں ڈلی مخلوط ہل بازی کو دو منٹ کے لیے روک دیا گیا کہ اب اذان کا وقت ہے۔
- یقیناً یہ فہرست طویل ہے۔

قطر کے 'خصوصی' محاسن

دولتِ قطر کے بعض ایسے محاسن و فضائل بھی ہیں جو فیفا ورلڈ کپ کے شور میں کہیں دب سے گئے، ان پر بھی ایک نظر غائر ڈالے:

- امن و بھائی چارگی، اخوت اور انسانی غموں کے دادرس اور انسانی حقوق کے سب سے بڑے علم بردار امریکہ کی مشرق وسطیٰ میں سب سے بڑی ملٹری بیس 'العدید' قطر میں واقع ہے۔

○ اس فوجی بیس سے پھول اور پھول جھڑیاں نہیں بلکہ آتش و آہن سے لبریز بم 'دہشت گردی' کے خلاف جنگ میں اٹھارہ ہزار بار امریکی طیاروں سے برسائے گئے۔

○ دہشت گردی کے خلاف جاری پچھلے بیس سالہ 'ورلڈ کپ' میں اسی العدید بیس سے امریکہ نے اپنے انیس اعشاریہ سات (19.7%) فیصد عالمی سطح کے حملے کیے۔

- اسی طرح جدید دنیا کے سابقہ ٹھیکے دار 'برطانیہ' کی بھی مشرق وسطیٰ میں سب سے بڑی فوجی بیس قطر ہی میں واقع ہے۔

• مسجد اقصیٰ پر قابض اسرائیل کے اداروں کے لیے دسیوں دفاتر قطر کے شہر دوحہ میں ہیں^۱۔

- نفاذِ شریعت کا انکار۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وطن جزیرۃ العرب (کے ایک حصے قطر) میں اسلام کی جگہ سیکولر سرمایہ دار و سرمایہ پرست بادشاہت (Secular-Capitalist-Kingdom) کا نفاذ۔

• رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کا انکار و نافرمانی بلکہ اس چوری کے ساتھ سینہ زوری۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "أخرجوا المشركين من جزيرة العرب"، مشرکوں کو کافروں کو جزیرۃ العرب سے نکال دو اور دولتِ قطر نے ان کو نکالنے کے بجائے ان کو فوجی اڈے بنانا کر دیے اور ان اڈوں میں ان فوجیوں کے لیے شراب و شباب کا خرچہ اس تیل اور گیس کی قیمت سے چکاتے ہیں جو قطر کی زمین سے نکلتا ہے۔

- سورۃ الحجرات کی آیت مبارکہ کو ایک بین الاقوامی تھیٹر میں پڑھا تو گویا، لیکن اس پر داد دینے سے پہلے ذرا اس کا سیاق و سباق ملاحظہ رہے۔

○ امریکی ہالی ووڈ کے ایکٹر مورگن فری مین کی اداکاری میں دنیا کے انسانوں کی جنس و رنگ کے اختلاف پر سوال اٹھایا گیا تو جواب میں ایک قطری کی جانب سے اس آیت مبارکہ کو پڑھا گیا۔

○ پھر اس آیت کے معانی و مفہوم میں کمال اداکاری و مکاری سے تحریف کی گئی اور دنیا میں بستے لوگوں کے رنگ و نسل کی خوبصورتی بیان کی گئی، کہا گیا کہ اہل عالم، عالم میں باہمی احترام و برداشت کے ساتھ رہ سکتے ہیں اور

إِنَّ أَكْثَرَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتَقَاتُ كُفْرًا يَهْدِيهِمْ إِلَىٰ ضَلَالٍ عَظِيمٍ
ہے ہی نہیں۔ ظاہر ہے سامنے ایک مذہبائیکولر یا عیسائی شخص اور بین
الاقوامی کافر دنیا کے سامنے تقویٰ کا بیان چہ معنی؟ (اگرچہ بعد امور گن
فری مین کے قبول اسلام کی خبریں بھی ہیں، اگر یہ سچ ہیں تو اللہ جل جلالہ
اس کے دل کو نور ایمان کے لیے کھول دیں، بہر حال بوقت تقریب وہ
مسلمان نہ تھا)

- قرآن شریف کی آیات کے ذکر کے بعد دنیا کے 'ممتاز ترین بھانڈ میراثیوں اور
رقاصوں سے ناچ گانا کروایا گیا۔
- سرعام homosexuality پر ٹوک لگا کر خوب داد سمیٹی لیکن ہوٹلوں کے
آرام کمروں میں اسی زنا و بدکاری کے لیے مواقع فراہم کیے۔ ہماری بے باکی پر
معاف کیجیے لیکن سرعام ہم جنس پرستی کی ممانعت کا مطلب بھی ایک رسمی قطری
ترجمان کے مطابق سمجھ لیجیے کہ 'show of homosexual or heterosexual affection in public'
یعنی 'سرعام جنسی
حرکتیں کرنے پر پابندی ہے ہم جنس بھی اور مرد و عورت کی عام جنسی حرکتیں
بھی اور وہ بھی اس لیے نہیں کہ اسلام نے یہ پابندی لگائی ہے، اس لیے کہ یہ
عرب قطری کلچر کے خلاف ہے۔ باقی قوم لوط کے عربی و عجمی پیروکار مردوں سے
مرد یا عورتوں سے عورتیں منہ کالا کریں اس پر کوئی پابندی نہیں۔
- ایل جی بی ٹی (کی حیوانی) کیونٹی کے افراد کو صرف دھنک رنگ کے جھنڈوں
سے 'آراستہ' جھنڈے اور کپڑے پہننا منع ہے کیونکہ یہ قطری روایات کے خلاف
ہے اور ایسا نہ ہو کہ کوئی 'مخرب انتہا پسند' مسلمان ان دھنک رنگوں کو دیکھ کر
مشتعل ہو جائے اور دھنک رنگ ابلیسی نسل کو کوئی 'نقصان' پہنچائے۔ آزادی
اظہار کی اجازت جتنی بھی ہو اور امریکہ اور برطانیہ ایل جی بی ٹی کی حمایت جتنی
بھی کر لیں ظاہر ہے امریکی کانگریس یا برطانوی پارلیمنٹ کے اجلاس کے دوران
اسی کانگریس یا ہاؤس آف کامنز کے بیچوں پر ایل جی بی ٹی سے منسوب افعال
کرنے کی اجازت تو وہاں بھی نہیں ہے (ہر جگہ کے کچھ اصول بھی ہوتے ہیں)!
- شراب نوشی پر ممانعت حدود سنڈیم میں ہے تاکہ کوئی زیادہ پی کر سنڈیم میں ہلڑ
بازی نہ کرے اور امن عامہ خراب نہ ہو، علاوہ ازیں پیٹے پلانے پر نہ کوئی پابندی
ہے اور نہ ہی کوئی سزا۔

معیار پر نظر ہو، معیار پر!

لوگ کہتے ہیں کہ تم بھی کیسے دیوانے، تنگ نظر ہو کہ اچھائیاں نظر نہیں آتیں اور برائیاں
دیکھتے ہو۔ اسی لیے پہلے پہل ہم نے معیار بیان کر دیا۔ اللہ کی شریعت کامل و اکمل پہنچے۔ سینما
گری اور ڈرامہ بازی نہیں ہے کہ شکل مومنوں اور کر توت کافروں۔ قطر کو کسی نے کینٹی پر
بندوق رکھ کر مجبور نہ کیا تھا کہ وہ فیفا ورلڈ کپ اپنے ملک میں کروائے، قطر گناہوں، فحاشی و
عریانی، فسق و فجور، سٹے و قمار، شراب اور زنا و بد فعلی سے لبریز اس تقریب کو خود قطر میں
گھسیٹ کر، سیاسی لابیگ اور رشوت کے زور سے لایا ہے۔ اس قطر میں جو جزیرۃ العرب، مگر
عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا وطن ہے، وہ قطر جو کعبۃ اللہ کے پڑوس میں واقع ہے۔ عربوں ڈالر کے
فسق و فجور میں ڈاکٹر ڈاکٹر نائیک صاحب کو تبلیغ دین کے لیے لے آنا ایسا ہی ہے جیسے عیسائی
ساری زندگی فسق و معصیت میں گزارنے کے بعد اپنے پادری کے پاس جا کر گناہ معاف کروا
لیتے ہیں اور راتیں سیاہ کرنے کے بعد پیشہ ور لوگ تہجد کے لیے مصلوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں!

کون سا اسلام؟

قطر اس ورلڈ کپ کے نتیجے میں کس اسلام کا راگ الاپ رہا ہے؟ کون سے اسلام کی مالاچی جا
رہی ہے؟ مجھے سیّد قطب یاد آ رہے ہیں۔

جب سیّد قطب رحمۃ اللہ علیہ کے گلے میں موت کا پھندہ ڈال دیا گیا تو وہاں موت کے قیدیوں کو
کلمہ پڑھانے پر مامور ایک اہلکار نے آگے بڑھ کر کہا 'سیّد! کلمہ پڑھ لو!'

سیّد قطب نے اس سے پوچھا 'کون سا کلمہ؟'..... وہ 'کلمہ' جس کے سبب تمہارا روزگار لگا ہوا
ہے یا وہ 'کلمہ' جس کے سبب مجھے پھانسی دے کر قتل کیا جا رہا ہے؟۔

پس قطر، فیفا ورلڈ کپ، اسلام کی دعوت و تبلیغ، جائے نمازوں، اذانوں، خوش الحان قاریوں کی
آوازیں وغیرہ میں ہمارا بھی یہی سوال ہے۔ کون سا اسلام؟

- جس 'اسلام' کے سبب العدید سے بیس ہزار بمباریاں جیٹ جہازوں اور ڈرون
طیاروں کی صورت افغانستان، یمن، صومالیہ، پاکستان اور شام میں ہوئیں یا وہ
'اسلام' جس کے نام لیا انہی بمباریوں میں تہہ آتش و بارود ہمیشہ کے لیے سو
گئے؟
- جس 'اسلام' لانے والے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے وطن جزیرۃ العرب
سے کفار کو نکال دینے کی وصیت فرمائی یا جس 'اسلام' کے سبب امریکیوں کے
فوجی اڈے قائم کیے گئے؟

(باقی صفحہ نمبر 34 پر)

شیخ اسامہ بن لادن، امریکی دباؤ اور ملا محمد عمر کا عزم مصمم

قاری عبدالستار سعید

رابطے کی لوکیشن معلوم ہو جائے گی، ان کو پتہ چل جائے گا کہ اسامہ بن لادن افغانستان میں نہیں ہے اور وہ حملہ کرنے کا ارادہ ترک کر دیں گے۔

میں نماز عصر کے وقت ملا صاحب کی جگہ پر چلا گیا۔ بعد از نماز عصر ملا صاحب سے ملاقات ہوئی اور ان کو کہا کہ آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔ آپ مسجد کے پیچھے چلے گئے، وہاں پتھر کے اوپر بیٹھ گئے۔ میں نے علما کے وفد کی باتیں تفصیل سے بیان کر دیں۔

میری گفتگو کے بعد ملا صاحب نے بڑے حوصلے سے مجھے مفصل جواب دیا۔ ملا صاحب نے آغاز گفتگو میں مجھ سے سوال کیا کہ 'اگر امریکہ نے ہم پر حملہ کر دیا تو ہماری حکومت کتنا عرصہ مزاحمت کر سکے گی؟'۔

میں نے کہا 'میرے علم میں نہیں'۔ ملا صاحب نے اپنے سوال کا خود جواب دیا اور کہا 'میرے خیال میں اگر ہم مزاحمت کریں تو مزاحمت صرف اور صرف دو مہینے چلے گی، اس کے بعد امریکہ ہم پر غلبہ پالے گا۔ بمباریاں، حملے، گھروں اور شہروں کی تباہی، مسلمانوں کی شہادتیں اور گرفتاریاں واقع ہوں گی۔ پھر امارت کا ہر فرد امریکہ کو مطلوب ہو گا اور ان کو مختلف قسم کی سزائیں دی جائیں گی۔ اور میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنے لیے، یا اپنے بیٹے، قربت داروں اور ساتھیوں کے لیے زمین کے اوپر ایک بالشت بھی امن کی جگہ نہیں بنائی اور نہ ہی میرے پاس کوئی پناہ گاہ ہے۔ تو اگر یہ صورتحال ہے تو اس حملے میں تو میں خود، میری اولاد اور گھر انہ تباہ ہو جائے گا۔ تو اگر یہ ساری مشکلات ہمارے راستے میں ہیں اور اس کو روکنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ میں اسامہ بن لادن کو امریکہ کے حوالے کر دوں، تو اس صورت میں میں کیوں نہ شیخ اسامہ کو امریکہ کے حوالے کروں؟ پھر کیوں میں یہ سارے مصائب اپنے لیے قبول کر رہا ہوں اور یہ ایک کام نہیں کر رہا؟'۔

پھر ملا صاحب نے اپنی گفتگو آگے بڑھائی اور کہا 'دیکھیے دو باتیں ہیں، ایک یہ کہ میں اس دنیا میں ہر تکلیف، شہادتوں اور در بدریوں سمیت سب کچھ قبول کر سکتا ہوں مگر آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی اور شرمندگی قبول

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ملا محمد عمر مجاہد حملہ آور امریکہ کی عالمی فوجی و سیاسی قوت کے بارے میں لاعلم تھے۔ آپ امریکہ کو خطرہ نہیں سمجھتے تھے، اس لیے امریکہ کے مطالبے پر شیخ اسامہ بن لادن سمیت باقی مجاہدین کو امریکہ کے حوالے کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ دوسری بات یہ کہ شیخ اسامہ بن لادن افغانستان پر امریکی حملے کا سبب بنے۔ لیکن حقیقت یہ نہیں۔

ملا صاحب کے قریبی ساتھی کہتے ہیں کہ آپ کو اس بات کا اندازہ تھا کہ امریکہ اپنی پوری قوت کے ساتھ افغانستان پر حملہ آور ہو گا۔ جی ہاں! پھر وہ کیا اہم عوامل تھے جس کی بدولت ملا صاحب نے اتنے بڑے خطرے کو اپنے سر لیا لیکن غیر ملکی مجاہدین اور مجاہدین کو تسلیم کرنا قبول نہیں کیا؟

ملا محمد شیرین اخوند¹ (جو اس دور میں امارت کے سکیورٹی انچارج تھے اور ملا محمد عمر مجاہد کے قریبی ساتھی تھے) اس بارے میں اپنا آنکھوں دیکھا اور کانوں سنا حال بیان کرتے ہیں جو یقین کی حد تک امریکی حملے کے حوالے سے ملا صاحب کی فکر اور موقف کی عکاسی کرتا ہے۔ ملا محمد شیرین اخوند کہتے ہیں:

"گیارہ ستمبر کے واقعے کے بعد جب امریکہ ایک بڑی جنگ شروع کرنے کی تیاریوں میں لگا ہوا تھا، امریکی جنگی بیڑے بحر ہند کی طرف رواں دواں تھے اور میڈیا پر مستقل افغانستان پر امریکہ کے حملہ کرنے کے حوالے سے باتیں گردش کر رہی تھیں۔ ان دنوں ملا صاحب کے پاس کافی لوگ ملنے آتے تھے اور آپ کے ساتھ مختلف قسم کے مشورے اور درخواستیں کرتے تھے۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ اسامہ بن لادن اور ان کے ساتھیوں کو امریکہ کے حوالے کیا جائے اور بعض اس کے خلاف مختلف قسم کے مشورے دیتے تھے۔

ان ایام میں جب ہر رات امریکی حملے کا خدشہ موجود تھا، تو ملا صاحب کچھ احتیاط کرتے ہوئے عام ملاقاتوں سے گریز کرتے تھے۔ ایک دن علمائے کرام کا ایک گروہ ملا صاحب سے ملنے آیا، میں نے ان کے ساتھ ملاقات کی۔ انہوں نے مجھے کہا کہ 'ہمارے مشورے ملا صاحب تک پہنچا دیں'۔ انہوں نے کہا کہ 'ملا صاحب اسامہ بن لادن کو امر کریں کہ وہ افغانستان سے نکل کر کسی دوسرے ملک مثلاً تاجکستان منتقل ہو جائیں اور ادھر سے سیٹلائٹ فون پر میڈیا کو یہ پیغام دیں کہ میں افغانستان میں نہیں ہوں۔ اس طرح امریکہ کو

¹ حالیہ امارت اسلامیہ افغانستان میں وزارت دفاع کے رئیس استخبارات

نہیں کر سکتا۔ میں دنیا میں اس کے لیے حاضر ہوں کہ میری حکومت اور ہر چیز ختم ہو جائے لیکن روز قیامت اللہ تعالیٰ کے سامنے ملامت و رسوائی قبول کرنا میرے لیے مشکل ہے۔ مجھ سے اللہ تعالیٰ ضرور پوچھے گا کہ ان مسلمانوں کو کس دلیل پر کافروں کے حوالے کر دیا۔

دوسری بات یہ کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ابھی شیخ اسامہ کو پکڑ کے امریکہ کے حوالے کر دو پھر بھی یہ امریکہ ہمیں نہیں چھوڑے گا۔ امریکہ کی دشمنی ہمارے ساتھ اسامہ کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کو اس نظام سے مشکل ہے اور جس بہانے سے بھی ہو وہ اس نظام کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔

امریکہ ایک مکار عورت کی مانند ہے۔ اگر ہم نے یہ مطالبہ اس کا قبول کیا تو فوراً دوسرا مطالبہ رکھے گا، اگر ہم نے دوسرا قبول کیا تو اگلا مطالبہ رکھے گا۔ یہاں تک کہ آخر میں ہمیں مجبور کر دے گا کہ ہم نہ اس کو جواب دیں اور نہ ہی اس کا مطالبہ قبول کریں۔ اگر ہم نے ابھی یہ مطالبہ قبول کیا، تو اس کے بعد فوراً کہے گا کہ اسلامی قوانین کو معطل کر دیں ورنہ ہم حملہ کرنے والے ہیں، دوسرے دن دوسرا مطالبہ چلے گا، اور آخر میں ہمیں اس حد تک پہنچا دے گا کہ ہم اس کے مطالبات کو رد کر دیں۔ تو اگر ہم نے بعد میں جا کر ان کے مطالبات کو رد کرنا ہے تو شروع میں کیوں نہ ان کو جواب دے دیں۔ ہم کیوں ان کو مسلمانوں کی کمزوری اور بے ہمتی دکھائیں۔ میرا اس بات پر یقین ہے کہ امریکہ اس وقت تک ہمیں نہیں چھوڑے گا جب تک ہم پورے اسلامی نظام کے قیام سے پیچھے نہ ہٹ جائیں۔“

گیارہ ستمبر کے واقعے کے بعد جب امریکہ حملے کی دھمکیاں دے رہا تھا اور ذرائع ابلاغ بھی مسلسل افغانیوں کو خوفزدہ کرنے کی غرض سے جنگ اور حملہ کرنے کی خبریں نشر کر رہے تھے۔ ملا صاحب نے ان مصائب و آلام سے بھرے حالات میں شریعت کی ہدایات کی روشنی میں معاملہ کیا اور امریکہ کے سامنے سر جھکانے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے حضور اور شریعت محمدی ﷺ کی طرف رجوع کیا اور ان آزمائش کے مراحل سے نکلنے کا راستہ اللہ رب العزت کی رہنمائی سے طلب کیا۔

ملا صاحب نے ایک عمومی نصائح بھرے پیغام کو نشر کرتے ہوئے اپنے مومن ہم وطنوں اور خصوصاً امارت اسلامیہ کے کارکنوں کو نصیحت کی کہ اس آزمائش کے مرحلے سے کامیابی کے ساتھ نکلنے کے لیے ختم قرآن کریں، نماز فجر میں قنوت نازلہ کا اہتمام کریں اور اللہ تعالیٰ کے

حضور عجز و انکساری کے ساتھ دعا کریں کہ اللہ رب العزت ہمیں اس آزمائش و امتحان سے سرخرو نکالے۔

کابل میں علمائے کرام کا اجلاس

چونکہ مسئلہ سنگین تھا اور دینی اعتبار سے اس مسئلے پر مشورے کی ضرورت تھی، ملا صاحب نے قبل از حتمی فیصلہ علمائے کرام کا ایک بڑا اجلاس منعقد کرنے کا فرمان صادر کیا۔ تاکہ اس مسئلے کے تمام موضوعات پر تفصیلی شرعی بحث ہو اور اس کے بعد امارت اسلامیہ کو ایک شرعی فتویٰ دیا جائے اور اس فتوے کی روشنی میں امارت اپنا شرعی موقف بیان کرے۔

امارت اسلامیہ کے دور میں علمائے کرام کی طرف سے بڑے اور فوق العادہ مسائل پر غور و فکر اور حتمی فیصلہ صادر کرنے کی غرض سے بڑے اجلاس منعقد کیے جاتے تھے۔ پہلا اجلاس قندھار میں منعقد ہوا جس میں علمائے کرام کے فیصلے کے بعد امارت اسلامیہ کو ایک حاکم شرعی نظام کے طور پر قبول کیا گیا اور ملا محمد عمر مجاہد کو ایک شرعی زعمیم کی حیثیت سے امیر المومنین کا لقب دیا گیا۔

علمائے کرام کا دوسرا اجلاس اُس وقت کابل میں منعقد ہوا جب مزار شریف میں ایرانی سفارت کاروں کے قتل کا واقعہ پیش آیا اور اس کے بعد ایران نے افغانستان پر حملے کی دھمکی دی اور افغانستان کی سرحدات پر فوجی نقل و حرکت تیز کر دی۔ اس وقت بھی امارت اسلامیہ یہ اہم سمجھتی تھی کہ ایک رسمی شرعی موقف پیش کرنے کے لیے دینی علمائے کرام سے مشورہ اور فتویٰ لیا جائے تاکہ آنے والے حالات کے بارے میں شریعت کی روشنی میں قدم اٹھانے میں آسانی ہو۔

۱۷ ستمبر ۲۰۰۱ء کو ملک بھر سے علمائے کرام کابل کی طرف آنا شروع ہو گئے۔ یہ اجلاس کابل کے مشہور حکومتی مہمان خانے انٹر کانٹیننٹل ہوٹل میں منعقد ہوا۔ ۱۹ ستمبر کو ایک ہزار علما کی موجودگی میں اس کا آغاز ہوا۔ اجلاس میں امارت اسلامیہ کے ریاست الوزراء کے معاون ملا محمد حسن اخوند^۱ سمیت امارت اسلامیہ کے کئی منصوبین نے شرکت کی اور سٹیج کے فرائض وزیر تعلیم و تربیت ملا امیر خان متقی نے سنبھالے۔ اجلاس کے لیے ملا محمد عمر مجاہد کی طرف سے بھی پیغام بھیجا گیا تھا جس میں شیخ اسامہ کے موضوع کے اوپر امریکہ کے ساتھ گرما گرمی، اب تک امارت اسلامیہ کی طرف سے اقامتات اور موضوع کے حوالے سے مزید وضاحتیں بیان کی گئی تھیں۔ اور آخر میں علمائے کرام سے گزارش کی گئی تھی کہ اس موضوع کے حل کے لیے امارت اسلامیہ کو شریعت مقدسہ کی روشنی میں فتویٰ دے دیجیے تاکہ مستقبل میں اس پر عمل ہو۔

^۱ حالیہ امارت اسلامی افغانستان کے رئیس الوزراء

یہ اجلاس دو دن تک جاری رہا۔ اجلاس کے آخر میں اعلامیہ جاری کیا گیا جس کے اہم نکات درجہ ذیل ہیں:

- افغانستان کے علما مطالبہ کرتے ہیں کہ امریکہ میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں اقوام متحدہ اور اسلامی کانفرنس تحقیقات کر لے تاکہ اصلی حقائق سامنے آئیں اور بے گناہ لوگوں کو تکلیف پہنچانے سے روکا جاسکے۔
- اقوام متحدہ اور اسلامی کانفرنس امریکہ کے صدر کی اس بات پر غور کرے جو اس نے کہا کہ یہ جنگ ایک صلیبی جنگ ہوگی۔ اس بات نے پوری دنیا کے مسلمانوں کے احساسات کو ابھارا ہے اور دنیا کو ایک بڑے خطرے میں مبتلا کیا ہے۔
- موجودہ تنازع کو ختم کرنے اور آئندہ ان جیسے واقعات پیش آنے کی صورت میں بدگمانی کا راستہ روکنے کے لیے علمائے کرام کی یہ بڑی شوریٰ امارت اسلامیہ کو گزارش کرتی ہے کہ شیخ اسامہ بن لادن کو تشویق و اختیار دے کہ ان کے لیے ممکن ہو تو اپنی خواہش پر افغانستان سے نکل جائیں اور اپنے لیے کسی دوسری جگہ کا انتخاب کریں۔
- اوپر ذکر کیے گئے فیصلوں پر روشنی ڈالنے کے باوجود اگر امریکہ اپنی بات پر ڈٹا رہا اور افغانستان پر حملہ کیا تو مقدس شریعت کی روشنی میں اس کا حکم مندرجہ ذیل نقاط پر مشتمل ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

1. ہمارے فقہانے لکھا ہے کہ اگر کفار مسلمانوں کے کسی ملک پر حملہ کریں تو اس ملک

کے مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہے۔ قرآن کریم کی آیات، احادیث مبارکہ اور فقہ کی کتابیں مسلمانوں کو جہاد کا امر دیتی ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً
وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ (سورة التوبة: ۱۲۳)

”اے ایمان والو! ان کافروں سے لڑو جو تم سے قریب ہیں۔ اور ہونا یہ چاہیے کہ وہ تمہارے اندر سختی محسوس کریں اور یقین رکھو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔“

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ (سورة التوبة: ۱۹۰)

”اور ان لوگوں سے اللہ کے راستے میں جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔“

إِذْ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ يَأْتِيهِمْ ظُلُمٌ أَوَّارٌ فَإِنَّهُمُ لَكَاذِبُونَ (سورة الحج: ۲۲)

”جن لوگوں سے جنگ کی جارہی ہے، انھیں اجازت دی جاتی ہے (کہ وہ اپنے دفاع میں لڑیں) کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے، اور یقین رکھو کہ اللہ ان کو فتح دلانے پر پوری طرح قادر ہے۔“

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مشرکین سے اپنے مالوں، جانوں اور زبانوں سے جہاد کرو۔“ (ابوداؤد، نسائی)

امام سرخسیؒ نے مبسوط میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قتال کا حکم دیا ہے ان مشرکین کے ساتھ جو جنگ میں پہل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے حکم دیا گیا ہے ان مسلمانوں کو جن کے ساتھ جنگ کی جارہی ہے، سب اس کے کہ بے شک ان پر ظلم ہوا ہے۔ یعنی ان کو اپنی دفاع کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اگر یہ کفار تمہارے ساتھ لڑائی کرتے ہیں تو تم بھی ان کے ساتھ لڑائی کرو اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر انہوں نے صلح کی طرف رجوع کر لیا، تو تم بھی صلح کی طرف رجوع کر لو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے حکم ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کافروں کے ساتھ جنگ کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کریں۔

فتاویٰ ہندیہ میں ذکر آیا ہے کہ عام مشائخ رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ جہاد ہر حالت میں فرض ہے لیکن نفیر عام سے قبل کفایہ ہے اور نفیر عام کے بعد فرض عین ہے اور یہ روایت صحیح ہے۔

2. اگر کفار نے کسی اسلامی ملک پر حملہ کر دیا اور اس ملک کے باسی تنہا مقابلے کی سکت

نہ رکھتے ہوں تو دنیا بھر کے مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے:

فتاویٰ ہندیہ میں ذکر ہے: پس جب ثابت ہو جائے نفیر عام تو جہاد کفایہ سے فرض (عین) ہو جاتا ہے تمام اہل اسلام پر مشرق تا مغرب تک، اگر نفیر عام کی خبر ہو جائے تو تحقیق کے ساتھ جہاد فرض ہو جاتا ہے ان پر جو دشمن کے قریب ہوں اور جہاد پر قادر ہوں۔ اور وہ مسلمان جو دشمن سے دور ہیں، ان پر جہاد فرض کفایہ ہے نہ کہ فرض عین، ان کے لیے جائز ہے کہ وہ جہاد چھوڑ دیں۔ لیکن جب دور رہنے والے مسلمانوں کی ضرورت پڑے، ایسے وقت میں جب دشمن کے قریب رہنے والے مسلمان مقابلہ کرنے سے عاجز ہوں یا سستی میں پڑ جائیں یا جہاد کو ترک کر دیں، پھر جہاد فرض عین ہے ان پر جو دشمن کے قریب ہیں ترتیب کے ساتھ، یہاں تک کہ جہاد فرض عین ہو جائے گا تمام مسلمانوں پر مشرق تا مغرب۔

رد المحتار میں ذکر آیا ہے کہ ہر وہ جگہ جس پر دشمن کے حملے یا تسلط کا خوف ہو تو امیر وقت یا اس جگہ کے رہنے والوں پر فرض ہے کہ اس زمین کی حفاظت کریں اور اگر وہاں کے باسی زمین کی حفاظت پر قادر نہ ہوں تو قریب کے لوگوں پر فرض ہے کہ ان کی مدد کریں یہاں تک کہ دشمن سے مقابلے کے لیے کفایت کرنا ثابت ہو جائے۔

3. اگر کفار مسلمانوں کی سر زمین پر حملہ کریں تو وقتِ ضرورت مسلمان اسلامی اور غیر اسلامی حکومتوں سے مدد حاصل کر سکتے ہیں لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اسلامی احکام غالب اور واضح ہوں گے جیسا کہ ہماری فقہی کتابوں لکھا ہے: اعلیٰ السنن کے مصنف نے اپنی کتاب میں شرح السیر الکبیر سے نقل کیا ہے:

اس میں کوئی حرج نہیں کہ مسلمان مدد مانگیں مشرکین سے مقابلے میں جب کفار پر اسلام کا حکم غالب اور ظاہر ہو۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے یہود کے بنی قینقاع سے مدد مانگی تھی بنو قریظہ کے ساتھ لڑائی میں۔ صفوان بنی کریم ﷺ کے ساتھ نکلا، حنین اور طائف کی لڑائی میں موجود تھا، حالانکہ صفوان مشرک تھا۔ تو یہ بات ثابت ہو گئی کہ اس میں حرج نہیں کہ ان سے مدد لی جائے کفار کے خاتمے میں اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کتوں کو استعمال کیا جائے کفار کے خاتمے کے لیے اور اس کا نبی کریم ﷺ نے اشارہ کیا اس بیان کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی نصرت کرتا ہے ایسے لوگوں کے ذریعے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

اعلیٰ السنن کے مصنف کہتے ہیں کہ شرح السیر الکبیر کی عبارت سے کفار سے مدد لینا جائز معلوم ہوتا ہے جب کافروں پر اسلام کا حکم غالب ہو، چاہے کفار مشرکین ہوں یا اہل کتاب۔

4. اگر امریکی کارروائیوں کے دوران کوئی مسلمان چاہے وہ افغانی ہو یا غیر افغانی، کفار کے ساتھ مدد و معاونت یا ان کے لیے جاسوسی کرے، تو وہ فرد بھی خارجی مجتہدین کے حکم میں آتا ہے اور واجب القتل ہے۔ جیسا کہ رد المحتار میں یہ مسئلہ ذکر شدہ ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم

کابل میں منعقد علمائے کرام کی شوریٰ نے اپنے اعلامیہ میں شیخ اسامہ بن لادن اور ان کے ساتھیوں کو امر نہیں دیا کہ وہ افغانستان سے نکل جائیں، البتہ انہیں مشورہ دیا کہ وہ اپنی پسند سے چاہیں تو افغانستان سے ان کا نکلنا فائدہ مند ہے۔¹

بش کی سرکردگی اور وائٹ ہاؤس کے جنگ چاہنے والے حکمرانوں نے اس اعلامیہ کے فوراً بعد یہ اعلان کیا کہ طالبان افغانستان سے اسامہ بن لادن کو نکالنے کے باوجود بیچ نہیں پائیں گے کیونکہ ان کا یہ فیصلہ اسامہ بن لادن کو ایک پناہ گاہ سے دوسری پناہ گاہ منتقل کر دے گا۔

¹ یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ بعد ایشیاء اسامہ اور ان کے ساتھی افغانستان سے اسی سال (۲۰۰۱ء) نکل گئے، لیکن شیخ اسامہ کے نکلنے کے ساتھ امریکہ افغانستان سے نہیں نکلا، بلکہ دس سال بعد ۲۰۱۱ء میں ایبٹ آباد پاکستان میں شیخ اسامہ کی شہادت کے بعد بھی امریکہ نے مزید دس سال افغانستان میں جنگ جاری رکھی۔ گویا امیر المومنین ملا

۲۱ ستمبر، جب کابل میں علمائے کرام کے اجلاس کا آخری دن تھا، امریکہ کے صدر بش نے کانگریس کے سامنے اپنی گفتگو میں افغانستان پر حملے کو ایک ”صلیبی جنگ“ کا عنوان دیا اور دنیا والوں کو بڑے غرور کے ساتھ کہا کہ ”یہاں ہمارا ساتھ دو گے یا دہشت گردوں کا“۔ صدر بش نے اسامہ بن لادن کے حوالے سے طالبان کو مخاطب کر کے کہا کہ ”اسامہ مجھے زندہ یا مردہ چاہیے!“۔

ملا محمد عمر مجاہد کے دفتر کے ایک کارکن نے کہا کہ:

جب ملا صاحب نے ریڈیو کے ذریعے بش کے کبر و غرور سے بھری یہ بات سنی کہ ”اسامہ مجھے زندہ یا مردہ چاہیے“ تو آپ نے اسی وقت جواباً کہا کہ ’واللہ! تم مجھ سے اسامہ کو زندہ لے سکو گے نامردہ!‘۔

ملا صاحب کے دفتر کے ایک کارکن کے بقول اسامہ بن لادن کے موضوع کے بارے میں پڑوسی اور دوسرے اسلامی ممالک کے دینی علماء وقتاً فوقتاً ملا صاحب سے ملاقات کے لیے آتے تھے۔ اگرچہ ان میں سے بعض سیاسی دباؤ کی وجہ سے قندھار تک آتے تھے لیکن ملا صاحب ان علمائے کرام سے ملاقات اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے۔ ملا صاحب ہمیشہ اس مسئلے کا شرعی حل ان کے سامنے پیش کرتے لیکن آنے والے علمائے کرام میں ایک بھی ایسا فرد نہیں ملا جس نے اسامہ بن لادن کو امریکہ کے حوالے کرنے کے بارے میں ملا صاحب کو شرعی فتویٰ دیا ہو۔ اس لیے علمائے کرام کے سامنے امارت اسلامیہ کا شرعی موقف مزید واضح ہو جاتا اور ملا محمد عمر مجاہد کی حقانیت پر ان کا یقین مزید قوی ہو جاتا۔

[ماخوذ از کتاب: عمر ثالث، اردو ترجمہ: جلال الدین حسن یوسف زئی]

☆☆☆☆☆

عمر رحمہ اللہ کی بات پوری ہوئی (جو پچھلی سطور میں آچکی ہے) کہ امریکہ کو اصل مسئلہ شیخ اسامہ سے نہیں بلکہ افغانستان میں قائم نظام (شریعت) سے ہے۔ (ادارہ)

بے بسی!

قاضی ابوالاحمر

حکمران طبقہ ہو یا ان کا ماتحت طبقہ، خود کو کسی عظیم سیارے کی عظیم مخلوق سمجھتا ہے اور اپنے سوا تمام دیگر کو حقیر کیڑے مکوڑے۔ جس طرح نمرود نے تکبر کرتے ہوئے کہا تھا کہ انا جی و امیت، یہ بھی گویا اسی کے پیروکار ہیں اور ان کی تکبر سے اکڑی گردنوں میں گویا طوق ہیں کہ وہ جھکنا جانتی ہی نہیں ہیں اور عملاً ان کا رویہ اور ان کی زبان اور ان کا لب و لہجہ بھی یہی بتاتا ہے کہ لوگوں کی عزت اور ذلت، ان کی زندگی اور موت کے یہی ٹھیکہ دار ہیں۔ اللہ نے ان کو ڈھیل دے رکھی ہے اور یہ جب جس کو چاہتے ہیں مروادیتے ہیں، جس کو چاہتے ہیں اٹھا کر لاپتہ کر دیتے ہیں، اپنے خفیہ سیلوں میں لوگوں کو بدترین تشدد کا نشانہ بناتے ہیں اور علاوہ ان لوگوں پر ظلم ڈھانے کے جن سے یہ ان کے سچے پکے مسلمان ہونے کے سبب بغض رکھتے ہیں، وہ جنہیں کسی وقت یہ خود اپنے مہروں کے طور پر استعمال کرنے کے لیے اہم کرسیوں پر بٹھاتے ہیں، پھر اختلاف پر اعظم سواتی کی طرح ان کی زندگیوں کو عبرت کا ایسا نشان بنا دیتے ہیں کہ آئندہ کوئی ان سے اختلاف کی جرأت نہ کر سکے۔ فوج اور آئی ایس آئی کو یہ جرأت اور یہ قوت دینے والے خود یہ جمہوری حکمران ہیں، اس کو خدا بنا کر پوجنے والا خود یہی جاگیر دار، حکمران اور بیوروکریٹ طبقہ ہے۔ مگر سانپ کو دودھ پلا کر پالنے والوں کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ سانپ کی فطرت ڈسنا ہے اور یہ ڈستے ہوئے کسی دوست دشمن کی تمیز نہیں کرتا۔

دنیا میں ہر طرف تباہی پھیلی ہوئی ہے۔ کورونا کا معاملہ ابھی پوری طرح ٹھنڈا نہیں پڑا تھا کہ نت نئے دیگر وائرس اپنے پر پھیلانے لگے جن میں سے ایک بے راہروی اور ہم جنس پرستی کے نتیجے میں پھیلنے والا monkey pox بھی ہے، پھر پاکستان میں سیلاب ہے تو امریکہ میں طوفان، افریقی ممالک میں قحط ہے تو سپین میں موسمیاتی تبدیلیوں کے باعث تباہ ہوتی ہوئی زیتون کی فصل، روہنگیا کا مسئلہ جلا وطنی اور بے گھری ہے تو ترکستانیوں کا مسئلہ وطن سے باہر نہ نکلنے کی اجازت اور وطن کے اندر جبری گمشدگی، لاپتگی، بدترین تشدد اور نسلوں کی تباہی، فلسطینی اسرائیلیوں کے ہاتھوں تباہ حال ہوئے پڑے ہیں اور شامی بشار کی افواج، روس، ترکی اور امریکہ کی بمباریوں کی وجہ سے، کشمیری اور ہندی مسلمان ہندوؤں کے مظالم سے بدحال ہیں تو دنیا بھر کے عوام، بلا تخصیص، مہنگائی کے ہاتھوں پریشان۔ پھر جہاں یہ سب نہیں ہے وہاں از خود اقدام کر کے جنگ چھیڑ دی گئی ہے اور اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا کر [اس حد تک کہ اس جنگ میں جھوٹے کٹے لیے باقاعدہ فوج کافی نہ ہوئی تو جبری بھرتیاں شروع کر دیں اور اس کے لیے تمام اخلاقی حدود اور معاشرتی اقدار (اگر کوئی ہوں تو) کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مشاہدہ دلی سے اجازت دے دی کہ ہر قسم کے مجرم حتی کہ بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی جیسا گھناؤنا جرم کرنے والوں کو بھی جنگ میں شرکت کی اجازت ہے] انصارف لاکھوں کروڑوں زندگیوں کو داؤ پر لگا دیا ہے بلکہ

پاکستان میں اخلاقی گراؤ اس انتہا کو پہنچ چکی ہے کہ اب لوگوں کے گھروں کے اندر کیمرے لگا کر ان کی ذاتی ویڈیوز بنا کر انہیں ذلیل کیا جانے لگا ہے۔ قطع نظر اس بات سے کہ متاثرہ شخص کون ہے اور اس کے سیاسی نظریات و تصورات کیا ہیں، ہر انسان کا یہ شرعی، قانونی اور آئینی حق ہے کہ اس کی ذاتیات میں مداخلت نہ کی جائے اور اس کی ذاتی زندگی کے ان پہلوؤں میں، جن کی تشہیر کوئی بھی ذی فہم انسان نہیں چاہتا، تجسس اور دخل اندازی نہ کی جائے۔ دشمنی کے بھی کچھ اصول و ضوابط ہوتے ہیں، ایسا بھی کیا کہ انسان کسی کو گرانے کے لیے خود اس حد تک گر جائے کہ اسفل السافلین کے مقام تک جا پہنچے اور پھر یہ سمجھے کہ اس سے بدلہ نہ لیا جائے گا۔ مکافات عمل اسی دنیا میں ہوتا ہے، انسان جو بوتا ہے وہی کاٹا ہے لیکن پھر بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں وہ باز پرس سے بچ جائے اور اپنے مکارنامے اور اپنے دشمن کی ذلت پر خوش ہو کر بغلیں بجاتا پھرے، مگر قبر اور پھر آخرت میں ایک ایک بات کا بدلہ لے لیا جائے گا اور وہاں کوئی عذر کام نہ آئے گا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ گزشتہ دنوں پاکستان تحریک انصاف سے منسلک سینیٹر اعظم سواتی نے، جنہیں کچھ عرصہ قبل خفیہ اداروں نے گرفتار کیا اور تشدد کا نشانہ بھی بنایا تھا، زار و قطار روتے ہوئے میڈیا کو بتایا کہ انہیں ان کی اہلیہ نے فون کیا مگر وہ بات نہیں کر پار ہی تھیں اور فون پر مسلسل رور ہی تھیں۔ پھر انہوں نے اپنی بیٹی کو فون کیا۔ اعظم سواتی نے اپنی بیٹی سے ماں کے رونے کی وجہ دریافت کی تو بیٹی نے بتایا کہ بابا! آپ کی ایک غلط ویڈیو آئی ہے۔ جس پر اعظم سواتی نے بیٹی سے کہا کہ بیٹی! تمہیں معلوم ہے مجھے ایجنسیوں نے اٹھایا تھا، انہوں نے مجھ پر تشدد بھی کیا اور انہوں نے میری ویڈیو بھی بنائی۔ تمہاری ماں یہ جانتی ہے کہ میں نو بجے سو جاتا ہوں اور ساڑھے تین بجے تہجد کے لیے اٹھتا ہوں، لہذا یہ جعلی ویڈیو ہوگی۔ اس پر بیٹی نے کہا کہ بابا! یہ کسی اور کے ساتھ آپ کی ویڈیو نہیں ہے بلکہ امی کے ساتھ ویڈیو ہے (جو کوئیٹ میں بنائی گئی تھی)۔

کہنے کا مقصد ہر گز یہ نہیں کہ ہمیں اعظم سواتی کے سیاسی نظریات سے اتفاق ہے، لیکن کیا جو شخص آپ سے سیاسی یا نظریاتی اختلاف رکھتا ہو وہ انسان نہیں ہوتا، کیا وہ عزت دار نہیں ہوتا، کیا اس کی فیملی لائف نہیں ہوتی، کیا اس کی کوئی پرائیویسی نہیں ہوتی اور کیا محض اس اختلاف کی وجہ سے اس پر ہر طرح کا ظلم جائز اور روا ہو جاتا ہے کہ اسے سرعام اس کی اولاد کے سامنے اس طرح ذلیل کر کے رکھ دیا جائے کہ وہ دوبارہ سراٹھا کر جینے کے قابل نہ رہ سکے؟ پاکستان میں فوج اور آئی ایس آئی وہ درندہ ہے جو پاکستانی عوام کا خون چوس چوس کر اس قدر قوی ہو گیا ہے کہ اب اس ملک کی معیشت اور اس کی سیاست پر محض اسی کا قبضہ ہے۔ آئی ایس آئی اور فوج کا

جنگ کی وجہ سے پوکرین کی برآمدات پر پابندی ساری دنیا میں گندم کی کمی اور اس کی قیمت میں زیادتی کا باعث بنی ہوئی ہے۔

ہونا تو یہ چاہیے کہ قدرتی آفات اور انسان کے اپنے اعمال کے نتائج کے سبب آنے والے بدترین حالات دلوں کو نرم کر دیں اور انسانی ہمدردی کے جذبات اجاگر کریں مگر طرفہ تماشایہ ہے کہ بے حسی اپنی انتہاؤں کو چھو رہی ہے۔ معیارات اس حد تک تبدیل ہو چکے ہیں کہ اب تعجب پر تعجب ہونے لگا ہے۔ ایک طرف تو امریکی طوفان آئن کے تباہ کن اور عبرت انگیز مناظر نظر آتے ہیں کہ جہاں لوگ خود پانی میں گھرے ہیں اور پانچے چڑھائے (معذرت، پانچے تو ان کے یہاں ہوتے ہی نہیں ہیں بلکہ پانچوں کے مقام سے کافی دور تک بھی کچھ نہیں ہوتا) کتوں کو گود میں اٹھا کر محفوظ مقام تک پہنچا رہے ہیں؛ ظاہر ہے کہ کتوں کو ہی گود میں اٹھائیں گے کہ بچے تو اسقاط کر دیے جاتے ہیں؛ اور دوسری طرف ایک زندہ انسان سیاسی ریلی کے کنٹینر کے پیسے تلے کچلا جاتا ہے اور اس پر اس قدر بھی افسوس نہیں کیا جاتا جتنا حادثاتی طور پر کسی بلی کے مرنے پر کیا جاتا ہے۔

بعض مناظر جیسے ذہن سے چپک کر رہ جاتے ہیں حالانکہ وہ اتنے اہم یا توجہ طلب نہیں ہوتے۔ پاکستان میں سیلاب نے کروڑوں لوگوں کی زندگیوں کو صفر پر لا کھڑا کیا۔ کتوں کی زندگیاں گئیں اور اموال، مویشی، فصلوں اور زمینوں کے نقصان کا کوہنہا ہی کیا۔ اصحاب اقتدار کہتے ہیں کہ اتنا نقصان اس لیے ہوا کہ بارشوں کی یہ شدت ناقابل پیشین گوئی تھی، پھر ان علاقوں میں بارشیں برسیں جو مومن سون کے علاقے نہ تھے اور جو مومن سون کے علاقے تھے وہاں ملک بھر میں سیلاب کے بعد بھی قحط ہی رہا، ہو سکتا ہے کہ کسی درجے میں یہ عذر درست بھی ہو مگر پھر بھی اصحاب اقتدار کی دانستہ کوتاہیوں، کرپشن اور محض اپنے پیٹ کا جہنم بھرنے کی حرص و ہوس میں قومی اثاثوں کی لوٹ کھسوٹ جیسے حقائق سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ جو منظر نگاہوں سے گزر کر دل میں کاٹنا سا گاڑ گیا وہ شیریں رحمان کا سیلاب پر تبصرے کے وقت حلیہ اور کسی بھی قسم کی (حتی کہ بناوٹی) ہمدردی سے عاری لب و لہجہ تھا۔ میک اپ سے بری طرح لتھڑے چہرے اور بے ڈھنگے فیشن زدہ حلیے میں اپنے آپ کو اپنی سیاسی پارٹی کو، جمہوری حکومتوں کو سیلاب میں لوگوں کے جان و مال کے نقصان کے ہر قسم کے الزام سے بری کرتے ہوئے سارا ملبہ قدرت اور موسمی ماحولیاتی تبدیلیوں پر ڈال دیا۔ ان حکمرانوں کے رویے، ان کی باتوں، ان کے حلیوں اور ان کے تجزیوں میں کہیں بھی غریب، مسکین، سیلاب میں گھرے، بے گھر عوام سے ہمدردی کی جھلک بھی نظر نہیں آتی۔ کوئی ہمیں کچھ بھی کہے مگر ہمارے لیے مثال ہمارے لیے قد وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیارے واجب الاحترام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی ہیں۔ ایک طرف سیدنا عمرؓ ہیں کہ ملک میں قحط ہے تو اپنے لیے اچھا کھانا خود ممنوع کر رکھا ہے، ایسا حال ہے کہ جسم پر بس بڑیاں اور ماس باقی رہ گیا ہے کہ میرے ملک کے لوگ اس برے حال میں ہیں تو میں حکمران ہو کر، مسئول ہو کر پیٹ بھر کر

کھانا کیسے کھاؤں۔ بیمار ہوئے ہیں تو حال یہ ہے کہ بیت المال میں شہد موجود ہے، جو ان کے علاج کے لیے درکار ہے مگر نہیں لے رہے کہ عوام کو یہ میسر نہیں ہے۔ سیدنا عمرؓ کے اسوے تک نہ بھی پہنچنے کی کوشش کریں مگر انسانی ہمدردی اتنا تو مطالبہ کرتی ہی ہے کہ ایک ایک سیاسی ریلی اور جلسے پر کروڑوں لگا دینے والے اپنے اضافی اخراجات کو کم کریں اور دیکھنے والوں کو یہ نظر آئے کہ یہ سیلاب سے تباہ شدہ ملک کا حکمران طبقہ ہے جو انہی بھوکے ننگے لوگوں کے دوڑوں سے برسر اقتدار آتا ہے۔

(باقی صفحہ نمبر 97 پر)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایمانی تکمیل

”جب شیطان کے اثرات ان کے نفوس سے دھل گئے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ جب ان کے نفوس کے اثرات ان کے نفوس سے زائل ہو گئے، نفسانیت کا خاتمہ ہو گیا اور وہ لوگ اپنے نفوس سے ویسا ہی برتاؤ کرنے لگے جیسا کہ وہ دوسرے سے کرتے تھے، دنیا میں رہتے ہوئے مردانِ آخرت، اور نقد سودے کے بازار میں آخرت کے قرض کو دنیا کے نقد پر ترجیح دینے والے بن گئے، نہ کسی مصیبت سے گھبراتے نہ کسی نعمت پر اتراتے، فقر ان کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکتا، دولت سرکشی پیدا نہ کر سکتی، تجارت غافل نہ کرتی، کسی طاقت سے نہ دبتے، اللہ کی زمین پر اکڑنے کا خیال بھی نہ آتا، بگاڑ اور تخریب کا وہم بھی نہ ہو سکتا، لوگوں کے لیے وہ میزانِ عدل تھے، وہ انصاف کے علم بردار تھے، اللہ تعالیٰ کے گواہ تھے، خواہ ان کو اپنے نفس کے خلاف گواہی دینی پڑے خواہ والدین اور اعزہ کے مخالف جانا پڑے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی زمین کو ان کے قدموں میں ڈال دیا، اور دنیا کو ان کے لیے مسخر کر دیا، وہ اس وقت عالم کے محافظ اور اللہ کے دین کے داعی بن گئے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کو اپنا جانشین بنایا، اور آپ خود غنڈہی آنکھوں کے ساتھ رسالت اور امت کی طرف سے اطمینان لے کر رفیقِ اعلیٰ کی طرف سفر کر گئے۔“

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ
محوالہ: انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر

کوئی پرساں نہیں غموں کا

محترمہ عامرہ احسان صاحبہ

ہوئی۔ نوجوان طلبہ چہار جانب جگھٹا کیے تعلیم و تربیت کے گہوارے میں محفوظ ہوتے پائے گئے۔ یہ آئے دن کی کہانی سبھی اعلیٰ تعلیمی مراکز، میں دیکھی جاسکتی ہے۔ کراچی کے معروف ادارے 'IBA' میں بھی یہی سب ہو چکا۔ لوگوں کے واویلے پر سوئے ہوئے ذمہ داران اٹھ کر نوٹس لینے کا اعلان کر دیتے ہیں۔ اٹک شوئی اقدامات اگلے پروگراموں کی راہ ہموار کر دیتے ہیں۔ نوجوان عیش و طرب کے دلدادہ، راتوں رات امیر بن جانے کے نئے تلاش کرتے، بے ہدف غیر ذمہ دارانہ زندگی کا چلن پیش کر رہے ہیں۔ یہ عالمی سطح پر بلائیں جو انیاں نکل رہی ہیں۔ اس وقت انٹرپول کے مطابق دو سو ممالک میں پولیس اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے لیے مالیاتی اور سائبر جرائم سب سے بڑا مسئلہ ہیں۔

حکومتی بیان جاری ہوا ہے: 'پاکستان ماحولیاتی تبدیلی کے خلاف حالت جنگ میں ہے'۔ پاکستان کے تناظر میں یہ بیان نہایت درست یوں ہے کہ ماحولیاتی (تباہ کن) تبدیلیوں نے موسمیاتی تبدیلی پیدا کی ہے۔ گزشتہ بیس سالوں میں روشن خیالی ہی روشن خیالی میں ہم نے معاشرے کو تاریکیوں سے بھر دیا۔ پورا ماحول آلودگیوں سے اٹ گیا۔ پاکیزگی اور تقدس پامال ہوا۔ عورت نے گھر کو خیر باد کہہ کر سڑکوں بازاروں، شاپنگ مالز، بل بورڈوں، فیشن انڈسٹری، ماڈلنگ کی راہ لی۔ مہذب لباس جاتا رہا۔ کم سے کم ترین، کالی اسکرینوں، موبائلوں، سوشل میڈیا کی تماشوں، تماش بینوں کو فراوانیوں نے ماحول کو سفلہ پن، سطحیت اور بالآخر مجرمانہ سفاکی سے بھر دیا۔ نسوانیت، نسائیت کا تقدس مٹنے لگا، شہوانیت چھا گئی۔ ماحولیاتی تبدیلی بھر کر موسمیاتی طوفان بن کر اٹھی۔ پورا ملک تھپیڑوں کی زد میں تھا۔ کاش آپ بروقت کمر بستہ ہو جاتے۔ حالت جنگ میں تو ہم سود خوری کی بنا پر پہلے ہی (قرآن کے فرمان کے مطابق) ڈھٹائی سے خم ٹھونکنے کھڑے تھے۔

'اس کے بعد اس کی قوم پر ہم نے آسمان سے کوئی لشکر نہیں اتارا۔ ہمیں لشکر بھیجنے کی کوئی حاجت نہ تھی۔' (یٰسین: ۲۸)

اللہ کی گرفت خاموشی سے آن پڑتی ہے۔ کلح بالبصر۔ آن کی آن میں۔ پک جھپکنے میں اللہ کا حکم آن کھڑا ہوتا ہے۔ سو شرق تا غرب موسمی تھپیڑوں نے ہمیں آلیا۔

سیلاب زدہ علاقوں کی خبروں کو سیاسی بگولوں، معاشی جھکولوں نے بلیک آؤٹ کر رکھا ہے۔ وبائیں، بیماریاں، ڈینگی، دواؤں، ڈاکٹروں، طبی سہولتوں، خوراک، صاف پانی کی کمیابی۔ ابھی تک کھڑا پانی۔ اس پر مستزاد کچھ علاقوں پر دیمک کی یلغار۔ حکومت اور روسا کے پاس فرصت کہاں۔ پنہ کجا کجا نہم۔ وہ سو چھیدوں والی جھولی پھیلا کر انہی کے لیے بھیج اکٹھی کر رہی ہے۔

نادیدہ ہاتھ ملک کو عدم استحکام کی طرف دھکیلے چلے جا رہے ہیں۔ لانگ مارچ کے ساتھ ہی سٹاک مارکیٹ میں فوری اڑسٹھ (۶۸) ارب روپے کا نقصان ہوا۔ معیشت بری طرح دوبارہ ڈانواں ڈول ہے۔ سخت لہجے کی انتہائی پریس کانفرنس سے پی ٹی آئی کے کان پر جوں تک نہ رینگی بلکہ فوجی قیادت پر چاند ماری اور بڑھ گئی! پاکستانی تاریخ میں فوج پر اٹھنے والی ہر انگلی کاٹ دی گئی۔ ان کو کھلی چھٹی؟ اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا! عدالتی سطح پر بھی پر اسرار سہولت ہر قدم فراہم کر دی جاتی ہے! تصادم کی فضا پر بھارتی میڈیا مزے لے لے کر جلتی پر تیل ڈال رہا ہے۔

لانگ مارچ چانے میں قوم کا پیسہ (سکیورٹی کے لیے) اپریل سے اب تک دونوں ہاتھوں سے لٹانا پڑ رہا ہے۔ اب آتش افروز تقاریر، کنٹینر، پولیس، جلے، جلوس نجانے کتنے پیداواری دنوں سے قوم کو محروم کر کے انتشار اور افراتفری کا طوفان کھڑا کریں گے۔ کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری۔

سیلاب سے تیس ارب ڈالر کا نقصان ہو چکا۔ ورلڈ بینک، آئی ایم ایف (ہمارے غم خوار!) یونیسف، چین سبھی، ہمیں اور دنیا کو سیلاب یاد دلا رہے ہیں، مگر یہاں کس کو پروا ہے۔ بڑے شہروں اور بڑے لوگوں کے شب و روز دیکھ لیجیے، یوں گویا راوی چین ہی چین لکھ رہا ہے۔ سیلابی علاقوں میں شدید غذائی قلت، سولہ لاکھ بچے متاثر، دس لاکھ افراد صاف پانی سے محروم، ہنگامی امداد کی سفارش! چینی ڈیزاسٹر مینجمنٹ، وفدیہ رپورٹ پیش کر رہا ہے۔ ہمیں سیاسی ڈیزاسٹر مینجمنٹ سے فرصت ملے تو سیلابیوں کو دیکھیں۔ آئی ایم ایف کو بے روزگاری بڑھنے کا خدشہ ہے۔ ورلڈ بینک دنیا کو مدد دینے کو ہانک پکار رہا ہے۔ پاکستان کو اصلاحات کرنے کی تلقین کر رہا ہے۔ حکومت ہر طرف سے قرضے معاف، موخر کروانے اور بھیک اکٹھی کرنے کی مہم پر ہے۔

نوجوان اتنے فارغ کہاں کہ ملک و ملت کا غم کھائیں، ان کے پاس تو تعلیم حاصل کرنے اور ڈھنگ سے پڑھ لکھ لینے کی فرصت نہیں۔ دھواں دھار بیٹنگ بانگ چو کے چھکے اعصاب شکن کرکٹ مقابلوں نے ہلکان کر رکھا ہے۔ گھروں سے نوجوانوں کی میچ پر فلک شکاف نعروں کی دھواں دھاری ان کی حب الوطنی، ملک و قوم سے محبت کی آئینہ دار ہے، اسی کو کافی سمجھیے! والدین بیٹ کا اعلیٰ تعلیم کے لیے نجی اداروں میں بھیجتے ہیں۔ جوان اولاد اپنا بوجھ، ذمہ داری خود کیا اٹھاتی، باپ بہنوں کی مدد کو کیا آتی، تماشوں میں مگن ہے۔ اور بھی غم ہیں زمانے میں پڑھائی کے سوا۔

اعلیٰ تعلیم کس "اعلیٰ درجے" کی ہے۔ دیگ کا ایک دانہ کافی ہے (ایسے کئی آپ دیکھ چکے ہیں)۔ پشاور NCS (نئی یونیورسٹی) میں بدترین، غیر اخلاقی عریاں حلیے میں فحش ناچ کی ویڈیو وائرل

کوئی پرساں نہیں غموں کا ظفر
دیکھنے میں ہزار رشتے ہیں

☆☆☆☆☆

بقیہ: گوشہ افکار شاعر اسلام علامہ محمد اقبالؒ

خانقاہیں اہل دین کے شعائر میں سے ہیں، جہاں اللہ ہو کے بول ہوں اور نفس و باطن کی پاکیزگی کی ریاضتیں تو اس کے خلاف کوئی اللہ والا کیسے ہو سکتا ہے۔ ہاں اقبال جمود کے مخالف ہیں اور جہاد کے قائل ہیں، بقول شاعر جہاد احسن عزیز شہید:

پامال کر اس نفس کو تو خانقاہوں میں
جاں تیری مگر شورش میداں کے لیے ہے

پس پیام اقبال یہی ہے کہ راتوں کے راہب بنو اور دنوں کے شہ سوار۔ راتیں خانقاہوں میں اللہ کے سامنے داڑھیاں اور مصلے رور و کر تر کر نے میں گزارو اور دن میں نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیریؒ، اسی شبیر رضی اللہ عنہ کے عمل کو تازہ کرو جن کے نانائے ستائیس غزوے لڑے اور تہتر سرے روانہ کیے (صلی اللہ علیہ وسلم)، وہی شبیر جن کے ابا (کرم اللہ وجہہ) سے صوفیہ کے اکثر طرق جا کر ملتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

شیخ سدیس نے امریکہ و اسرائیل کا نام نہ لیا!

”جمعہ کی اذان ہوئی اور بمشکل چار رکعت سنت پڑھ سکے کہ خطبہ شروع ہو گیا، خطیب حرم کے نامور امام شیخ عبد الرحمن السدیس تھے، انھوں نے فصاحت و بلاغت سے لبریز بہت شاندار خطبہ دیا، تمام مسلمانان عالم کی صلاح و فلاح کیلئے دعا کی، تمام دشمنان اسلام کا نام لے لے کر ان کی تباہی و بربادی کے لیے بد دعا کی، لیکن اگر ان میں کسی کا نام نہیں لیا تو وہ امریکہ اور اسرائیل تھے۔“

مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ

(بحوالہ: بطواف کعبہ رفقہ، سفر نامہ حج)

علماء، دینی جماعتوں اور ان کے خدمتی اداروں نے وقت لگایا۔ ان مسکینوں لاچاروں کو اللہ سے جوڑ دیں۔ دنیا تو لٹ گئی۔ صبر کے بدلے جنت پکی ہو جائے۔ حکومت بھی عوام کی خیر خواہ ہی ہے۔ ہمہ گیر صبر سکھاتی ہے۔ گیس بجلی، بنیادی ضروریات سے محرومی دے کر۔ دفنوں میں ناروا بلوں، راشن کی، سستے آٹے دال کی جھانسون کی لائٹوں میں رلتے رلاتے مرجائیں گے۔ کلمہ پکار رہے تو آگے گریں مار کس (رحمہا کی نمبر) لگ جائیں گے۔ سو حکمران کہتے ہیں: پھر اس کے بعد کا ہر منظر سہانا ہے۔ آخر ہم سب شکر گزاری کیوں نہ کریں اپنے سے کمتر، مشکل تر حالات میں گرفتاروں کو دیکھ کر۔ ہم عزت آبرو سے شہروں میں مر کر جنازہ اور تدفین اپنے پیاروں کے ہاتھوں پاتے ہیں۔ کیا یہ نعمتِ عظمیٰ کم ہے؟ ناقد رنی نہ کیجیے۔

آخر نشتر ہسپتال ملتان سے چھپن لاوارث لاشیں بھی تو منظر عام پر آئیں۔ وہ جو جنگل کے وحشی قبیلوں کے رہنے بسنے والے تو نہ تھے۔ ترقی کے بلند بانگ دعوؤں کے بیچ یہ سب پس پردہ جاری رہتا ہے۔ مسخ شدہ گفتی سڑتی لاشیں ڈھیر کی صورت چھت پر پھینکی گئیں۔ مگر آپ پریشان نہ ہوں۔ سرکاری انکوائری کے لیے چھ ممبروں کا کمیشن بنادیا گیا ہے۔ انہی کمیشنوں کی طرح جن میں سے ایک شرمناک، المناک جاوید اقبال اسکیڈل لوں والا لاپتا افراد کمیشن تھا۔ سرکار کو ایسی خبروں پر ایک دو دن پریشانی ہوتی اور سوالوں کے جواب دینے پڑتے ہیں۔ پھر میڈیا اگلی خبروں پر چل پڑتا ہے۔ کس میں جرأت ہے کہ پوچھے ایسی لاشوں کا جواز! ڈی این اے ٹیسٹ سے فوری شناخت کے اس دور میں بھی انہیں خاموشی سے اٹھا کر دفن کر دیا گیا! قبل ازیں لاہور میں سینکڑوں ایسی میتیں دفن کروا دیں ایدھی سینٹرز کے ذریعے۔ ہزاروں دید کی پیاسی آنکھیں گھر کے دروازے پر اپنے پیارے لاپٹگان، جبری گمشدگان کی آہٹ کے منتظر بینائی شنوائی کھو کر خود قبروں میں اتر گئے۔ دہشت گردی نامی کوئی بلا ہے تو اس سے بھاری دہشت گردی اور کیا ہوگی۔ بین الاقوامی قوانین کے تحت تو یہ جرم ہے۔ تاہم عالمی جنگ کی مددگاری کی بنا پر پاکستان کو یہ استثناء حاصل رہا کہ دنیا نے انہیں ہلکے پھلکے بیان دے کر چھوڑ دیا۔ چشم پوشی رکھی۔ یہ خونِ خاک نشیناں تھارزق خاک ہوا۔ اس کا جواب ایک ہی دفعہ مانگا جائے گا اور وہ دن بڑا بھاری ہوگا جس پر ایمان ہم بھلا بیٹھے۔ یہ مقدمہ اسی فرد جرم کے تحت جوابدہی طلب ہوگا:

’جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی؟‘ (الکتوبر ۸-۹)

ہمارے اپنے جھگڑے لامنتہا، تصفیہ طلب ہیں۔ اسی کے بیچوں بیچ وزیر اعلیٰ پنجاب دیوالی کا کیک کاٹ رہے ہیں اور بھارت مسلمانوں پر اندھا دھند قیامت ڈھا رہا ہے۔ حجاب، نماز، اذان جرم بنا دی ہے۔ کشمیر پر مظالم بھی لامنتہا ہیں۔ ان بے یار و مددگار مسلمانوں کے عرب (دینی) بھائی دینی میں فخر و انبساط سے دوسرے بڑے مندر کا افتتاح کر کے دینی کو ہندو دوست بنارہے ہیں:

احیائے اسلام کی ایک ہمہ گیر تحریک

شاہ اوریس تالقدار

تحریکوں، اور لبرل ترقی پسندوں کی جانب دیکھتے ہیں۔ آسان الفاظ میں یہ کہ بنیادی طور پر اس سے محض یہ حاصل ہوتا ہے کہ ملک و قوم کی معاشرتی و سیاسی قیادت سیکولر افراد کے ہاتھوں میں ہی رہتی ہے۔

آج جو صورتحال ہمارے لیے ایک حقیقت کا روپ دھار چکی ہے، یہ ایک طویل سلسلے کا حاصل ہے جو استعماری یورش اور نظام اسلامی کے انہدام سے شروع ہوا۔ ہم سب اس دردناک حقیقت سے آشنا ہیں کہ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد آج ایک سیکولر اور کافرانہ نظام کے تحت زندگی گزار رہی ہے۔ یہ نظام مسلمانوں پر زبردستی مسلط کیا گیا۔ نو آبادیاتی دور میں، یورپی حملہ آوروں نے ہماری زمینوں پر حملہ کیا، ہماری دولت اور وسائل لوٹ لیے، نظام شریعت کو منہدم کیا اور اس کی جگہ ایک سیکولر نظام کھڑا کر دیا۔ انگریزوں نے اسلامی سلطنت اور اس کے اداروں کو مکمل طور پر تباہ کر دیا اور اس کی جگہ بہت سے یورپی سیکولر نظام کھڑے کر دیے۔ انگریزوں کے خطے سے جانے کے بعد بھی ان کے چھوڑے گئے یہ نظام فعال رہے۔ آج کی مسلم دنیا میں جو ریاستیں موجود ہیں، وہ مختلف ناموں کے تحت درحقیقت نو آبادیاتی دور کی ریاستوں کا ہی ایک تسلسل ہیں۔ اس کا سیاسی اعتبار سے جو گہرا اثر ہوا سو ہوا، لیکن معاشرتی اعتبار سے بھی اس کے اثرات نمایاں ہیں۔ جن میں سے سرفہرست مسلمانوں کی معاشرتی طاقت کا تدریجاً خاتمہ، اسلام کے معاشرتی رسوخ اور تاثیر میں شدید کمی کا واقع ہونا اور ایک مقامی سیکولر طبقے کی تخلیق ہے۔

برطانوی پارلیمنٹ کے ممبر، ٹامس سینگٹن میکالے نے ہندوستان میں ایک ایسے تعلیمی نظام کو نافذ کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا جس نے ہندوستانیوں کی برین واشنگ کر کے انہیں سیکولر مغربی انداز فکر عطا کیا۔ انتہا درجے کے خود پسند و گھمنڈیاسان، میکالے نے ایک باریہ دعویٰ کیا کہ وہ کسی بھی ایسے معروف سکالر (عالم) کو ڈھونڈنے سے قاصر ہے جو اس بات کا رد کر سکے کہ 'یورپ کی کسی بھی اچھی لائبریری کی ایک شیلیف (الماری کا طاق) بھی ہندوستان اور عرب کے تمام مقامی ادب سے زیادہ قدر و منزلت کی حامل ہے'۔ اس تعلیمی نظام کے اہداف کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے جسے انگریز برصغیر ہندوستان پر مسلط کرنے والے تھے، میکالے نے کہا:

”فی الحال ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم حتی المقدور ایک ایسا طبقہ پیدا کرنے کی کوشش کریں جو ہمارے اور ان لاکھوں عوام کے درمیان مترجمین کے فرائض ادا کر سکے۔ ایسے افراد کا طبقہ جو رنگ و نسل کے اعتبار سے ہندوستانی

اس سلسلے کی گزشتہ تحریک کا اختتام ہم نے ان ملاحظیات پر کیا تھا:

بنگلہ دیش جیسے علاقے میں کسی بھی قسم کی تبدیلی پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ توحید، دعوت اور جہاد کی اساس پر کھڑی کی گئی ایک مضبوط اور خود مختار تحریک پائی جائے۔ ایک ایسی تحریک جو شریعت الہی کی حاکمیت کی شدید و ناگزیر ضرورت کو واضح کرے۔ جو معاشرے کے امراض اور برائیوں کی نشاندہی کرے، ان کی بابت اسلام کی تعلیمات اور احکام کو عام کرے اور معاشرے کو یہ بھی بتائے کہ ایک اسلامی نظام ان مسائل سے کیسے بنے گا اور ان کے لیے کیا حل پیش کرے گا..... ایک بار ایک ایسی تحریک پیا ہو جائے، تو وہ مسلمانان بنگلہ دیش کی سیکولر ازم کی جارحیت اور اس کے حملوں سے بھی حفاظت کر سکے گی۔

اگر ہم ان نتائج کو قبول کرتے ہیں، تو پھر ہم اب اپنی گفتگو کا رخ اس جانب موڑ سکتے ہیں کہ ایسی تحریک کیونکر پائی جاسکتی ہے اور کیسے اسے بڑھایا دھچکایا جاسکتا ہے۔

مضمون ہذا میں ہمارا موضوع ایسی ایک تحریک شروع کرنے سے متعلق ہے جو مسلمانان بنگلہ دیش کو درپیش مسائل کا حل پیش کرے۔ لیکن اس گفتگو میں ہم ایک خاص پہلو پر توجہ مرکوز رکھیں گے، جو اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے یا کم از کم حقہ توجہ حاصل نہیں کر پاتا..... اور وہ ہے ایک جامع و ہمہ گیر اسلامی منصوبے کی ضرورت۔ چونکہ اسلام ایک مکمل طریق حیات ہے، یہ معاشرے کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ یعنی ہر قسم کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی مسائل و معاملات کا حل نہ صرف یہ کہ اسلامی نقطہ نظر سے ممکن ہے بلکہ ضروری ہے کہ انہیں اسلام کے تناظر سے ہی حل کیا جائے۔ مگر آج کی اسلامی تحریکیں عوام کے معاشرتی و سیاسی اور اقتصادی مسائل کے مناسب حل پیش کرنے میں بالکل ناکام ہیں۔

ایک جامع اسلامی منصوبے کی ضرورت

بد قسمتی سے بنگلہ دیش کی تقریباً تمام اسلامی تحریکیں اور منصوبے عوام کی معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی ضروریات پوری کرنے سے قاصر ہیں۔ وہ اپنی دعوت کا مرکز و محور ذاتی اور خاندانی زندگی میں پیش آنے والے معاملات، یعنی عبادات اور مسائل و احکام تک محدود رکھتے ہیں۔ وہ معدودے چند جوان معاملات کے بارے میں بات کرتے ہیں، وہ اپنی گفتگو اسلامی نقطہ نظر کے مطابق ڈھالنے میں ناکام رہتے ہیں۔ زیادہ تر ان مسائل پر محض سیکولر نظریات کی تکرار سننے کو ملتی ہے جس میں کوئی قابل قدر نکتہ شامل نہیں ہوتا۔ یہ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے، کیونکہ یہی وجہ ہے کہ عوام کو جب بھی کوئی معاشرتی و سیاسی یا معاشی مسئلہ درپیش ہوتا ہے، تو وہ رہنمائی کے لیے ان تحریکوں کی جانب دیکھنے کے بجائے سیکولر حضرات، یعنی قوم پرست، بائیں بازو کی

نو آبادیاتی دور کے بعد کے قائدین میں سے ہر ایک، نہرو سے لے کر جناح اور مجیب الرحمن تک، سب اس اعتبار سے میکالے کے فرزند تھے۔ وہ سب مغربی سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔ ان کا اندر اور باہر سب سیکولر تھا، اپنی سوچ و فکر اور عقائد میں وہ کالی چھڑی ہونے کے باوجود مکمل طور پر اپنے گورے آقاؤں کی پیروی کرتے تھے۔

ایک صدی سے زائد عرصہ بیت چکا ہے، اور برصغیر کے معاشرے اور سیاست کا قبضہ و اختیار اسی سیکولر طبقے کے ہاتھ میں ہے جسے انگریزوں نے تخلیق کیا۔ تقریباً سو سال بیت چکے ہیں کہ مختلف سیکولر گروہ اپنے اپنے عقیدے و نظریے اور ایجنڈے کے مطابق معاشرے اور ریاست کو چلا رہے ہیں۔ نتیجتاً معاشرتی و اقتصادی معاملات کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر سے گفتگو کرنا اور ان مسائل کے لیے حل اسلام کی تعلیمات میں ڈھونڈنے اور پیش کرنے کا رجحان بھی بتدریج کم ہو گیا ہے۔ اسی طرح اسلامی تحریکوں نے بھی اپنی دعوت کے موضوعات کو محدود و متعین کر لیا ہے۔

اس سب کا نتیجہ ہے کہ آج بہت سے لوگ اسلام کو محض چند عقائد اور ذاتی زندگی سے متعلق بعض رسوم کا مجموعہ سمجھتے ہیں۔ اس فکر کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ دعوت اسلامی کو فی الحقیقت تبدیلی لانے والی ایک انقلابی قوت بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اسے ذاتی زندگی کی قید سے آزاد کیا جائے۔ اور اس کے لیے ضروری ہے کہ صحیح عقیدے، معاشرے کی اصلاح اور سنتوں کے احیاء و اتباع کے ساتھ ساتھ معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی معاملات کی جانب بھی توجہ دی جائے۔

یہ کوئی نئی بات نہیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلامی تحریکوں کی دعوت کا موضوع ہمیشہ سے یہ مکمل پہنچ رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام زندگی کے مختلف پہلوؤں کو جدا جدا خانوں میں تقسیم نہیں کرتا۔ معاشرتی، سیاسی، معاشی، مقامی و بین الاقوامی..... زندگی کے یہ تمام میدان ایک ہی شریعت کے ماتحت اور تابع ہیں۔ تیرہ صدیاں ہم مسلمانوں نے اپنی زندگیاں، اپنے معاشرے اور اپنی خوبصورت تہذیب کو اسلام کے اصولوں اور اس کی تعلیمات کے مطابق چلایا، اور اس میں زندگی کے تمام تر پہلو اور میدان ہائے حیات شامل تھے۔ مگر بد قسمتی سے استعماری یورش اور جدید سیکولر ریاستوں کے قیام کے بعد ہم اسلام کی ہمہ گیر و جامع روایات سے دور ہو گئے، اور ہم نے اسلام کو اپنی زندگیوں سے نکال کر محض چند رسوم تک محدود کر دیا۔ لہذا، آج جس تحریک کی جانب ہم دعوت دے رہے ہیں، یہ کوئی نئی ایجاد شدہ چیز نہیں، بلکہ ہم تو محض اسلام کی اصل دعوت کی طرف لوٹنے کی دعوت دے رہے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ بات کی وضاحت کے لیے مثال اکسیر کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ واضح کرنے کے لیے کہ ایک اسلامی تحریک عقیدہ و اصلاح، تزکیہ و محاسبہ اور تجدید کو معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی پہلوؤں کے ساتھ ایک ہی منصوبہ عمل میں کیسے یکجا کر سکتی ہے، ہم برصغیر کے صوبہ بنگال میں شروع ہونے والی فرائضی تحریک کی مثال پیش کرتے ہیں، جو ہمارے زمانے سے بھی نسبتاً قربت رکھتی ہے۔ یہ تحریک ہمارے لیے ایک ایسی اسلامی تحریک کا حقیقی نمونہ ہے جس نے توحید، دعوت اور جہاد کے اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے کامیابی سے عوام کی معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی مشکلات کا بھی احاطہ کیا۔

فرائضی تحریک

امام حاجی شریعت اللہؒ (۱۷۸۱ء تا ۱۸۳۰ء) کے ہاتھوں شروع ہونے والی بنگال کی فرائضی تحریک برطانوی سامراج کے زیر حکومت برصغیر ہندوستان کی پہلی منظم اسلامی تحریک تھی جو احیائے اسلام کا مقصد و ہدف لے کر اٹھی۔ حاجی شریعت اللہؒ نے حجاز میں تعلیم و تعلم میں کئی سال صرف کیے۔ اس وقت کے بنگال کی دینی، معاشرتی، اقتصادی و سیاسی صورتحال نے فرائضی تحریک کو جنم دیا۔

اس تحریک کا اصل اور بنیادی مقصد و ہدف تو اسلام کی اصل روح اور تعلیمات کو زندہ کرنا تھا، مگر اس کی سرگرمیوں کا دائرہ عوام کے معاشرتی و اقتصادی مسائل، اور دیگر سیاسی، تہذیبی، دعوتی اور جاگیر دارانہ مسائل تک پھیلا ہوا تھا۔ حاجی شریعت اللہؒ کو اس حقیقت کا بخوبی ادراک تھا کہ وہ جن لوگوں کی اصلاح کے لیے اٹھے ہیں، ان کی مشکلات و مصائب اور حکومت کے ہاتھوں ہونے والے ان کے معاشی استحصال سے آنکھیں بند کر کے یہ مقصد حاصل کرنا ممکن نہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کو زندگی کے ہر شعبے میں اٹھائے بغیر (یعنی ان کے لیے ایک ہمہ گیر ترقی کی فضا پیدا کیے بغیر) کسی حقیقی تبدیلی کی توقع کرنا عبث ہے۔ حاجی شریعت اللہؒ نے جب اسلام کی تعلیمات عدل و انصاف اور حقوق العباد کے ساتھ مزارعین میں دعوت و تبلیغ کا آغاز کیا تو جلد ہی آپ کا واسطہ ان مزارعین کی اقتصادی مشکلات اور مصائب و مسائل سے پڑا۔

معاشی استحصال کے خلاف منصوبہ عمل

۱۷۹۳ء میں انگریز سرکار کی جانب سے اراضی سے متعلق ایک نئے قانون، جو پرمائنٹ سیٹلمنٹ ایکٹ (چیر و سٹھائی بند و بستموت: Permanent Settlement Act) کے نام سے معروف ہوا، نے زمینداروں کو مزارعین سے غیر قانونی اور انتہائی اونچی شرح پر محصول لینے کا قانونی جواز عطا کر دیا۔ اس قانون نے مزارعین کو زمینداروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا کہ انہیں اب ہر

کچھ عرصے بعد محصول اور کرایہ کے نام پر زمینداروں کی لوٹ مار اور ظلم و ستم کا سامنا کرنا پڑتا۔

غریب اور مظلوم مزارعوں پر مبنی اپنے پیر و کاروں کے حلقے کو معاشی و روحانی تنزل سے بچانے کے لیے، امام حاجی شریعت اللہؒ نے زمینداروں اور نیل کے کاشتکاروں کے ہاتھوں بے یار و مددگار مزارعین کے معاشی استحصال کی مخالفت شروع کر دی۔ یوں فرائضی تحریک محض دینی و مذہبی اصلاح تک محدود نہیں تھی، بلکہ وہ معاشرتی عدم مساوات اور بنگال کے غریب مگر ہنر مند طبقے، جیسے مزارعین اور کاریگروں کے معاشی مسائل کے حل کے لیے بھی کوشاں تھی۔

اسلامی تعلیمات کی بنیاد پر فرائضی تحریک نے مسلمان عوام میں تحریک پیدا کیا۔ اس تحریک کا معاشرتی و اقتصادی لائحہ اس قدر مقبول ہوا کہ ہزاروں کی تعداد میں غریب و لاچار مزارعوں نے اس تحریک میں شمولیت اختیار کر لی۔ حتیٰ کہ ہندو مزارعوں نے بھی فرائضی تحریک کی زمینداروں اور نیل کے کاشتکاروں کے خلاف جدوجہد کی مخالفت نہ کی۔ بعض نے تو اس تحریک کی مدد و حمایت بھی کی۔

زمینداروں کے خلاف اس جدوجہد میں فرائضی تحریک نے مسلمان عوام کو عدم تعاون پر ابھارا، اور مزارعوں کو زمینداروں کی جانب سے عائد کردہ بھاری بھر کم اور غیر قانونی ٹیکس اور محصولات ادا کرنے سے روکا۔ حاجی شریعت اللہؒ بنگال میں پہلے معاشرتی مصلح تھے، جنہوں نے عوام کو غیر قانونی ٹیکسوں کی عدم ادائیگی پر ابھارا۔ آپ کے انتقال کے بعد، آپ کے بیٹے دودو میاں (محسن الدین احمد) نے بھی محصولات کی عدم ادائیگی کو ظلم و استبداد کے خلاف اپنی تحریک کا اہم جزو بنائے رکھا۔ دودو میاں نہایت حق گوئی و بے باکی سے زمینداروں کی لوٹ کھسوٹ کے خلاف بولتے اور تنقید کرتے۔ اس زمانے میں ہندو زمینداروں کا طریقہ تھا کہ وہ دوسرے (درگہ پوجا) اور دیگر پوجاؤں کے نام پر مسلمان مزارعین سے بھی رقم وصول کرتے۔ دودو میاں نے اس کی بھی مخالفت کی اور فرمایا:

”ہندو پوجاؤں اور دیگر رسوم کے لیے مسلمانوں کا مالی امداد کرنا ان کے دین و مذہب کی رو سے غلط، ناجائز اور قابل ملامت و سرزنش فعل ہے کیونکہ ان رسوم کی مالی اعانت کرنے والا درحقیقت کفار کے کفریہ افعال کی اعانت و حمایت کرتا ہے۔“¹

معاشرتی اصلاح

حاجی شریعت اللہؒ کے زمانے میں بنگال کی مسلمان آبادی دو بڑے گروہوں میں منقسم تھی۔ اشرف..... یا اشرفیہ، جن کا دعویٰ تھا کہ وہ غیر ملکی حملہ آور قوم (یعنی عرب نسل) سے تعلق رکھتے ہیں، وہ اپنے آپ کو ایک برتر طبقہ تصور کرتے تھے فلہذا وہ دیگر (اطراف یا رذل طبقے)

سے کوئی سماجی میل جول یا تعلق پیدا کرنا پسند نہ کرتے۔ اور اطراف..... یا رذل طبقہ، جس سے تعلق رکھنے والے افراد کو گھٹیا نسب کا فرد سمجھا جاتا۔ اشرفیہ کے علاوہ بنگال کی مسلم آبادی کی اکثریت کا تعلق اسی ’نچلے طبقے‘ سے تھا، جو کاشتکاری اور دیگر پیشوں سے وابستہ تھے اور یہ ہندوستان کی وہ مقامی آبادی تھی جس نے علاقے میں اسلام کے پھیلاؤ کے ساتھ یہ دین قبول کیا تھا۔ فرائضی تحریک نے بنگالی مسلمانوں میں رائج ذات پات کے اس متعصب نظام کا کھل کر رد کیا کہ یہ اسلام کی تعلیمات، روح اور امت مسلمہ کی تہذیب و عمل کے صریحاً مخالف تھا۔ انہوں نے معاشرتی مساوات کو اپنے اہداف میں بنیادی ہدف بنالیا، کہ مسلمانوں میں مساوات اور اخوت پیدا کرنا، اور مشکل و مصیبت کے وقت ایک دوسرے کے معاشی و معاشرتی رتبے و حیثیت سے قطع نظر، سب کی یکساں طور پر مدد کرنا، ان کے نزدیک ہر مسلمان کا فریضہ تھا۔

فرائضی تحریک کی اس دعوت نے مسلمان عوام میں یکجہتی پیدا کی، اور ان کو تحریک کے ساتھ مضبوطی سے جوڑ دیا۔ اس تحریک کی مشرقی بنگال کے مسلمانوں میں اسلامی عقائد و تعلیمات کے مطابق سماجی مساوات پیدا کرنے کی کوششوں نے نچلے طبقے کے ان مسلمانوں میں بہت زیادہ جوش و خروش پیدا کر دیا، اور انہیں غریب و مظلوم و ہتھکانوں سے ایک زندہ و قوی سماجی طاقت میں تبدیل کر دیا۔ اس سے زمینداروں میں یہ خوف پیدا ہوا کہ یہ نئی جنم لینے والی طاقت بہت آسانی سے ان کی غیر قانونی لوٹ کھسوٹ روکنے اور ان کے خلاف مزاحمت کرنے کے لیے استعمال کی جاسکتی ہے۔

فرائضی تحریک کو معاشرے میں سے بہت سی بدعات کو ختم کرنے میں بھی واضح کامیابی حاصل ہوئی جو اس وقت کے بنگال میں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ امام شریعت اللہؒ نے مسلمانوں کو اپنے فرائض سے مضبوطی سے جڑنے اور انہیں ادا کرنے، اور دیگر تمام نئی بدعات اور رسوم جو قرآن و سنت کی تعلیمات کے برخلاف مسلمانوں میں جڑ پکڑ گئی تھیں، انہیں ترک کرنے کی تعلیم دی۔ اسی وجہ سے یہ تحریک ’فرائضی تحریک‘ کے نام سے موسوم ہوئی۔

تحریک کے سیاسی پہلو

مسلمانوں میں دینی بیداری اور اپنے معاشرتی و اقتصادی منصوبے کے علاوہ، فرائضی تحریک کا ایک بنیادی مقصد برصغیر سے برطانوی سامراج کو خارج کرنا اور یہاں ایک اسلامی حکومت قائم کرنا بھی تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کفر کی حکومت و نظام کے تحت رہتے ہوئے بہت سے شرعی واجبات و فرائض کو پورا کرنا ممکن نہیں۔ لہذا مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حاجی شریعت اللہؒ نے برطانوی ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا۔ پی این چو پڑا جیسے جدید مؤرخین اس بابت لکھتے ہیں:

”مشرقی بنگال میں حاجی شریعت اللہ کے ہاتھوں شروع ہونے والی اس تحریک کا مقصد ہندوستان سے انگریزوں کو نکال کر دوبارہ مسلم حکومت قائم و بحال کرنا تھا۔“¹

مسلمان حکومت کی بحالی کا ہدف محض نظریاتی و تصوراتی حد، یا محض خواہش و تقریر کی حد تک محدود نہیں تھا، بلکہ اس تحریک سے وابستہ افراد نے شہید میر نثار علی تیتو میر کے پیروکاروں، امام سید احمد شہید کے متبعین اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حصہ لینے والے مجاہدین کی ہر ممکن مدد و نصرت کی۔ اس سے اس تحریک میں ایک انقلابی کردار پیدا ہوا اور بالآخر برصغیر میں اسلام کی بالادستی تحریک کا نمایاں اور بنیادی ہدف بن گیا۔ جلد ہی حکومت نے بھی تحریک کی سرگرمیوں کو ’انگریز مخالف‘ سرگرمیوں کے طور پر محسوس کرنا شروع کر دیا اور کئی موقعوں پر فرائضی تحریک کے قائدین کو قید و گرفتار کیا گیا۔

امام شریعت اللہ کے انتقال کے بعد آپ کے بیٹے دودو میاں نے تحریک کی قیادت سنبھالی اور آپ کے دور میں فرائضی تحریک اپنے نقطہ عروج کو پہنچ گئی۔ کہا جاتا ہے کہ دودو میاں کے وقت میں فرائضی تحریک سے وابستہ افراد کی تعداد دو سے ڈھائی لاکھ تک پہنچ گئی۔ آپ کا اثر و رسوخ پورے مشرقی بنگال میں پھیل گیا اور فرائضی تحریک کو دیہی علاقوں میں ایک مضبوط و طاقتور سماجی و سیاسی قوت کے طور پر تسلیم کیا جانے لگا۔

فرائضیوں نے سامراجی حکومت کے انتظامی نظام کو رد کر دیا کیونکہ وہ دیہی علاقوں میں بسنے والی اکثریت پر مشتمل عوام کے مفادات کا تحفظ نہیں کرتا تھا۔ اس کے مقابل انہوں نے اپنا نظام متعارف کروایا جو اسلام کے تصور مساوات، برابری اور سماجی عدل و انصاف کے مطابق اپنے پیروکاروں کے دنیاوی اور روحانی مسائل کو حل کرتا تھا۔

انہوں نے اپنی عدالتیں قائم کیں، فرائضی تحریک کے مرکز کے آس پاس جتنے دیہات آباد تھے، ہر پانچ یا سات دیہات پر ایک منشی کو نگران بنایا گیا، جو ان دیہاتوں میں مدنی و فوجداری مقدمات کے فیصلے کرتا۔ اس دور میں فرائضیوں کے پاس اپنے جدا انتظامی و عدالتی صیغے، اپنی فوج اور مرکزی قائد کی جانب سے مقرر کیے گئے خلفاء..... گویا ایک حکومتی نظام کے تمام اجزا موجود تھے۔

تحریک کی قیادت نے اپنے معاملات کو حتی الوسع خود مختار رکھنے کی کوشش کی جس میں حکومت، زمینداروں اور نیل کے کاشتکاروں کی جانب سے کم سے کم مداخلت ہوتی۔ اس میں ان کا ہدف یہ تھا کہ ایک متوازی حکومت قائم کی جائے جو فی الوقت سامراجی حکومت کے ساتھ اپنا خود مختار وجود قائم رکھ سکے۔

دودو میاں کا قائم کردہ تنظیمی جال، اور ان کے پیروکاروں کی ان سے وابستگی و وفاداری نے دودو میاں کو وہ مقام عطا کر دیا جس نے انہیں ایک برطانوی افسر ’بیورج‘ کے الفاظ میں ’بنگال کا عملاً حکمران‘ بنا دیا۔ بیورج نے کہا کہ ’دودو میاں کا اثر و رسوخ بکرگنج کے ضلع میں کسی بھی جج یا مجسٹریٹ سے زیادہ تھا‘²۔

ڈاکٹر جیمز وائز جو فرائضی تحریک سے قریبی واقفیت رکھتے تھے، نے ۱۸۸۳ء میں برطانوی حکومت کے لیے اس تحریک کے بارے میں ایک مفصل کتاب لکھی۔ اس کتاب میں وہ چند سطور لکھتے ہیں جو اس تحریک کی اہمیت و افادیت کو بیان کرتی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”انیسویں صدی کی محمدی بیداری کی لہر ہندوستان کی جدید تاریخ کے عظیم و یادگار واقعات میں سے ایک ہے۔ صرف اس لیے نہیں کہ اس نے ایک عقیدے کے جھنڈے تلے آبادی کے لاکھوں افراد کو اکٹھا اور متحد کر دیا، بلکہ اس لیے (بھی) کہ یہ ایک ایسی سیاسی تحریک بن گئی جس کا مقصد و ہدف عیسائی حکومت کو ہٹا کر اس کی جگہ ایک محمدی حکومت قائم کرنا تھا، جس میں تہذیب کی قیادت قرآن اور تلوار کے ہاتھ میں ہوتی۔

محض چند مخلص افراد کے بولے ہوئے بیج ایک فراوان ثمر میں تبدیل ہو گئے جس نے آج پورے مشرقی بنگال (آج کے بنگلہ دیش) پر اپنا سایہ پھیلا دیا ہے۔ یہ سمجھنے اور جاننے کے لیے کہ یہ کیسے ہوا کہ ایک ایسی تحریک جسے زمینداروں اور صاحب ثروت طبقات کی حمایت و نصرت حاصل تھی اور نہ ہی حکومتی سرپرستی یا پشت پناہی، وہ ملک کے طول و عرض میں پھیل گئی اور اسے کاشتکار اور صنعت و حرفت سے تعلق رکھنے والے طبقات کی بڑی اکثریت نے قبول کر لیا، ضروری ہے کہ ہم محمدی فرمانروائی کے اولین دنوں کی طرف لوٹیں تاکہ تحقیق سے یہ جان سکیں کہ اس دور میں دین کی زندگی میں کیا حیثیت و حقیقت تھی اور وہ کیا طریقے اور وسائل تھے جنہیں دین اسلام کی حفاظت اور ترویج کے لیے استعمال کیا گیا۔“³

حاصل کلام

ان تمام کامیابیوں کے باوجود بیسویں صدی کے آغاز پر فرائضی تحریک کی قوت بتدریج کم ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ بالآخر یہ بالکل ختم ہو گئی۔ مگر اس تحریک کی یہ موت حادثاتی یا اتفاقیہ ہرگز نہیں تھی۔ فرائضی تحریک کے زوال کا تعلق بلا واسطہ طور پر کانگریس و مسلم لیگ کی سیکولر و قوم پرست تحریکوں کے ساتھ تعاون سے ہے۔ محض چند قوم پرست اور سیکولر قائدین کی دھوکہ

James Wise: The Muhammadan of Eastern Bengal. Journal of the Asiatic Society of Bengal, Calcutta. 1894

P. N. Chopra: Indian Muslims in Freedom Struggle, New Delhi, 1988¹
Beveridge, H. (1876): The district of Bakergonj, its history and statistics. ²
London: Trubner, Calcutta Review, I, 1844

دہی اور جوڑ توڑ کے سبب تقریباً ایک صدی کی دعوت اور بیداری کے لیے کی گئی محنت کا ثمر ضائع ہو گیا۔ یہ اس لیے ہوا کہ اس وقت کی دینی تحریکوں کی قیادت دھوکے اور فریب کی ان چالوں کو سمجھنے میں ناکام رہی۔

تحریک کے اس انجام کے باوجود آج بھی ہم اس کے تابناک ماضی سے بہت سے سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ جن میں سے ہماری گفتگو سے سب سے زیادہ قرین امر فرائضی تحریک کو عقیدہ و اصلاح اور تزکیہ و محاسبہ کو سماجی، سیاسی اور اقتصادی منصوبوں کے ساتھ ہم آہنگ کرنے میں حاصل ہونے والی کامیابی ہے۔ قوم میں تحریک پیدا کرنے کے لیے، ان کی ایک اسلامی مستقبل کی جانب رہنمائی کرنے کے لیے پہلے یہ ضروری ہے کہ ان کے مسائل حل کیے جائیں۔ نیز یہ بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے کہ قوم کو ایک متبادل نظریہ فراہم کیا جائے۔ معاشرے، اقتصاد، سیاسی نظام اور حکومت..... سب کے لیے ایک متبادل نظریہ فراہم کرنے کی ضرورت ہے۔

آج ہمارے پاس ایسا ایک متبادل نظریہ فراہم کرنے کے تمام اجزا موجود ہیں۔ اسلام کی تعلیمات، علم کا وہ تجربے کراں جو چودہ صدیوں کی محنتوں کا حاصل ہے، ہماری قوم و ملت کے تمام مسائل کا حل اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ آج ہماری ذمہ داری محض یہ ہے کہ ان موجود اجزا کو ملا کر وہ نظریہ تعمیر کریں جو مسلمانانِ بگال کو ایک بار پھر متحد کر دے اور ان میں تحریک و ولولہ پیدا کر دے، اسی طرح جیسے ایک زمانے میں امام حاجی شریعت اللہؒ کی تحریک سے وہ دین کے لیے متحد و سرگرم ہوئے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

☆☆☆☆☆

بقیہ: لہجنگ، ریپ اور قتل یعنی متمغہ ہائے امتیاز

گو اہوں اور مقامی باشندوں نے ۲۰۱۷ء سے ۲۰۲۰ء کے درمیان ضلع پولیس اور اس وقت کے گجرات کے وزیر مملکت برائے داخلہ پردیپ سنگھ جڈیجہ کے سامنے متعدد بار درخواستیں پیش کیں کہ پے رول پر چھوٹ کر باہر آنے والے ان گیارہ سزایافتہ قیدیوں کی جانب سے ان لوگوں کو دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔ اسی گاؤں کے ایک گواہ عبدالرزاق منصوری نے فوری ۲۰۲۱ء میں اپنی درخواست میں کہا تھا کہ یہ لوگ پے رول پر باہر آکر سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں۔ انہوں نے اپنا بزنس شروع کیا۔ اپنے مکانات بنوائے اور گواہوں کو دھمکیاں دیں۔ قیدیوں سے ان لوگوں کو مسلسل خوف لاحق ہے۔ شیلش بھٹ نامی ایک قیدی نے بی جے پی کے پروگرام میں شرکت کی اور اسے داہو دے بی جے پی کے منتخب نمائندوں کے ساتھ اسٹیج پر بٹھایا گیا۔ لیکن جب جڈیجہ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے بڑی معصومیت سے کہا کہ انہیں یاد پڑتا کہ ان کو ایسی کوئی درخواست دی گئی تھی اور انہیں یہ بھی یاد نہیں کہ فلاں قیدی نے بی جے پی کے پروگرام میں شرکت کی تھی۔ فیروز گھانچی عرف پنٹو نے بی جے پی

کے آئی جی کو اپنی ایک درخواست میں کہا کہ مجرم جھوٹے بہانوں سے پے رول کی درخواست دیتے ہیں۔ وہ جیل سے زیادہ گاؤں میں رہتے ہیں اور بلقیس بانو کیس کے گواہوں کو مسلسل دھمکیاں دیتے ہیں۔ مجرموں کے خلاف اور بھی شکایات موصول ہوئی ہیں لیکن ان شکایات کو نظر انداز کر کے ایک لونی لنگڑی دلیل کے سہارے ان لوگوں کو جیل سے رہا کر دیا گیا۔ اب انصاف کا خون ہوتا ہے تو ہوتا رہے، سیاسی اور انتخابی فائدہ تو حاصل ہو گا۔ قانون جائے چو لہے بھاڑ میں۔

☆☆☆☆☆

علمائے سوء سے تعامل کے آداب

”جہاد سے روکنے اور اہل جہاد کے خلاف بے جا زبان درازی کرنے والے علمائے سوء کے حوالے سے ہم اپنے نوجوانوں کو یہی نصیحت کرتے ہیں کہ ایسے علما کو ان کے حال پر چھوڑ دیں اور ان سے مت الٹھیں۔ آپ اپنا کام کرتے رہیں اور مضبوطی سے اپنے رستے پر قائم رہیں، ان شاء اللہ یہ آپ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ نیز یہ بھی یاد رکھیے کہ ظلم و زیادتی کسی پر بھی جائز نہیں، خواہ وہ کوئی عالم سوء ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ بھی مت بھولیے کہ ایک انسان میں شر کے ساتھ ساتھ خیر بھی پائی جاسکتی ہے اور ایک ہی شخص میں فسق اور ایمان دونوں جمع ہو سکتے ہیں، اور جو شخص بھی مسلمان ہو بہر حال اس میں کچھ نہ کچھ خیر تو ضرور ہوگی۔ اسی لیے کسی مسلمان پر شرعی حکم لگانے میں جائز حدود سے تجاوز نہ کریں، نہ ہی ایسے مسائل میں زبان کھولیں جن کا علم آپ کے پاس نہیں اور جن پر گفتگو کے لیے درکار صلاحیت آپ میں موجود نہیں۔ یہ میدان آپ ان جہادی علما کے لیے چھوڑ دیں جن پر آپ کو اعتماد ہے اور خود بھی کہیں کہ ’لا آدری‘ (مجھے نہیں معلوم!) اگر آپ نے یہ رویہ اپنا لیا تو میرے عزیز بھائیو! مجھے قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائیں گے اور آپ کو ہدایت پر قائم رہنے کی توفیق بخشیں گے۔“

(فضیلۃ الشیخ عطیہ اللہ اللمبی شہید رحمہ اللہ)

لنچنگ، ریپ اور قتل یعنی 'تمغہ ہائے امتیاز'

سہیل انجم

اور آگے بھی مہربہ لب رہیں گے۔ انہوں نے تو یوم آزادی پر اپنے خطاب میں خواتین کے خلاف نفرت ترک کرنے اور ان کے احترام کی بات کر کے اپنا فرض منصبی ادا کر دیا ہے۔ اب ان سے اس سے زیادہ کی توقع کیوں کی جارہی ہے۔ حکومت اور حکمران جماعت بی جے پی کو معلوم ہے کہ اس معاملے پر جتنا شور مچے گا، جتنا ہنگامہ ہوگا، جتنی مخالفت ہوگی ہندوؤں کے ایک طبقے کے ووٹ کے حصول میں اتنی ہی آسانی ہوگی۔

بلقیس بانو اور ان کے شوہر یعقوب رسول نے مجرموں کی رہائی کے بعد کہا ہے کہ وہ لوگ انتہائی خوف زدہ ہیں۔ ان کی یہ بات بے بنیاد نہیں ہے۔ اب تو اس گاؤں کے کئی مسلم خاندانوں نے گھر چھوڑ کر کیمپوں میں پناہ لے لی ہے۔ یہ لوگ پہلے بھی گواہوں اور اپنے مخالفین کو دھمکاتے رہے ہیں اور اب تو اس کا اندیشہ اور بڑھ گیا ہے۔ ان کو معافی دینے کی سفارش کرنے والی کمیٹی کی دلیل ہے کہ چونکہ ان لوگوں نے چودہ سال جیل میں گزار لیے ہیں اس لیے عمر قید پوری ہو گئی ہے۔ حالانکہ ایسے سنگین معاملات میں عمر قید کا مطلب تا عمر جیل ہوتا ہے چودہ سال کی جیل نہیں۔ لیکن بہر حال ان لوگوں نے چودہ سال بھی نہیں گزارے ہیں۔ یہ اکثر و بیشتر پے رول پر رہائی کی درخواستیں کرتے رہے ہیں اور انہیں ایک ماہ دو ماہ پے رول پر چھوڑا جاتا رہا ہے۔ انگریزی اخبار انڈین ایکسپریس کی ایک رپورٹ کے مطابق ایک قیدی رادھے شام شاہ نے رواں سال میں ۲۹ جنوری سے ۳۰ مارچ کے دوران ساٹھ دن پے رول پر باہر گزارے تھے۔ یہ وہی شاہ ہے جس نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی تھی کہ چونکہ اس نے چودہ سال کی جیل کاٹ لی ہے اس لیے ۱۹۹۲ء کے ضابطے کے مطابق اسے جیل سے رہا کیا جائے۔ اسی کی درخواست پر کمیٹی بنی اور پھر سب کو رہا کر دیا گیا۔ اس سے قبل ۲۰۱۰ء میں اس نے بمبئی ہائی کورٹ سے درخواست کی تھی کہ ماں کا گھٹنا بدلوانے کے لیے اسے تین ماہ کی عارضی ضمانت دی جائے۔ لیکن عدالت نے اس بنیاد پر اس کی درخواست مسترد کر دی تھی کہ اسے دسمبر ۲۰۱۰ء میں پے رول پر چھوڑا گیا تھا اور دسمبر ۲۰۱۱ء میں پھر چھوڑا جانا ہے۔ ایک اور قیدی کیشو اوبانیا نے اگست ۲۰۱۸ء سے مارچ ۲۰۱۹ء کے درمیان نوے دن پے رول پر باہر گزارے تھے۔ اس نے مئی ۲۰۱۹ء میں پھر پے رول کی درخواست دی جسے نامنظور کر دیا گیا۔ اس نے اس کے علاوہ بھی کافی دن پے رول پر جیل سے باہر تائے تھے۔ بلقیس، قیدیوں اور گواہوں کا تعلق ایک ہی گاؤں رندھیک پور سے ہے۔

(تقریباً: صفحہ نمبر ۹۲ پر)

ہندوستان میں ادھر بہت تیزی کے ساتھ ایک نادیدہ مگر نئی سماجی و سیاسی لغت ترتیب پا رہی ہے۔ اس لغت میں لنچنگ، ریپ اور قتل جیسے سنگین جرائم کے معنی 'تمغہ ہائے امتیاز' اور 'تمغہ ہائے حسن کارکردگی' درج ہیں۔ اس کی تشریح یوں کی جارہی ہے کہ اگر آپ کسی کو وحشیانہ انداز میں قتل کر دیں، کسی خاتون اور وہ بھی حاملہ خاتون کی اجتماعی عصمت دری کریں، اس کی تین سالہ بیٹی کو اس کی آنکھوں کے سامنے مار ڈالیں اور اس کے خاندان کے ایک درجن افراد کو بھی ہلاک کر دیں تو بھی گھبرانے کی کوئی بات نہیں، آپ کچھ دن جیل میں گزار لیں پھر آپ کو رہا کر لیا جائے گا۔ بشرطیکہ آپ کسی مخصوص سیاسی جماعت سے تعلق یا قربت رکھتے ہوں اور آپ نے کسی ایک خاص مذہب سے تعلق رکھنے والوں کے ساتھ مذکورہ سلوک کیا ہو۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اگر آپ برہمن ذات سے تعلق رکھتے ہیں تو آپ کو 'سنسکاری'، یعنی اچھے اخلاق و کردار اور اقدار کا مالک ہونے کا سرٹیفکیٹ بھی دے دیا جائے گا۔ جی ہاں اس لغت کا مطالعہ بلقیس بانو کیس کی روشنی میں کیا جاسکتا ہے۔ اگر ہم تقریباً آٹھ برسوں کے دوران مختلف جرائم سے متعلق واقعات کا تجزیہ کریں تو اس نتیجے پر پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی کہ اب جرم اور مجرم کا مفہوم بدلتا جا رہا ہے۔ ایسے جرائم میں سزا کا پیمانہ بھی بدل رہا ہے جن کے مرتکبین ایک خاص نظریے کے حامل ہوں اور متاثرین کسی دوسرے مذہب کے پیروکار ہوں۔

بعض مبصرین کا خیال ہے کہ مجرموں کو سنسکاری برہمن ہونے کا جو سرٹیفکیٹ دیا گیا ہے وہ بلا وجہ نہیں ہے۔ منو اسمرتی میں برہمنوں کو اعلیٰ ترین ذات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دوسری برادریاں ان کے سامنے حقیر ہیں۔ برہمن سے گناہ کے ارتکاب کا تصور نہیں ہے۔ یعنی اگر وہ کوئی جرم یا گناہ کرتا بھی ہے تو اس کی کوئی گرفت نہیں ہوگی۔ لہذا اگر گودھر اسے بی جے پی کے رکن اسمبلی اور مجرموں کو معافی دینے کی سفارش کرنے والی کمیٹی کے ایک رکن سی کے راول جی ان کو سنسکاری برہمن ہونے کا سرٹیفکیٹ دیتے ہیں تو اس نظریے کے مطابق کچھ غلط نہیں کرتے۔ اب چاہے ہندوستان کے انسانی حقوق کے کارکن چیچن و پکار چائیں یا امریکہ کے کمیشن برائے مذہبی آزادی کے افسران اسے انصاف کا مذاق بتائیں۔ سزا سنانے والے جسٹس ڈی یو سالوی اسے غلط نظیر قائم کرنے سے تشبیہ دیں یا پھر دیگر قانونی ماہرین معافی دینے کے قانون کی تشریح کریں، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ گجرات میں اس سال کے اواخر میں اسمبلی انتخابات ہونے والے ہیں اور بی جے پی کو اس سے انتخابی فائدہ پہنچنے والا ہے۔ لہذا اس فیصلے کو واپس لینے اور قیدیوں کو دوبارہ جیل میں ڈالنے کے لاکھ مطالبے کیے جائیں اب بظاہر یہ فیصلہ واپس ہونے والا نہیں ہے۔ وزیر اعظم ایسے متنازع معاملات میں پہلے بھی مہربہ لب رہے ہیں

روہنگیا کا جہاد

ڈاکٹر طلحہ عبدالکریم

۱۹۶۲: فوجی انقلاب

۱۹۶۱ء میں بنگلہ دیش کی جنگ آزادی کے بعد بہت سے روہنگیا دوبارہ اراکان میں داخل ہوئے^۱ جس کے خلاف راکھینی راہبوں اور عام بدھوں نے اراکان کے دار الحکومت سائیٹوے میں بھوک ہڑتال کی اور اس دوران برمی حکومت روہنگیا مسلمانوں کے خلاف آپریشن کرتی رہی۔ بالآخر جنرل نے ون نے ۱۹۶۸ء میں روہنگیا کے خلاف کنگ ڈرگین کے نام سے سب سے بڑا فوجی آپریشن کیا اور تقریباً ۲ لاکھ روہنگیا کو بنگلہ دیش دھکیل دیا اور اسی عرصے میں بہت سے روہنگیا کراچی بھی منتقل ہوئے^۲۔ بنگلہ دیشی حکومت نے اس آپریشن کے خلاف برمی حکومت سے احتجاج کیا چنانچہ مذاکرات اور اقوام متحدہ کی مداخلت کے بعد جنرل نے ون کی حکومت ۲ لاکھ روہنگیا کو دوبارہ اراکان میں بسانے پر راضی ہو گئی^۳۔ اور برما اور بنگلہ دیش نے مشترکہ اعلامیہ میں کہا کہ روہنگیا برما کے قانونی شہری ہیں۔ اس آپریشن کے نتیجے میں روہنگیا پیٹریاٹک فرنٹ میں بھی کمزوری آئی اور ۱۹۸۰ء کی دہائی کے اواخر میں اس کی سرگرمی ختم ہو گئی۔

RLP: ۱۹۷۲

سابقہ مجاہد لیڈر ظفر کوال نے مختلف مجاہدین گروہوں کو تحریض دلا کر روہنگیا لبریشن پارٹی (آر ایل پی) بنائی جو کہ ایک مسلح بغاوت کی تحریک تھی۔ ظفر خود اس تحریک کے چیئرمین تھے جبکہ انہوں نے عبداللطیف کو وائس چیئرمین اور عسکری امور کے ذمہ دار اور محمد جعفر حبیب کو جو کہ رنگون یونیورسٹی کے فارغ التحصیل تھے جنرل سیکرٹری مقرر کیا۔ ان کی تعداد دو سو (۲۰۰) جنگجوؤں سے بڑھ کر ۱۹۷۴ء میں ڈھائی ہزار جنگجوؤں تک پہنچ گئی۔ ان کی اکثریت بوٹھی ڈانگ Buthidaung کے جنگلات میں رہتی تھی۔ لیکن جولائی ۱۹۷۴ء میں برمی فوج کی طرف سے وسیع آپریشن کے نتیجے میں ظفر اور اس کے اکثر ساتھی سرحد پار بنگلہ دیش چلے گئے۔

RPF: ۱۹۷۴

۱۹۷۴ء کی شکست کے بعد محمد جعفر حبیب نے روہنگیا پیٹریاٹک فرنٹ (آر پی ایف) تشکیل دیا۔ محمد جعفر حبیب کے ساتھ ۷۰ جنگجو تھے اور انہوں نے رنگون کے ایک تعلیم یافتہ وکیل نور الاسلام کو اپنا وائس چیئرمین اور ڈاکٹر محمد یونس کو جنرل سیکرٹری مقرر کیا۔

۱۹۷۸: پہلی جلاوطنی

۱۹۸۲ میں فوجی حکومت نے برمی شہریت کا قانون جاری کیا جس میں روہنگیا مسلمانوں کی شہریت یہ کہتے ہوئے ختم کر دی گئی کہ یہ بنگالی ہیں نہ کہ اس ملک کے اصل باشندے۔ اس طرح روہنگیا مسلمانوں کو (بغیر کسی ریاست) stateless کے چھوڑ دیا۔ حالانکہ روہنگیا کے علاوہ برما میں ۱۳۰ دیگر نسلی اقلیتوں کو رسمی قرار دیا گیا ہے۔ قانونی طور پر برمی حکومت نے یہ شق نکالی کہ جو افراد یہ ثابت نہ کر سکیں کہ ان کے آباء و اجداد ۱۸۲۳ء یعنی کہ برما پر برطانوی قبضے سے پہلے برما کے مکین تھے وہ بنگالی مہاجر ہیں۔ آنے والی حکومتوں نے جنگ عظیم دوم اور ۱۹۶۲ء کے فوجی آپریشن کے نتیجے میں نکالے جانے والے روہنگیا کو واپس آنے سے روکنے کے لیے سرحد کو مزید سخت کر دیا اور بارڈر گارڈ فورس تشکیل دی۔

RSO: ۱۹۸۲

برمی فوج کی طرف سے ۱۹۸۲ء میں دوبارہ ایک بڑے پیمانے کے ملٹری آپریشن کے نتیجے میں روہنگیا پیٹریاٹک فرنٹ کے اصول پرست عناصر نے ایک نئی عسکری تنظیم آر ایس او Rohingya Solidarity Organisation کے نام سے بنائی۔

^۱ روہنگیا پاکستان منتقل ہونے کی یہی وجہ سمجھ آتی ہے کہ یہ بہاریوں کی طرح ۱۹۷۱ء میں پاکستان کے حامی تھے اور بنگلہ دیش حکومت انہیں برضا و رغبت نہیں پناہ دینا چاہتی تھی۔
^۲ مطالعہ سے معلوم نہ ہو سکا کہ آیا برمی حکومت نے اپنے اس وعدے پر عمل کیا یا نہیں لیکن ان کے عمومی رویہ سے قرین قیاس یہی ہے کہ نہیں کیا ہو گا۔

^۱ مجھے مطالعہ کے دوران انہیں یہ معلوم نہیں ہوا کہ ۱۹۷۱ء کی جنگ کے بعد کیوں روہنگیا بنگلہ دیش سے اراکان میں داخل ہوئے لیکن جیسا کہ تاریخ میں پاکستان کے حامی بہاریوں کا ملتا ہے کہ ان کے خلاف ۱۹۷۱ء کے بعد بنگالی قوم پرستوں نے نشانہ بنایا اس لیے قرین قیاس ہے کہ روہنگیا بھی پاکستان کے حامی رہے ہوں اس لیے انہیں بنگالی قوم پرست اور حکومت کی طرف سے نشانہ بننے کا ڈر ہوا اس لیے وہ بڑی تعداد میں واپس اراکان میں داخل ہو گئے۔

شہر کے مختلف علاقوں میں بارہ (۱۲) بم دھماکے کیے جس کے نتیجے میں حکومت کو کوئی بڑا نقصان نہیں ہوا لیکن یہ ایک مختلف قسم کی کارروائی تھی۔

ARNO: ۱۹۹۸

۱۹۹۸ میں RSO، ARIF کے ساتھ ضم ہو گئی اور اراکان روہنگیا قومی تنظیم Arakan Rohingya National Organisation ARNO تشکیل دی۔ اور کاکس بازار سے ہی فعالیت جاری رکھی۔ جبکہ آراہیس اوکا مسلح شعبے نے نام روہنگیا نیشنل آرمی Rohingya National Army سے سانسے آیا۔ اور ایسے یہ ARNO تنظیم عسکری طور پر غیر فعال ہو گئی۔ اور بعد میں لندن سے چلنے والی جمہوری سیاسی تنظیم بن گئی جو کہ روہنگیا نسل کی نمائندگی کرنے والی چند تنظیموں میں سے ایک ہے۔ جبکہ Rohingya National Army پہ بنگلہ دیش کے جنوب سے کام کرتی رہی۔ یہ گروپ ۲۰۰۰ تک فعال رہا۔ جس کا آخری حملہ مئی ۲۰۰۱ میں تھا۔

(جاری ہے، ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆

ہمیں ہر میدان میں اپنے آپ کو مضبوط کرنا ہے

”ہمیں قتال و سیاست، فکر و دعوت اور ذرائع ابلاغ ہر میدان میں اپنے آپ کو مضبوط کرنا چاہیے۔ ہمیں لازماً اپنے اوپر حملہ آور، امریکہ، اسرائیل اور مغرب کے خلاف مزاحمت کرنی چاہیے اور وہ لوگ جو اس حملے کے سانسے ڈٹے ہوئے ہیں ان کی بھرپور پشتی بانی کرنی چاہیے۔ نصاریٰ جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر حملہ آور ہیں اور مسلمانوں سے حالت جنگ میں ہیں اور وہ نصاریٰ جو امت مسلمہ کے ساتھ حالت امن میں ہیں، ہمیں ان دونوں کے درمیان بھی فرق رکھنا ہو گا۔“

(امیر المجاہدین العرب والجمع فضیلتہ الشیخ ابن الطواہری)

۱۹۸۶ میں ایک اور تنظیم Arakan Rohingya Islamic Front یا ARIF کے نام سے بنی جو کہ اراکان کے شمال میں فعال رہی۔ اس کی بنیاد نور الاسلام نے رکھی کی جو کہ پہلے روہنگیا پیٹر یانک فرنٹ کا وائس چیر من تھا۔ اس تنظیم کو روہنگیا پیٹر یانک فرنٹ کے باقی ماندہ اراکان اور آراہیس او سے چند نکلے ہوئے اراکان نے ملا کر بنایا۔

۱۹۹۰: عسکری و سیاسی تحریک

۱۹۸۸ میں جمہوریت کی خاطر مظاہرے ہوئے جنہیں کچل دیا گیا اور مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ ۱۹۹۰ میں پہلی دفعہ انتخابات ہوئے۔ اور آنگ سان کی بیٹی سوچی کی پارٹی نے اکثریت حاصل کر لی۔ لیکن فوج نے حکومت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

دوسری طرف ۱۹۹۰ کے آغاز میں آراہیس او کا مرکز بنگلہ دیش کے جنوبی ضلع کاکس بازار میں واقع تھا اور ان کے پاس ہلکے اور بھاری اسلحے کی معتد بہ تعداد تھی۔ ۱۹۹۰ میں برمی فوج کے خلاف بڑا لڑنے والا گروپ یہی تھا اور بنیادی طور پر یہ گروپ جنگجو ہی تھا۔ آراہیس او کی عسکری قوت کے پیش نظر برمی حکومت نے بڑے پیمانے پر ان کے خلاف آپریشن شروع کیا۔

لیکن اس عسکری تحریک کے ساتھ ساتھ ۱۹۹۰ کی دہائی سے ایک نئی سیاسی روہنگیا تحریک بھی شروع ہوئی۔ یہ تحریک بین الاقوامی سطح پر لابی کرتی ہے اور شواہد پیش کرتی ہے کہ روہنگیا اراکان کے اصل باشندے ہیں نہ کہ بنگالی نسل کے۔ اور اراکان ایک زمانے میں مسلم ریاست رہی ہے۔ البتہ اراکان کی ایک اور مسلم (کمان) قوم کا یہ موقف ہے کہ شمالی اراکان کے روہنگیا مسلمان برما کے شہری ہیں لیکن وہ خود مختار اسلامی ریاست قائم کرنے کے مخالف ہیں۔ جبکہ غیر مسلم اراکانی روہنگیا کے وجود کے مخالف ہیں۔

۱۹۹۲: دوسری جلا وطنی

اراکان میں بڑھتی ہوئی عسکریت کے نتیجے میں روہنگیا کے خلاف مسلسل آپریشن جاری رہے۔ دسمبر ۱۹۹۱ میں برمی فوج روہنگیا مسلمانوں کو دھکیلتے ہوئے سرحد پار کر کے (کہنے کو غلطی سے) بنگلہ دیشی فوج کی پوسٹ پر بھی حملہ کیا جس کے نتیجے میں دونوں ملکوں کے درمیان تناؤ بڑھ گیا۔ اور رفتہ رفتہ اپریل ۱۹۹۲ تک ڈھائی لاکھ روہنگیا عوام کو زبردستی علاقے سے نکال دیا گیا۔

۱۹۹۴: بم دھماکے

۱۹۹۴ میں آراہیس او کے ایک سو بیس (۱۲۰) جوان بنگلہ دیش اور برما کے درمیان سرحدی دریائے ناف Naf کو پار کرتے ہوئے اراکان کے مرکزی شہر (مونگ ڈاؤ) میں داخل ہوئے اور

ماما کور تہ بہ کلہ رازی؟

قاری معاذ بدر

ماموں گھر کب آؤ گے؟..... راہ ہجرت و جہاد کی مشقتوں میں ایک مجاہد کی خود کلامی

ان تکلفات سے قائم ہے، کھانا پینا، تھک ہار کے سوجانا، کون خیال رکھتا ہوگا، ڈھول سے اٹے بال، کون سنوارتا ہوگا، ایسے ہی سب کو چھوڑ کے چلے گئے کسی انجانے دیس، کسی انجانے بستی میں، ہاں یاد آیا شاید کسی دلربا کی آنکھوں کے سیاہ ڈورے نہ ان کو بھاگئے ہوں بھلا ماموں کو کون سمجھائے اجنبی دیس کی اجنبی پریوں کے پیچھے بھی بھاگا جاتا ہے؟ وقت بھی بھلا کب رکتا ہے چاند بھی نکلتا ہے اور اپنی نور کی کرنیں نکھیرتا رہتا ہے زندگی کے کسی موڑ پہ کسی انجانے راہوں میں مل ہی جائیں گے، کہہ دوں گی بس کرو اتنی مسافتیں طے کرنے کا کیا حاصل؟“

چلتے چلتے تھک کر پوچھا پاؤں کے زخمی چھالوں نے
بستی کتنی دور بسالی دل کے بسنے والوں نے

ننھی جان کیا جانے، آخر ننھی ہی ہے نا، مشاغل کیا ہیں کھانا پینا، کھیلنا کودنا، تھک ہار کے سوجانا، کتنا معصوم ہے یہ بچپن، جنگی کلکاریوں سے گھر کا صحن آباد ہے، اللہ ان کلیوں کو سدا کھکھلاتا رکھے، ماموں کے انتظار میں تڑپتی یہ ننھی جان کو کیا معلوم کہ جانے والے ہجرت کی راہوں پہ کیوں نکل جاتے ہیں۔

ننھی جان کیا جانے، مسلم سرزمینوں پہ آئے کافر اپنے ساتھ گندی تہذیب لائے ہیں، نئی تہذیب اور خوشحالی کے خوش نمارنگ کی آڑ میں بد نماجال ساتھ لائے ہیں، اپنے ساتھ اک ایسی آگ لائے ہیں، جس کی حدت سے میری اُمت کے یہ معصوم جل جائیں گے، میرے پاکیزہ چمن کے یہ معصوم فطرت غنچے آن ہی آن میں اجڑ جائیں گے، ان کی معصومیت کسی دن مادیت کے سیلاب میں بہہ جائے گی، انفارمیشن ٹیکنالوجی کا فتنہ ان کے ایمان ہی کو نہ نگل جائے، پل کی خبر کی جتنو میرے اسلاف کی حسین اور درخشاں تاریخ سے ہی نہ رشتہ کاٹ دے، یہ بھیڑیے اپنے نوکیلے دانتوں زہریلے لبوں میں میری ننھی جیسی کئی گزریوں کی بربادی کا سامان لائے ہیں۔ ہاں مگر!!!! ان کو خطرہ ہے، ان ہاتھوں سے جو ننھی پر چھپنے سے پہلے ان کی آنکھیں پھوڑنے کے لیے مورچہ زن ہو چکے ہیں، ان کی لپٹائی زبانیں ان مورچوں میں اپنی بربادی کا سامان دیکھتی ہیں، ان کو معلوم ہے جو مشروب ہم نے ان کے لیے تیار کیا کہیں اس کا زہریلا گھونٹ ہمیں نہ چکھنا پڑ جائے، جس کی تلخی سے یہ بخونی آگاہ ہیں، ماموں کی ذات تو نور کی برسات ہوتی ہے۔ شمع تو تہی جلتی ہے، اس کانور بھی تہی لوگوں کو روشنی عطا کرتا ہے جب شمع جل جل کر خاکستر ہونا شروع ہوجاتی ہے، پروانے کا کیا کام روشنی سے؟؟ روشنی تو بہانہ ہے، اصل تو اس کا کام جل کر فنا ہونا ہے، نئی تاریخ رقم کرنی ہے فنا ہوجانے کی، شمع کو بھی جلتے رہنا ہے تاکہ گھروندوں کو روشنی میسر آتی رہے، چاہے اس کے لبو کو آنسوؤں کی صورت میں ہی کیوں

جہاد جس کی قبولیت رب کے ہاتھ میں ہے، مگر انسان کا معاملہ رب کے ساتھ کبھی کبھی ”وکھرا“ ہو جاتا ہے، راہ جہاد میں کبھی ایسا غم نصیب ہوتا ہے بندہ چاہتا ہے کہ غم کی یہ فضا میرے اور میرے رب کے درمیان ہی رہے، شاید کل اسی کے باعث بخشش کا سماں ہو جائے۔

چھوٹی بھانجی، ننھی جان اپنی تو قلی زبان میں پوچھتی ہے:

”ماموں گھر کب آؤ گے، ماں جو گھر کی جنت ہو ا کرتی ہے، اس جنت کا خُسن ماموں کی ذات سے وابستہ ہوتا ہے، شاید اس وجہ سے لوگ چاند کو چندا ماموں سے تشبیہ دیتے ہیں، کون کیا جانے! کب اس کا نام چندا ماموں پڑا، شاید اس لیے اس کے گرد نور کا ہالہ ہوتا ہے، جو اپنے گرد ایک اپنی ہی کھکشاں رکھتا ہے، یہ چاند بھی کتنا خوش نصیب ہے، جو اپنے گرد تاروں کے بھرمٹ کی دنیا آباد رکھتا ہے مگر میری اس سے کیا نسبت۔ اپنی کہانی عجیب سی ہے، بچپن سے چندا ماموں کا نام سنا، مگر ماموں غائب معلوم نہیں وہ کہاں ہوتے ہیں، جب بھی چندا ماموں (چاند) کو آسمان پر اپنے تاروں کے گرد چمکتے پایا، اس میں اپنے ماموں کا عکس پایا، سوچتی ہوں، ماموں بھی اس طرح گردش ایام میں رہتے ہوں گے، مگر چاند کی گردش تو پلٹ کر واپس آ جاتی ہے، سب سے بڑھ کر چاند کی نور بھری کرنیں اس کے گرد تاروں کا جھرمٹ، اس کی مٹھاس اور اس کے گرد نور کا ہالہ، سوچتی ہوں ماموں بھی ایسے ہی ہوں گے، لیکن جب وہ اتنے اچھے تھے، تو دور کیوں چلے گئے، خیال آیا کوئی ناراضگی ہوگی، پر چاند بھی اماؤں کی رات کو چھپ جاتا ہے لیکن اپنی پاکیزگی اور نور بھری کرنوں کی وجہ سے لوٹ آتا ہے، اسکی وجہ سے ظلمت کی سیاہی چھٹ جاتی ہے، اس کو کوئی غم نہیں، نہ اپنی روشنی کے ماند پڑنے کا، اور نہ ہی ظلمت کے چھا جانے کا، کیونکہ کام ہی اس کا نور نکھیرنا ہے، ہاں تذکرہ چل رہا تھا ماموں کی ذات کا، جب نانی اماں، اپنی اماں ان کا اتنے محبت سے تذکرہ کرتی ہیں، تو کیوں وہ اتنے دور چلے گئے، سنا ہے جو چاند پہ جاتا ہے وہ بھی لوٹ آتا ہے مگر ماموں ایسے گئے پلٹے نہیں،، جب ملیں گے غصہ کروں گی، ناراض ہو جاؤں گی، محبت کرتے ہیں نا مجھ سے، اپنے حصے کے کچھ کھلونے دے کر راضی کر لوں گی، مان لیں گے اتنی ناراضگی اچھی نہیں ہوتی، سنا ہے ماموں کی ذات نور کی برسات ہو ا کرتی ہے، ان کا پیار سارے ڈکھوں کا مداوا ہوا کرتا ہے، عید کی رات ہو یا خوشیوں کی برسات، ماموں غائب، مگر ماموں کہتے ہیں سارے میرے گرد خوشبو کی مانند ہستے ہیں، اماں، بابا، بھیا، خالہ جان سب سے بڑھ کے ننھی جان، مگر ذہن میں یہ سوال کلبلاتا ہے وہ آتے کیوں نہیں، آخر کیوں انہوں نے ایسی راہ چن لی جہاں سے پلٹنا ہی نہیں؟ کیا ”بھک“ تھی ایسی کانٹوں بھری راہ کے انتخاب کی، بھلا کوئی جانتے بوجھتے بھی اپنی راہوں میں کانٹے بچھاتا ہے، سوچتی ہوں زندگی بھی تو

نہ بہنا پڑے، ماموں کے انتظار میں تڑپتی یہ نفھی جان کیا جانے، ان بھول بھلیوں کو یہ کیا جانے، کیا جانے والوں کے سینے میں دل نہیں ہوتا! کاش کوئی اپنے ہوں جن کی خاطر جیا جائے، سفر پہ گھومتے ان پر دیسیوں کی خواہش کو کون جانے، کون نہیں چاہتا کہ آخری دیدار ہی اپنے کر لیں، اپنے دیار، کوچہ یار میں دو گز زمین کا ٹکڑا کون نہیں مانگتا مگر؟؟؟ کو چہ یار میں یہ بھی سعادت ہے جسم ایسا کٹے کچھ نہ ملے!

میرے رفیق سفر اس مقام پر تھم جا
حساب الفت محبوب کچھ چکا کے چلیں
ادھر ادھر کئی لاشیں پڑی ہیں بکھری ہوئی
ہم ان کو چوم کے ان کو گلے لگا کے چلیں
یہ خاک جس نے پیا ہے لہو جیالوں کا
ہم اپنا خوں بھی کچھ اس خاک میں ملا کے چلیں

اس لیے جب تک ماؤں کے راج دلارے بہنوں کے بھائی پیارے گھروں سے نکل کر اک نئی تاریخ رقم کرتے رہیں گے، دشتوں صحراؤں میں تکبیر کے زمزمے گونجتے رہیں گے، جب تلک نفھی کی یادیں دل میں بسائے ان کے چند ماموں ان بھیڑیوں کے تعاقب میں رہیں گے، تب تلک میری امت کے یہ حسین معصوم غنچے بھی کھکھلاتے رہیں گے۔ میرے پاکیزہ گلشن کے یہ مکین سد سلامت رہیں تا قیامت رہیں، آمین!

☆☆☆☆☆

بقیہ: تین شہید

کہ فضا میں اڑتے ڈرون طیارے نے یکے بعد دیگرے اگلے فائر کیے۔ اس حملے میں پانچ مجاہدین شفیق بھائی، حیدر بھائی، عبدالصبور بھائی (پنجاب) شبیر بھائی (کراچی) جبکہ عثمان بھائی (دیر) فوراً ہی محو پرواز جنتاں ہوئے، جبکہ عثمان بھائی کے بڑے بھائی مولانا سعید اللہ شدید زخمی ہوئے جو بعد از دس روز گیارہ رمضان المبارک کو اپنی منزل مراد پا گئے۔ (نحسبہ کذاک واللہ حسیبہ)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے شہداء کو فردوس اعلیٰ میں انبیاء، صدیقین، شہداء و صالحین کی معیت نصیب فرمائیں اور ہمیں بھی اپنے ان پیش روؤں کے نقش پا پر چلتے ہوئے مقبول شہادت نصیب فرمائیں، آمین!

بقیہ: بے حسی

اس دنیا کی زندگی تو بس چند روزہ ہے، ساٹھ برس یا کہ ستر، اس میں روٹی کپڑا اور مکان جیسا کیسا بھی ملا یہ گزر ہی جائے گی، اصل تو وہ زندگی ہے جو آنے والی ہے، اگر اس دنیا سے اعمال کی

کرنی ساتھ لے گئے تو آگے اچھا مکان (تاحد نظر کشادہ قبر اور بعد ازاں جنت کے محلات)، لباس ایسا کہ دنیا کا قیمتی سے قیمتی ترین لباس اس کے سامنے ناک صاف کرنے کے رومال کے برابر بھی نہ ہو اور طعام ایسا کہ جو جی چاہے اور جب چاہے اور جیسا چاہے، نہ کمانے کی فکر نہ وزن بڑھنے کی۔ جیسے چاہو جیو تو وہاں ہو گا، کوئی پابندی کوئی حدود و قیود نہ ہو گی۔ پس جس نے اس زندگی کے روٹی کپڑے اور مکان کا انتظام کر لیا وہی کامیاب ہے اور اُس زندگی میں وہی ان نعمتوں سے بہرہ ور ہو گا جس نے اس دنیا کی زندگی میں اپنے رب کو اس کے بنائے اصولوں کو اس کے عطا کیے دین کو اس کے بھیجے عظیم الشان نبی کی تعلیمات کو اور اس کی کتاب اور اس میں درج احکامات کو اپنی پسند، اپنی مرضی، اپنی خواہش، اپنی چاہت اور اپنا مقصد زندگی بنالیا۔ اللہ رب العزت ہمیں اپنی چاہت کو اپنے رب کی چاہت کے پیمانے میں ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا طریقہ انفاق

”میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ ہمیشہ محنت سے حاصل ہونے والی آمدنی کا بیسواں حصہ اور بغیر محنت کے حاصل ہونے والی آمدنی کا دسواں حصہ علیحدہ لفافے میں رکھ دیا کرتے تھے۔ اور آپ کا یہ ساری زندگی کا معمول تھا۔ اگر ایک روپیہ بھی کہیں سے آیا تو اسی وقت اس کا دسواں حصہ نکال کر اس کی ریزگاری کر اگر اس لفافے میں ڈال دیتے، اور اگر سو روپے آئے ہیں تو دس روپے ڈال دیتے۔ وقتی طور پر اگرچہ اس عمل میں تھوڑی سی دشواری ہوتی تھی کہ فی الحال ٹوٹے ہوئے پیسے موجود نہیں ہیں، اب کیا کریں، اس کے لیے مستقل انتظام کرنا پڑتا تھا۔ لیکن ساری عمر کبھی اس عمل سے متخلف نہیں دیکھا۔ اور میں نے وہ تھیلا کبھی ساری عمر بھی خالی نہیں دیکھا، الحمد للہ۔ اس عمل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب آدمی اس طرح نکال کر الگ کرتا رہتا ہے تو وہ تھیلا خود یاد دلاتا رہتا ہے کہ مجھے خرچ کرو، اور کسی صحیح مصرف میں لگاؤ۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے انفاق کی توفیق عطا فرمادیتے ہیں۔“

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ

بحوالہ ’اصلاحی خطبات‘

تین شہید

عمر فاروق الخراسانی

اجنبیوں نے اس دنیا کی زیب و زینت کو ٹھکرا دیا کہ جس کی چاہ میں بہت سے حب دنیا رکھنے والے جان سے ہاتھ دھو کر خاک میں مل گئے۔

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر و قیمت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔“ (مسند احمد، جامع ترمذی، ابن ماجہ)

یہ وہ اجنبی ہیں جو عرب و عجم کی بستیوں سے نکل کر گھروں سے دور گئے جنگلوں، سنگلاخ پہاڑوں، ویرانوں اور بیابانوں میں امت کا غم دل میں لیے نکلے ہیں دل ان کی عظمت اور بلند رتبے پر فخر کرتا ہے، نگاہیں ان کی محبت و عقیدت میں آنسوؤں کا نذرانہ پیش کرتی ہیں، یہ اجنبی اگر رات کو راہب ہوتے ہیں تو دن کو میدان قتال کے شہسوار، یہ راتوں کو اپنے رخساروں کو آنسوؤں سے تر کرتے ہیں تو دن کو چمن اسلام کی آبیاری کے لیے اپنے جسموں کو ٹکڑوں میں بٹا دیتے ہیں۔ ہمارے دل ان کی طرف جھکے چلے جاتے ہیں، سینوں میں رب کعبہ کے دیدار کی تمنا انگڑائی لیتی رہتی ہے کہ جس کے شوق میں یہ اجنبی جان تک سے گزر جاتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی اس سعادت پر شاداں و فرحان رہتے ہیں۔ درہم و دینار کے بندے حب دنیا کے اسیر انہیں بار بار دنیا کی رنگینیوں، پر قیث زندگی، نرم گرم بستروں، اعلیٰ عہدوں، بڑے بڑے بنگلوں، رنگین خوبصورت گاڑیوں، مال و دولت کی ریل پیل کے حسین خواب دکھا کر راہ شوق سے موڑنے کی کوشش کر چکے مگر ان کے دلوں کو کبھی خوداری اور لالچ و طمع کا اسیر نہ بنا سکے۔ ان اجنبیوں نے جہالت کی تاریکیوں میں اپنے لیے سیرت نبوی سے منور راستہ تلاش کیا، وہ راستہ جو کامیابی کا راستہ ہے، یہ وہ راستہ ہے جو عزت و رفعت کی معراج پر پہنچا دیتا ہے۔ اس کارواں میں شامل بہت سے اجنبی اپنی نذر پوری کر چکے ہیں اور بہت سے اپنی باری کے منتظر ہیں۔

قَمِ الْمُؤْمِنِينَ رَجُلًا صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَنَقَبَتْهُم مِّن قَطْعِي تَحْبَةٍ
وَمِنْهُمْ مَّن يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا (سورة الاحزاب)

”مومنوں میں (ایسے) لوگ بھی ہیں جنہوں نے جو عہد اللہ تعالیٰ سے کیا تھا اسے سچا کر دکھایا، بعض نے تو اپنا عہد پورا کر دیا اور بعض (موقع کے) منتظر ہیں اور انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔“

یہ اجنبی موت کی تلاش میں اس طرح سرگرداں رہتے ہیں جیسے درہم و دینار کے بندے حصول دنیا کی حرص میں مادی چیزوں کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ اس کارواں میں شامل بہت سے اجنبی ایسے بھی ہیں کہ آج دنیا ان کے نام تک سے واقف نہیں مگر تاریخ کے کاتب کو اگرچہ ان کے نام و احوال نہ بھی معلوم ہوں تو بھی وہ ان کا ذکر کیے بغیر تاریخ مکمل نہیں کر پائے گا، ایسے ہی

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”خوشخبری ہے اجنبیوں کے لیے،“ تو پوچھا گیا کون اجنبی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ فرمایا ”برے لوگوں کی کثرت میں (گھرے ہوئے) نیک لوگ۔ جو ان کی نافرمانی کریں گے، وہ ان کا کہنا ماننے والوں کے مقابلے میں زیادہ ہوں گے۔“ (مسند احمد)

یہ وہ اجنبی ہیں جو موت کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ اگر یہ موت سے اس قدر محبت کرنے والے نہ ہوتے تو اتنے بڑے لشکر، غیر معمولی چھاپہ ماردستوں، جنگی جہازوں، بری فوج کے توپ خانوں کے سامنے کبھی نہ ٹھہر پاتے، مگر ایمان کی حلاوت، جذبوں کی صداقت، عزائم کی پختگی، اخلاص و شجاعت، رب کی جنتوں کا حصول انہیں موت کے ان پیغامبروں سے الجھنے کا حوصلہ دیے ہوئے ہے۔ پھر ایمان کی طاقت ہی تو ہے جو ان اجنبیوں کا سب سے قوی ہتھیار ہے، اللہ کی ذات پر کامل یقین اور اس کی ذات پر توکل (بھروسہ) ہی ہے کہ ان کا ایمان اپنے معجزات بھی دکھاتا ہے جیسی تو کہ مِّنْ فِتْنَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِتْنَةُ كَيْفِيُو كَايَاذِنِ اللّٰهِ كِى عَلٰى تصویر ہر دور میں دیکھنے کو ملتی ہے۔

یہ اجنبیوں کا قافلہ ہے جس کے راہبوں نے اپنے رب کی طرف جانے والے راستے کو پہچان لیا ہے، جو کامیابی اور ناکامی کے اصل معیار سمجھ چکے ہیں، جو علم پر عمل کرتے ہیں۔ ان اجنبیوں نے ایک ایسے راستے کا انتخاب کیا جو آزمائشوں اور سختیوں سے گھیرا گیا ہے۔ ایک ایسی راہ جس پر قدم قدم پر زخم، معذوری، قید و بند کی صعوبتیں، ظلم و تشدد، تعذیب اور بالآخر موت سامنے کھڑی رہتی ہے۔ یہ اجنبی تعداد میں بہت کم تھے کہ اسلام آباد سے اٹھنے والی شریعت یا شہادت کی صدا، بہنوں کے بہتے لبو، پاک دامن عزتوں کی پامالی، بھائیوں کے پامال ہوتے لاشے، قرآن کے جلتے اوراق اور جامعہ حفصہ و لال مسجد کی شہادت نے سوتوں کو جگایا ہے، بے حمیت لوگوں کو حمیت دلائی، غیرت مسلم جاگ اٹھی، خواب غفلت میں غرق جسموں میں بجلیاں کوندیں پھر یکایک دیکھتے ہی دیکھتے ان اجنبیوں میں اضافہ ہونے لگا۔ قافلوں کی صورت، ٹولیوں کی شکل میں، انفرادیت میں، خاندانوں کے روپ میں، دوستوں کے گروہوں میں، ہر کوئی جس طرح راہ پاتا اجنبیوں کے قافلے میں شامل ہونے کے لیے نکل پڑتا۔ یہ لوگ اجنبی ہیں اپنے وجود میں، اپنی سوچ میں، اپنی فکر میں، اپنے قول میں، اپنے کردار و عمل میں، اپنی تہذیب و معاشرت میں، اپنی ضروریات و ترجیحات میں۔ یہ لوگ دنیا داروں سے بالکل مختلف ہیں۔ انہوں نے اس دنیا کو جو تے کی نوک پر رکھ کر ٹھکرا دیا کہ جس دنیا کی چوکھٹ پر یہ دنیا دار لوگ سجدہ ریز ہیں۔ جو اپنے آپ کو اکلیم سمجھتے ہیں مگر پھر بھی آنکھوں دیکھے فتنوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان

تین پر نور ستارے شفیق بھائی، عبدالصبور بھائی اور حیدر بھائی بھی ہیں جو اس اجنبیت کی راہ میں اپنی جان تک وار گئے۔ (نحسبہ کذا لک واللہ حسبہ)

شفیق شہید

ہر شخص کو اپنے نام سے کچھ حصہ ضرور ملتا ہے، اگرچہ آپ کا اصل نام عام تھا مگر آپ اپنے جہادی نام کی طرح طبعاً شفیق تھے۔ آپ رحمہ اللہ کو اللہ پاک نے آپ کے نام کی طرح انتہائی شفقت و محبت کرنے والا اور ساتھیوں کا خیال رکھنے والا بنایا تھا۔ بے حد پیارا انداز گفتگو، حلیم و شفیق طبیعت کے مالک، ساتھیوں سے محبت کرنے والے، ساتھیوں کو جب بھی پکارتے تو اپنے مخصوص پنچائی لہجے میں پیارے بھائی کہہ کر پکارتے۔ شفیق بھائی کا یہ شفقت بھر انداز آج بھی کانوں میں گونجتا ہے۔ جب کبھی آپ کی یاد آتی ہے تو آنکھیں آپ کو آنسوؤں کا نذرانہ پیش کرنے لگ جاتی ہیں۔ آپ کا تعلق صوبہ پنجاب کے شہر سیالکوٹ سے تھا۔ دیہاتی ماحول میں پرورش پانے کی وجہ سے فطری طور پر جفاکشی و سخت جانی کا مادہ زیادہ تھا۔ سخت مشقت والے کام بھی آپ انتہائی جانفشانی سے کرتے۔ کام لگن یکسوئی اور توجہ سے کرتے۔ مراکز کی تعمیر ہو یا ساتھیوں کی ضروریات پوری کرنی ہوں آپ ہر کام میں پیش پیش رہتے۔ مجھے یاد ہے جب ہماری تدریس چل رہی تھی تو مومن سون کی بارشوں کی وجہ سے ہمارے کمرے کی چھت ٹپکنے لگ گئی۔ یہ چھت کیا تھی ایک پھنپھرائی تھی جس میں جابجا سوراخ تھے۔ بارش بہت شدید تھی آپ اسی حالت میں باہر گئے اور چھت کو ٹھیک کرنے لگے۔ اے شفیق بھائی مجھے یاد ہے میں پاکستان میں تھا۔ جب آپ کی شہادت کی خبر ملی تو دل غم زدہ ہو گیا تھا، آنکھوں سے آنسوؤں کی ایک لڑی سی روانہ ہو گئی۔ یہ آپ کا حق بھی تھا کہ آنکھیں آپ جیسے محبت و شفقت رکھنے والے بھائی کی شہادت پر روئیں۔

شرم و حیا کے پیکر شفیق بھائی مجاہدین میں ہر دلعزیز تھے۔ چھوٹی چھوٹی سنتوں پہ عمل پیرا رہتے۔ علم و عمل ایسا کہ جب بھی کوئی اچھی بات یا حدیث سنتے تو فوراً اس پر عمل کرتے۔ نمازیں انتہائی عاجزی اور خشوع و خضوع سے ادا کرتے، نوافل اور قیام الیل کا خوب اہتمام کرتے، آپ کی کوئی رات ایسی نہ گزرتی جب نالہ نیم شب میں آپ اپنے رب سے خود دعا نہ رہتے ہوں۔

شجاعت و بہادری آپ کا خاصہ تھا۔ آپ بڑے اسلحے کے ماہر بھی تھے۔ وزیرستان میں رنجہ کے محاذ پر موجود نواۓ میں قائم کینیڈین فوج اور ان کے غلاموں کے خلاف اور انکوڑا کے خط اول سے افغانستان کے صوبہ پکتیکا میں موجود امریکی ایئر بیس مچہ داد اور غلام ملی آرمی کے کیپ مداشامی پر مصروف قتال رہے۔

حیدر اور عبدالصبور شہید

جہاد پاکستان کے راہیوں کے ہمرکاب ہوئے ابھی چند دن ہی ہوئے تھے کہ ہمیں تدریب کے لیے رنجہ کی طرف لے جایا گیا۔ دراصل یہ خط اول پر موجود مجاہدین کا مرکز تھا۔ یہ مرکز ایک ایسی وادی میں تھا جہاں چاروں طرف بلند بالا پہاڑ اور اونچے اونچے چلغوزے کے درخت تھے اور ان پہاڑوں کے درمیان جابجا قدرتی صاف پانی کے چشمے اور آبشاریں جاری تھیں۔ جب اس درے میں قدم رکھا تو نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ الفاظ کانوں میں گونجنے لگے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو اس وقت کہے جب انہوں نے آپ سے سیاحت کی اجازت مانگی۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”جہاد کرو یہی میری امت کی سیاحت ہے۔“

اس سرسبز و شاداب علاقے کا موسم بہت ہی خوشگوار ہے۔ یہ علاقہ انتہائی خوبصورت اور سرد علاقہ ہے اس مرکز سے مغرب کی جانب افغان سرحد تھی جسے اللہ کے شیر مجاہدین اسلام ہر روز یاغی میں دو تین بار ضرور اپنے پاؤں تلے روند کر اندر داخل ہوتے اور صلیب کے پجاریوں پہ مختلف نوعیت کی کار توئیاں کرتے۔ اس مرکز میں بچپن کے بعد سب سے پہلی ملاقات حیدر بھائی سے ہوئی اور اسی مرکز میں عبدالصبور بھائی کو پہلی دفعہ دیکھا۔ مجھے اپنے ان شہداء کے ساتھ زیادہ وقت گزارنے کا موقع تو نہ مل سکا البتہ ہفتہ بھر ساتھ رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

حیدر و عبدالصبور بھائی کا تعلق بھی صوبہ پنجاب سے تھا۔ دونوں بھائیوں کو ہی مثالی کردار و عمل کا حامل پایا۔ قربانی ایثار کرنے والے اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دینے والے گویا ”وَيُؤْتُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَوْ كَانُ يَعْلَمُونَ حَصَصَةً“۔ ہر وقت رب کی جنتوں کے حصول کے لیے کوشاں رہتے۔ اکثر بھائیوں سے ذکر خیر ہی سنا۔ غیبت فضول گوئی اور لالیعنی باتوں سے اجتناب برتنے والے، اپنی زبانوں کو ذکر خیر اور تلاوت قرآن سے تر رکھنے والے، دونوں بھائی شہادت کی تلاش میں سرگرداں کھٹے ہی نظر آتے۔ ان کی آپس کی دوستی بھی مثالی تھی، میدان جہاد و رباط میں بھی کھٹے رہے اور شہادت بھی کھٹے پائی۔

تو اپنے تیر و تنگ آزما اے دشمن
مگر یہ سن لے میرا حوصلہ نہ ٹوٹے گا
ہر شہید کے بعد آئے گا اک اور شہید
شہادتوں کا یہ حسین سلسلہ نہ ٹوٹے گا

کیم رمضان المبارک چودہ سواٹھائیس ہجری بمطابق اگست دوہزار آٹھ، جنوبی وزیرستان وانا سے چند کلومیٹر دور زڑی نور میں مجاہدین اپنے مرکز میں بعد از نماز ظہر ذکر اللہ اور تلاوت قرآن پاک میں مصروف تھے.....



(کشمیر میں) کون سی تنظیم حق پر ہے؟!

مقبوضہ کشمیر سے بھائی 'الف' عین نے مجلہ 'نوائے غزوہ ہند' کے مدیر کے نام، ۴ اگست ۲۰۲۲ء کو بذریعہ ای میل سوال پوچھا:

”السلام علیکم!

جی میں مقبوضہ کشمیر سے ہوں۔ میں انصار غزوۃ الہند کی دعوت کے بارے میں پورا علم حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ میں بہت ہی پریشان ہوں، مجھے سمجھ نہیں آتا کہ کون سی تنظیم حق پر ہے، مہربانی کر کے مجھے کچھ کتابیں تجویز کیجیے تاکہ میری 'کنفیوژن' دور ہو جائے اور مجھے حق سمجھ آجائے..... اور مہربانی کر کے میرے لیے دعا کریں۔“

جواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی والصلاة والسلام علی رسول اللہ، أما بعد

محترم و مکرم بھائی 'الف' عین!

و علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اللہ آپ کا یہ غم، فکر اور جذبہ قبول کر لیں، ہم سب کو ہدایت سے نوازیں اور اپنی راہ، جہاد فی سبیل اللہ میں اپنا سب کچھ لگانے کی ہمیں توفیق دیں۔

محترم بھائی! جہاں تک حق و اہل حق کو پہچاننے کے متعلق آپ کا سوال ہے..... تو اس حوالے سے ضروری ہے کہ ہم اللہ سے ہدایت کی دعا مانگیں، بالخصوص یہ ماثورہ دعا استحضار و اخلاص کے ساتھ مستقل مانگنی چاہیے:

”اللَّهُمَّ ارِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَهُ وَارِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ“

”اے اللہ ہمیں حق کو حق ہی دکھلا اور اس پر چلنے کی توفیق ہمیں دے اور ہمیں باطل کو باطل ہی دکھا اور اس

سے دور ہونے کی توفیق ہمیں دے۔“

ہم کسی بھی وقت ہدایت سے مستغنی نہیں ہو سکتے ہیں، اور یہ ہدایت صلاحیت اور علم کی بنیاد پر نہیں ملا کرتی ہے، بلکہ اصلی سبب اللہ کی توفیق ہوا کرتی ہے، اس لیے اللہ سے ہم مانگیں کہ وہ ہر قدم پر ہماری حق کی طرف رہنمائی کریں، حق پر عمل کرنے والے ہمیں بنائیں اور پھر حق کے انصار و مددگاروں میں بھی ہمیں شامل کر لیں۔

ہدایت کے لیے اپنی مستقل محتاجی کے احساس اور دعا کے بعد، کوشش کرنی چاہیے کہ اللہ ہمیں حق کی پہچان عطا کریں، اور حق و باطل کی پہچان کے لیے بڑی شرط جو اللہ نے رکھی ہے وہ تقویٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَبُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ○ (سورة الانفال: ۲۹)

”اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے ساتھ تقویٰ کی روش اختیار کرو گے تو وہ تمہیں (حق و باطل کی) تمیز عطا کر دے گا اور تمہاری برائیوں کا کفارہ کر دے گا، اور تمہیں مغفرت سے نوازے گا، اور اللہ فضلِ عظیم کا مالک ہے۔“

جب چھوٹے بڑے تمام امور میں اللہ کی ناراضگی سے بچنے کی ہم بھرپور کوشش کریں تو اللہ حق و باطل کے بیچ تمیز آسان کر دیں گے، پھر حق کی پہچان مشکل نہیں رہے گی، اور حق پہچانیں گے تو پھر اہل حق کی پہچان بھی اللہ آسان کر دیں گے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے، فرماتے ہیں:

”إِنَّ الْحَقَّ لَا يَعْرِفُ بِالرِّجَالِ اعْرِفِ الْحَقَّ تَعْرِفْ أَهْلَهُ.“

”حق اشخاص کے ذریعہ نہیں پہچانا جاتا، حق پہچان لو، اس کا ساتھ دینے والوں کو خود پہچان لو گے۔“

محترم بھائی!

موجودہ حالات کے لحاظ سے جہادی امور کے متعلق یہ چند بنیادی باتیں ہمیں ذہن نشین کرنی چاہئیں:

- اول یہ کہ شریعت کا تقاضہ ہے کہ ہمارے جہاد کا مقصد اللہ کی رضا، اس کے دین متین کا غلبہ اور مظلوموں کی مدد و نصرت ہو۔ بلاشبہ آزادی وطن بھی ایک ہدف ہو، مگر محض آزادی مقصد جہاد قطعاً نہ ہو، بلکہ شرعی طور پر مطلوب یہ ہے کہ ہمارا مقصد شریعت محمدی ﷺ کو حاکم کرنا اور اللہ کے دین کو زندگی کے تمام شعبوں میں رائج کرنا ہو۔
- دوسرا اہم نقطہ یہ ہے کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں شریعتِ مطہرہ کی مکمل پیروی کریں، اپنی محبت و نفرت، حمایت و مخالفت اور دوستی اور دشمنی میں نہ نفسانی خواہشات کے کبھی شکار ہوں اور نہ ہی وطنی، تنظیمی یا گروہی تعصبات کے بتوں کو کبھی بیچ میں لائیں، بلکہ ضروری ہے کہ ہمارے یہ سب امور خالص اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے ہوں اور ان میں ہمارا ہیمنہ بس اللہ کی شریعتِ مطہرہ ہو۔ گویا مقاصد بھی ہمارے وہ ہوں جن کا اللہ کا دین ہمیں امر کرتا ہے اور ان مقاصد کو حاصل کرنے کا راستہ بھی وہی ہم اپنائیں جس کی شریعت ہمیں اجازت دیتی ہو۔

یہ حق ہے، یہ شریعت ہے، اس پر ہم خود اپنا بھی محاسبہ کریں اور دوسروں کا بھی جائزہ لیں۔ جماعتِ قاعدۃ الجہاد بر صغیر کے مامور کے طور پر ہماری کوشش ہے کہ ان اصولوں کو اپنے عمل میں لائیں اور ان کی طرف دیگر اہل ایمان کو بھی ہم دعوت دیں، اس دعوت پر کوئی لبیک کہے اور ہمارا ساتھ دے، یا کسی دوسری جماعت میں رہتے ہوئے اس حق کا حامی و ناصر بن جائے، دونوں صورتوں میں وہ ہمارا محبوب بھائی ہے، ہم اس کے خادم ہیں اور ہماری خواہش ہوگی کہ دعوت و جہاد کی اس عظیم عبادت میں ہم کسی طرح ایک دوسرے کے کام آئیں۔

جہاں تک انصار غزوۃ الہند کے متعلق آپ کا سوال ہے تو اس کے مجاہدین بھی ہمارے بھائی ہیں، ان کی قربانیوں، شریعت یا شہادت کا نعرہ اور اس محور کے گرد ان کے سعی و عمل کی ہم بہت قدر کرتے ہیں اور اللہ کے سامنے دعا گو ہیں کہ وہ اپنے دربار میں ان بھائیوں کا جذبہ و عمل قبول فرمائیں، انہیں کشمیر کے دیگر مجاہدین کے لیے بھی مبارک و معاون ثابت کریں اور انہیں کشمیر میں ایک رُخ بہ منزل، صحیح اسلامی تحریک کے آغاز کی تمہید ثابت کریں۔

کتب جہاد کے لیے ہم سے وابستہ کچھ مجاہد ساتھیوں کی مرتب کردہ ویب سائٹ 'مطبوعات دعوت و جہاد' (www.matboaatedawat.com) ملاحظہ کیجیے، نیز ادارہ السحاب سے نشر شدہ بیانات و افلام اور خود مجلہ نوائے غزوۃ ہند کے سابقہ و نئے شمارے بھی اس ضمن میں ان شاء اللہ مفید ہوں گے۔

ہم یہ گزارش بھی آپ سے کریں گے اپنی امنیت (سکیورٹی و حفاظت) کا خیال رکھیے، اپنے ارد گرد افراد کو جتنا ہو سکے اپنے اس غم و سعی میں شریک کیجیے، با عمل علمائے کرام کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھیے اور اپنے تمام امور میں ان سے شرعی رہنمائی لیا کیجیے۔ جہادی امور کے لیے ساتھیوں کے ساتھ رابطے میں رہیے، اللہ سے دعا ہے کہ وہ جہاد ہند میں آپ سے کام لیں، مومنین کے سینے آپ کے ذریعہ ٹھنڈے کریں اور آپ کے جہاد کو مقبول و مبروک کریں، آمین ثم آمین!

جزاکم اللہ خیراً کثیراً

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

وصلی اللہ علی النبی، و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

☆☆☆☆☆

سوالات مجھوانے کے لیے ہمارا برقی پتہ (email):

aapkaysawalat@ngmag.com

☆☆☆☆☆

سلطانی جمہور

علی بن منصور

تھا۔ آنکھوں کے نیچے حلقہ نمایاں ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ان کی نظریں نسرین سے ہوتے ہوئے خود اپنے ہاتھ پر پڑیں۔ ابھری ہوئی رگوں والا کمزور و ضعیف ہاتھ جس پر کینولا لگا کر سر جیکل ٹیپ سے مضبوطی سے اسے اپنی جگہ باندھ دیا گیا تھا۔ عشاء کی اذان سے تھوڑی دیر پہلے ہی جب نسرین کو آئی سی یو سے پرائیویٹ وارڈ میں منتقل کیا گیا تو ابو بکر صاحب ان کی دن بھر کی پریشانی، تھکاوٹ اور بھوک کے خیال سے ہسپتال کے کیفی ٹیریا سے کھانے کے لیے ایک سینڈ وچ اور جوس کی ایک بوتل لے کر آئے تھے۔ وہ بیڈ کے ساتھ رکھی میز پر جوس کے توں پڑے تھے۔ صولت بیگم کی بھوک پیاس مریچی تھی۔ مگر دن بھر کی ٹینشن اور پریشانی کے آثار بھی ان کے چہرے پر اس قدر واضح تھے کہ ابو بکر صاحب کے کہنے پر نرس نے انہیں بھی ایک ڈرپ لگا دی۔ اب رات کے گیارہ بج رہے تھے، اور نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ نسرین خواب آور دواؤں کے زیر اثر پرسکون نیند سو رہی تھی۔ انہوں نے نڈھال ہو کر گردن بیڈ کی پشت سے ٹکادی۔

آنکھیں بند کر تیں تو صبح کا منظر کسی فلم کی طرح چلنے لگتا۔ ارشد کے جانے بعد بھی وہ سب اپنی اپنی جگہوں پر گم صم بیٹھے رہے تھے۔ جیسے کسی کو کچھ ہوش ہی نہ ہو..... جیسے سمجھ ہی نہ پارہے ہوں کہ ہوا کیا ہے۔ سب سے پہلے کوئی کچھ بولا تو وہ ولید تھا۔ وہ جیب میں سے اپنا موبائل نکال کر کوئی نمبر ملانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دودفعہ لائن کنیکٹ ہوئی مگر دوسری جانب سے فون نہ اٹھایا گیا تو اس نے جھنجھلا کر غصے سے اپنا موبائل زوار کی طرف اچھال دیا۔

”رابطہ کرو عمیر سے!..... کہاں ہے وہ؟.....“ اس نے تحکمانہ انداز میں زوار سے کہا۔

”..... میں..... مجھے کیا پتہ؟!..... میں تو خود تمہارے ساتھ بیٹھا انتظار کر رہا ہوں رات بھر سے.....“ زوار نے ایک نظر اپنے پاؤں کے قریب گرے موبائل پر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔ کمرے میں موجود تمام افراد کی نظریں اس پر ٹکی ہوئی تھیں، اس نے بہت شدت سے محسوس کیا گویا وہ ان سب میں اجنبی تھا۔ دوسری پارٹی کا فرد..... عمیر کی پارٹی کا..... گھر کا نائب سربراہ۔

”بکواس مت کرو.....!“ ولید غصے سے دھاڑا، زوار لا شعوری طور پر ایک قدم پیچھے ہٹا۔ ”سب پتہ ہے تمہیں!..... یہ سب تم دونوں کی مشترکہ ملی بھگت ہے..... اتنے معصوم ہوتے جتنا بننے کی کوشش کر رہے ہو.....!!“

”..... میں..... میں جھوٹ نہیں بول رہا ولید..... میں نہیں جانتا..... جو کچھ ارشد کہہ کر گیا ہے.....“ زوار کہنا چاہ رہا تھا، کوئی صفائی پیش کرنا چاہ رہا تھا، مگر ولید اسے کوئی موقع دینے پر تیار نہیں تھا۔ اس کے صبر اور ضبط کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔

وہ آگیا تھا۔ بالآخر وہ آگیا تھا۔ باہر گاڑی کا ہارن بجنے کی آواز آرہی تھی۔ گیٹ پر کھڑا گارڈ فرض شناسی سے آنے والی گاڑی کے لیے گیٹ کھول رہا تھا۔ ”نسرین!! عمیر آگیا ہے..... فکر مت کرو، سب ٹھیک ہو جائے گا!“۔ کوئی اسے کہہ رہا تھا، اس کا شانہ دباتے ہوئے اسے تسلی دے رہا تھا۔ ہاں مگر!..... وہ عمیر کا انتظار ہی کب کر رہی تھی..... وہ تو کسی اور کی منتظر تھی۔

نخنہ نخنہ ہاتھ اس کے گالوں پر رکھے، وہ گول گول آنکھوں میں شرارت لیے مسکراتا ہوا اسے دیکھ رہا تھا۔ ”اٹا! لولی پولی اٹا!..... عبد اللہ پال گلے گا!!“ (عبد اللہ پیار کرے گا.....)۔ وہ بھی شرارت سے اپنا چہرہ اس کی پہنچ سے دور کر رہی تھی، ”نہیں!..... عبد اللہ تھوک والا پیار کرتا ہے۔“ معصوم نگاہیں یکایک سنجیدگی سے بھر گئیں، ”نہیں..... تھوک نہیں لگائے گا..... پکا وعدہ!“، ”کتنا پکا؟“، ”اتنا پکا..... اتنا پکا.....“، ”نہا مٹا دماغ سوچ میں پڑ گیا تھا،“ جیسے غلوٹ!..... ہاں اخروٹ آرام سے نہیں ٹوٹتا تھا ناں، ولید ماموں بھی دروازوں کے قبضوں میں اخروٹ پھنسا کر دروازہ بند کرتے اور یوں توڑ کر اسے دیتے تھے۔ نسرین بے اختیار کھکھلا کے ہنس پڑی، ”عبد اللہ تم تو دیوانے ہی ہو.....!“، یہ بات ولید اکثر اسے کہتا تھا، ماں کو ہنستا دیکھ کر عبد اللہ کے گال بھی بے ساختہ ہنسی سے پھول گئے۔ ”ہو ناں.....؟“، وہ اسے والہانہ چومتے ہوئے پوچھ رہی تھی، عبد اللہ ہنستے ہوئے اثبات میں سر ہلا رہا تھا۔ ”بتاؤ کس کے دیوانے ہو.....؟“، کئی بار کا پوچھا ہوا سوال اس نے شرارت سے دہرایا، جواب اسے معلوم تھا..... ”آپ کا.....!!“، عبد اللہ کی کھکھلاہٹ اسے اپنے ارد گرد گو نجی محسوس ہوئی۔

سفید چادر والے بیڈ پر لیٹے اس کے وجود میں جنبش ہوئی۔ مختلف نالیوں سے اس کے ساتھ جڑی مشین نے فوراً ٹوں ٹوں کر کے ارد گرد موجود افراد کو خبردار کیا۔ اس کا تنفس ایک بار پھر بگڑ رہا تھا۔ وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی جیسے گھٹے دم کو اعتدال پر لانے کی کوشش کر رہی ہو۔ کینولا لگے ہاتھ مٹھیوں میں بھینچ گئے تھے۔ ساتھ والے بیڈ پر بیٹھی صولت بیگم جلدی سے اٹھ کر نسرین کے سرہانے پہنچیں۔ مگر ان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی کمرے میں موجود سبز اور آل والی ٹیکنیشن دوسروں کو بلالائی تھی۔ صولت بیگم پیچھے ہٹ کر ایک بار پھر ساتھ والے بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ وہ پریشانی ولا چاری سے نسرین کی جانب دیکھ رہی تھیں، جس کے ارد گرد کھڑی نرسیں اس کا سانس بحال کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ کوئی اس کی ڈرپ میں سیڈیٹو (سکون آور دوا) کی مقدار بڑھا رہی تھی اور کوئی کینولا سے گزرتے طاقت بخش محلول کی رفتار چیک کر رہی تھی۔ ذرا سی دیر میں نسرین ایک بار پھر سکون آور غفلت میں ڈوب چکی تھی۔

نرسیں جا چکی تھیں۔ صولت بیگم کی مضطرب نظریں بیڈ پر لیٹی بیٹی کے چہرے پر چرے پر تھیں۔ ایک ہی دن میں وہ سوکھ کر کاٹا ہو گئی تھی۔ چہرہ بے جان اور ہر قسم کے رنگ سے عاری

”..... ولید!..... تم زوار سے کیوں جھگڑ رہے ہو؟..... یہ وقت آپس میں لڑنے کا نہیں بلکہ ہم سب کو مل کر ارشد کی کبی ان باتوں پر غور کرنا چاہیے..... پتہ نہیں یہ کیا چکر ہے جو اس نے چلایا ہے، لیکن اگر ہم ابھی آپس میں ہی لڑتے رہے تو اس میں بہت وقت ضائع ہو جائے گا.....“ ابو بکر صاحب ولید کے تیور دیکھتے ہوئے پریشانی سے بولے۔ انہیں کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ حالات کس سمت جا رہے ہیں۔ ولید تیزی سے ان کی جانب مڑا، اس کے چہرے پر اب طیش کے ساتھ ساتھ حیرت آمیز بے یقینی بھی تھی۔

”اگر آپ کو اب بھی چکر، سمجھ نہیں آ رہا تو!..... تو معاف کیجیے گا لیکن پھر میرے خیال میں آپ کبھی بھی یہ چکر سمجھ نہیں سکیں گے۔ سب کچھ تو صاف الفاظ میں کہہ گیا ہے ارشد..... اس گھر کے بڑوں نے عبد اللہ کا سودا کیا ہے اس کے ساتھ..... عبد اللہ کل سے انخوا، لا پتہ یا گم نہیں ہو گیا..... کسی سودے کے نتیجے میں ارشد تک پہنچا گیا ہے..... اور ہاں!“ اس نے پیشانی پر ہاتھ مارا، جیسے کوئی بات اچانک سمجھ گیا ہو، ”جیسی تو عبد اللہ کسی کیمرے میں نظر نہیں آیا۔ اور جیسی تو عمیر کل سے غائب ہے کسی اہم ترین میننگ میں۔ وہ خود بنفس نفیس اپنی گاڑی میں لے کر گیا ہو گا اس کو..... یہاں باہر برآمدے سے گیراج تک تو کوئی کیمرہ نہیں لگا ہوا، اور گاڑی میں بیٹھا ہوا ایک بچہ آسانی سے کیمرے کی ویڈیو میں نظر انداز ہو سکتا ہے..... یا جان بوجھ کر کیا جاسکتا ہے.....“ اس نے آخری جملے کا اضافہ کرتے ہوئے ایک قہر بھری نظر زوار پر ڈالی۔

”..... میں نے کچھ نہیں کیا ولید..... نہ مجھے ایسے کسی سودے کا علم ہے.....“ زوار ایک بار پھر اپنی صفائی میں بولنا شروع ہوا۔ مگر ابو بکر صاحب ابھی تک حیرانی و پریشانی کے عالم میں بیٹھے تھے۔ انہیں نہ ارشد کے الفاظ پر اور نہ ولید کی تشریح پر..... کسی پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ کچھ بھی ہو جائے، عمیر ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ عبد اللہ نسرین کا بیٹا تھا، وہ جانتا تھا نسرین اس کے بغیر ایک پل بھی نہیں گزار سکتی تھی، وہ اتنا بڑا ظلم جانتے بوجھتے نسرین پر نہیں کر سکتا تھا۔ نسرین ماں کے کندھے پر سر رکھے زار و قطار رو رہی تھی۔ صولت بیگم اسے دونوں بازوؤں کے گھیرے میں لیے چپ کرانے کی سعی کر رہی تھیں۔ مگر نسرین کی سسکیوں سے ان کا اپنا دل ادھر تا جا رہا تھا۔

”..... نہیں ولید..... عمیر ایسا نہیں کر سکتا.....“ وہ بے یقینی کی کیفیت میں بولے۔

”..... وہ ایسا کر چکا ہے،“ ولید کو یقین تھا، اسے مزید کسی ثبوت کی ضرورت نہیں تھی۔

”..... چاچو آجائیں تو ابھی سب کھیر ہو جائے گا..... ہم ان سے پوچھ لیں گے ارشد کی باتوں کی حقیقت.....“ زوار کا لہجہ کمزور تھا، وہ باقی سب کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو بھی یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ یقیناً اس معاملے کی کوئی اور وضاحت موجود تھی، جو عمیر ہی انہیں دے سکتا تھا۔

”..... ایسا نہیں ہو سکتا ولید..... محض ارشد کی باتوں پر یقین کر کے ہم عمیر کو مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتے..... زوار ٹھیک کہہ رہا ہے، عمیر کے پاس یقیناً کوئی ٹھوس وجہ ہوگی، کوئی وضاحت ہوگی اس سب کی.....“ جاوید صاحب بھی بے یقینی کا شکار لگ رہے تھے۔ گویا سب کچھ کھل کر سامنے آجائے کے بعد بھی کوئی عمیر کو ملزم ٹھہرانے پر رضامند نہ تھا۔ ولید کو شدید جھنجھلاہٹ ہونے لگی۔ ”..... اور اگر ایسا ہوا بھی تو بھی یقیناً عمیر کی نیت یہ سب کرنے کی نہ ہوگی.....“

”..... مگر چاچو! بد قسمتی سے محض اچھی نیت سے کچھ نہیں ہوتا، نیک نیت کے ساتھ درست عمل بھی ضروری ہے.....! آپ مائیں یا نہ مائیں، عمیر نے ہم سب کے ساتھ فراڈ کیا ہے.....! بلکہ.....“ وہ تلخی سے ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا، ”ہم نے خود اپنے ساتھ فراڈ کیا ہے..... اس جمہوری تماشے کے صورت میں جس میں ہم نے اپنے معاملات اپنے سب سے برے اور بیکار لوگوں کے سپرد کیے.....“

اس کے الفاظ پر زوار نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ اپنے کمرے کے دروازے کے قریب کھڑی نبیلہ بھی جز بڑ ہو کر رہ گئی۔ ایسے میں باہر گاڑی کے بارن پر وہ سب چونک اٹھے۔ ”نسرین!..... عمیر!“، صولت بیگم کی آواز میں جان پڑ گئی، ”عمیر آگیا ہے.....“

اور پھر وہ واقعی آگیا۔ ٹوپیں سوٹ میں ملبوس، تازہ دم چہرے پر کہیں بھی رت جگے یا تھکاوٹ کے آثار نہیں تھے۔ پیچھے پیچھے نذیر اس کا بریف کیس لیے آ رہا تھا۔ اگر عمیر ان سب کو لاؤنچ میں جمع دیکھ کر حیران ہوا تھا تو اس نے اپنے تاثرات سے قطعاً ظاہر نہیں ہونے دیا۔ ”خیریت..... آج سب یہاں جمع ہیں؟.....“، وہ سیڑھیوں کی طرف جاتے جاتے معمول کے انداز میں رک کر پوچھنے لگا، اس کا انداز یوں سرسری اور ہلکا پھلکا تھا، جیسے اسے ماحول اور افراد میں کوئی غیر معمولی پن محسوس ہی نہ ہوا ہو۔

”..... ہاں! ہم آپ ہی کے منتظر تھے عمیر..... اچھا ہوا آپ بالآخر تشریف لے آئے اور ہماری مجلس کو رونق بخشی.....“، ولید گہرے طہرے کے ساتھ بولا۔ ادب آداب اور القاب کا تکلف تو وہ چھوڑ چکا تھا، لیکن اس کے انداز میں ایک محسوس کی جانے والی بغاوت اور جارحانہ پن تھا۔ ابو بکر صاحب نے بے اختیار ایک تشویش بھری نگاہ اس پر ڈالی۔ وہ اس وقت نتیجہ خیز گفتگو چاہ رہے تھے، گھر کے افراد کے مابین لڑائی جھگڑا اور منہ ماری وہ آخری چیز تھی جس کی انہیں خواہش تھی۔ وہ کھنکھارتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھے اور عمیر کو مخاطب کیا جو سرد نظروں سے ولید کو دیکھ رہا تھا۔ اسی وقت دروازہ کھلا اور فائزہ بیگم عثمان صاحب کی وہیل چنیر دھکیلتے ہوئے اندر داخل ہوئیں۔

”..... عمیر..... ہم کل سے تم سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں،..... یقیناً تم جانتے ہو اس وقت گھر میں کون سا مسئلہ چل رہا ہے..... ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی ارشد آیا تھا، اور جو کچھ وہ کہہ رہا تھا.....“، وہ رکے، ایک لمبا سانس لیا اور گہری جانچتی ہوئی نظروں سے عمیر کو دیکھتے ہوئے

بولے، ”جو کچھ وہ کہہ رہا تھا، اس پر ہمیں یقین نہیں آ رہا، یقیناً تمہارے پاس کوئی وضاحت ہوگی۔ تم جانتے ہو عبد اللہ کہاں ہے؟ اس کی گمشدگی میں تمہارا کوئی کردار ہے؟“

”یقیناً نہ کرنے کی وجہ؟“، عمیر بالآخر ولید سے نظریں ہٹا کر ان کی طرف متوجہ ہوا۔ جب وہ بولا تو اس کا لہجہ ہموار اور سپاٹ تھا۔

”یعنی وہ سچ کہہ رہا تھا؟!“، وہ اب بھی تصدیق چاہ رہے تھے، ولید نے بمشکل اپنی جھلٹ پر قابو پایا۔

”سو فیصد!، اس نے بے نیازی سے جواب دیا۔

”مگر۔۔۔ مگر کیوں؟ تم نے ہم سے پوچھے بغیر۔۔۔ عمیر! ہم نے تم پر اعتماد کیا تھا۔۔۔ اپنا معاملہ تمہارے سپرد کیا تھا۔۔۔ اور تم نے۔۔۔“، ابو بکر صاحب کے جملے پہلے بے ربط۔۔۔ اور پھر خاموش ہو گئے۔ نسرین خاموشی سے ان کے ساتھ آکھڑی ہوئی تھی۔ عمیر کے عین مقابل۔ اس نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے تھے مگر وہ واضح طور پر سخت ہجبان کا شکار تھی، چہرے پر چھائی غیر معمولی سرخی اور تیز تیز دھوکنی کی طرح چلتا تنفس۔۔۔ اس امر کا واضح ثبوت تھا۔

”کیا۔۔۔؟ کیا بگاڑا تھا میں نے تمہارا۔۔۔؟“، پہلے ہی جملے پر اس کی آواز ٹوٹ گئی، آنسو ایک بار پھر آنکھوں سے بہہ نکلے۔ ابو بکر صاحب نے بے اختیار اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دلا سہ دینے کی کوشش کی، مگر نسرین کو اس وقت تسلی اور دلا سے نہیں، جواب چاہیے تھے۔ ان کا ہاتھ جھٹک کر وہ یکدم عمیر پر جھپٹی، اس کو گریبان سے پکڑ کر جھنجھوڑتے وہ چیخ اٹھی تھی، ”کیوں کیا تم نے ایسا؟ کہاں ہے میرا عبد اللہ؟ بولو! بتاؤ کہاں ہے میرا بیٹا؟!“۔

عمیر نے ایک ناگوار نظر نسرین پر ڈالی اور دونوں ہاتھوں سے اس کے ہاتھ پکڑ کر اپنا گریبان چھڑانے لگا۔ ”میرے لیے یہ ہر وقت کی عدالت لگانا چھوڑ دیں۔۔۔ میں اس گھر کا سربراہ ہوں، جو کچھ کرتا ہوں سوچ سمجھ کر کرتا ہوں۔۔۔“، وہ اپنا گریبان چھڑوانے کی کوشش کرتا ہوا غصے سے بولا۔ ”اور سب کی مجموعی بہتری کے لیے کرتا ہوں۔۔۔“

”سب کی بہتری کے لیے تم نے عبد اللہ کا سودا کر لیا۔۔۔؟ میرے عبد اللہ کا!!“ چیخ ڈالا میرے بیٹے کو۔۔۔!!“، وہ حلق کے بل چلائی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اپنا ذہنی توازن کھوپکی ہے۔ عمیر کا گریبان چھوڑ کر اب وہ اس کا منہ نوچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ عمیر اس کے حملوں سے بچنے کے لیے اس کے ہاتھ پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا، ابو بکر صاحب بلند آواز میں نسرین کو پکار رہے تھے، وہ اسے پرسکون کرنے کی کوشش کر رہے تھے، مگر وہ کسی طرح ان کے قابو میں نہ آ رہی تھی۔ بہتے آنسوؤں کے ساتھ وہ ہڈیانی انداز میں عمیر کو کوس رہی تھی، چلا رہی تھی، ”ذلیل آدمی۔۔۔ تم چنانچہ ڈاکو ہو! لیرے ہو!!“ کہاں ہے میرا بیٹا؟؟؟ تم نے سچ ڈالا میرے بچے کو۔۔۔!“

اور پھر یکایک چٹاخ کی زور دار آواز کے ساتھ عمیر کا بھاری ہاتھ نسرین کے چہرے پر پڑا۔ تھپڑ اس قدر شدید تھا کہ وہ تورا کر پیچھے رکھے صوفے پر جا گری۔ لاؤنج میں لحظہ بھر کو مکمل سناٹا چھا گیا۔ وہ سب دم سادھے دیکھ رہے تھے، صولت بیگم تڑپ کر نسرین کی جانب لپکیں، اور پھر۔۔۔ جیسے ایک طوفانی لہر نے ان سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ابو بکر اور جاوید صاحب، دونوں مشتعل ہو کر عمیر کی جانب بڑھے، مگر ولید ان سے پہلے اس کے گریبان تک پہنچ چکا تھا۔ اس نے عمیر کو دھکیل کر پیچھے دیوار کے ساتھ لگا دیا اور اس کے چہرے پر تابڑ توڑ ٹوکوں اور گھونٹوں کی برسات کر دی۔

”تمہاری یہ جرأت۔۔۔ میری بہن پر ہاتھ اٹھایا۔۔۔!“، ولید کے اس اچانک حملے سے عمیر بوکھلا گیا تھا۔ باوجود کوشش کے وہ اس کے ٹوکوں اور گھونٹوں سے اپنا بچاؤ نہ کر پا رہا تھا۔ ابو بکر اور عثمان صاحب جو خود بھی عمیر کو سبق سکھانے کی نیت سے آگے بڑھے تھے، اب ان دونوں کو علیحدہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ زوار پیچھے کھڑا پریشانی کے عالم میں باری باری ان سب کو آوازیں دے رہا تھا۔ اسے بھی شاید سمجھ نہ آرہی تھی کہ اسے کس کی مدد کرنی چاہیے، ان حالات میں کس کا ساتھ دینا چاہیے۔ صولت بیگم اور دیگر خواتین علیحدہ شور مچا رہی تھیں، کوئی چیخ رہا تھا تو کوئی رو رہا تھا۔ شاید وہ مردوں کو لڑنے سے روکنا چاہ رہی تھیں، اباجی بھی پوری قوت سے بیٹوں کو آوازیں دے رہے تھے، مگر کمرے میں پھیلے شور اور آوازوں میں کسی کو ہوش نہیں تھا کہ کون کیا کہہ رہا ہے۔

آخر وہ ان دونوں کو علیحدہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ابو بکر اور جاوید صاحب نے بمشکل ولید کو بازوؤں سے پکڑ کر عمیر سے جدا کیا، مگر وہ اب بھی غصے سے چیختا ہوا اپنے بازو چھڑوانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا بس نہ چل رہا تھا وہ تو شاید آج عمیر کو ختم کر کے ہی دم لیتا۔

”۔۔۔ ہوش میں آؤ ولید۔۔۔ یہ جذباتی اور جنونی ہونے کا وقت نہیں۔۔۔ تمہارا کیا خیال ہے ہم پونہی چھوڑ دیں گے اس بے غیرت کو؟ مگر اس سے پہلے ابھی عبد اللہ کو واپس لانا ضروری ہے۔!“، ابو بکر صاحب غصے سے بولے۔

”۔۔۔ ہوش میں؟!۔۔۔ اب ہی تو ہوش میں آیا ہوں ابو۔۔۔ اگر پہلے اپنی آنکھیں کھول کر اس آستین کے سانپ کو پہچاننے کی کوشش کی ہوتی تو آج ہم اس انتہا تک نہ پہنچتے۔۔۔ اور یاد رکھیں! آپ سب۔۔۔ آپ سب قصور وار ہیں! برباد کر دیا اس جمہوری ڈرامے نے ہمارے گھر کو!!“، وہ اپنے پھٹے ہوئے ہونٹ سے بہتا خون آستین سے صاف کرتے ہوئے پھنکارا۔

دوسری جانب زوار عمیر کی کھڑے ہونے میں مدد کر رہا تھا۔ عمیر نے اپنا حلیہ درست کرنے کے لیے گریبان بند کرنا چاہا، مگر اس کی شرٹ کے اکثر بٹن ٹوٹ چکے تھے۔ غصے اور احساس ذلت سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

”یہ تم جیسے احمق اور شدت پسند ہیں ولید..... جنہوں نے یہ گھر برباد کر دیا ہے“، زوار کے ہاتھ جھٹکتے ہوئے عمیر غصے سے چیخا۔ ولید ایک بار پھر پھر کر اس پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا لیکن جاوید صاحب نے اسے مضبوطی سے پکڑ کر رکھا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا، عمیر نے اچانک قریبی میز پر رکھا بھاری کرسل کا گلہ ان اٹھایا اور ولید کے سر پر دے مارا۔ گلہ ان اس کے کان کے ذرا اوپر جا کر لگا اور چکنا چور ہو کر فرش پر بکھر گیا۔ ولید اس ایک ہی ضرب سے چکر اکر زمین پر آ رہا۔ اس کے سر سے خون کا فوارہ پھوٹ بہا تھا، اور کمر اسے سرے سے خواتین اور بچوں کی چیخ پکار سے گونجنے لگا۔

’کو!‘، ’پکڑو!‘، ’بچاؤ!‘، کے شور میں کسی کا دھیان اباجی کی طرف نہیں تھا۔ جو سائیں سائیں کرتے دماغ اور سینے میں ابھرتے تیز نشتر کی چھین جیسے درد سے مغلوب ہو کر اپنی جگہ دوہرے ہو گئے تھے۔

☆☆☆☆☆

رات گہری ہو گئی تھی۔ نسرین اور صولت بیگم کے کمرے سے نکلیں تو ایک طویل راہداری کے اختتام پر زینہ نیچے کی جانب جاتا تھا۔ ٹہلی منزل پر چند راہداریاں دور آئی سی یو کے ایک کمرے کے باہر تین افراد منتظر و متفکر سے بیٹھے تھے۔ رات اتنی گہری ہو چکی تھی کہ آمد و رفت تقریباً مفقود تھی۔ عملے کے بھی بیشتر افراد اپنے اپنے کمروں میں تھے۔ اکاد کا کوئی نرس یا ڈاکٹر کسی مریض کے بلاوے پر یا راونڈ لیتا نظر آ جاتا..... نانٹ ڈیوٹی پر متعین یہ عملہ بھی رات کے اس پہر تکان زدہ نظر آتا تھا۔ مگر آئی سی یو کے باہر بیٹھے ابو بکر صاحب کے چہرے سے صرف تھکاوٹ نہیں، بلکہ ایک شدید ترین پریشانی اور فکر مترشح تھی۔ آنکھوں سے جھلکتی بے بسی میں ایسی عجیب اور شدید قسم کی حسرت تھی، جیسے کوئی شخص جس کو اچانک ہی احساس ہوا ہو کہ زندگی بھر کی کمائی، اچانک ہی ہاتھوں سے پھسل گئی ہو۔ جیسے متاعِ غرور جو کچھ تھا..... سب لٹ گیا ہو، کھو گیا ہو۔

ابو بکر صاحب ایک ہاتھ سے اپنی ڈاڑھی بھیجنے، اس پر ٹھوڑی ٹکائے ہوئے بیٹھے تھے۔ وہ اپنی کرسی میں آگے کو ہوا کر بیٹھے ہوئے تھے، کہنیاں گھٹنوں پر ٹکی ہوئی تھیں۔ کتنی دیر سے اسی ایک پوزیشن میں بیٹھے ہونے کے باوجود انہیں تھکاوٹ یا بے آرامی کا ذرا سا بھی احساس نہ ہو رہا تھا۔ ان سے ذرا فاصلے پر عثمان صاحب اپنی وہیل چیئر میں بیٹھے اونگھ رہے تھے۔ سب کے سمجھانے اور روکنے کے باوجود وہ گھر رکنے پر تیار نہ ہوئے۔ ابو بکر اور جاوید صاحب نذیر کی مدد سے اباجی اور نسرین کو لے کر ہسپتال کی طرف بھاگے تو ان کے نکلنے ہی عثمان صاحب نے اوپس اور زین کی مدد سے ولید کو دوسری گاڑی میں ڈلوایا۔ اس کے سر سے بہتا خون فائزہ اور بیٹش کی مشترکہ کوششیں بھی نہیں روک سکی تھیں۔ صولت بیگم تو اس پر محض ایک غم اور فکر بھری نگاہ ڈال کر ہی نسرین کے ساتھ ہسپتال چلی گئی تھیں۔ جس کے بیہوش ہوتے ہی وہ کب سے چیخ

چیخ کر شوہر، دیوروں اور بیٹیوں کی توجہ لڑائی جھگڑے سے ہٹا کر اس کی جانب مبذول کرانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

وہ ولید کو مرہم پٹی کے لیے قریبی کلینک لے گئے۔ آدھ گھنٹے بعد جب وہ ولید کے ہوش میں آنے اور مرہم پٹی کروانے کے بعد کلینک سے نکل رہے تھے تو جاوید صاحب ان تک پہنچے۔ وہ نسرین اور اباجی کو امیر جنسی میں داخل کر اچکے تھے، جہاں سے انہیں فوراً ہی انتہائی نگہداشت کی یونٹ میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ اب ڈاکٹروں کے حوالے کر کے وہ ولید کی خیر خبر معلوم کرنے آئے تھے۔ پھر ولید، زین اور اوپس کو تو انہوں نے گھر جانے کا حکم سنایا لیکن بڑے بھائی کو باوجود کوشش کے گھر نہ بھیج سکے۔ عثمان صاحب تبھی ان کے ساتھ ہسپتال آ گئے تھے اور صبح سے والد کے کمرے کے باہر بیٹھے ان کے ہوش میں آنے کے منتظر تھے۔

اباجی کو دل کا شدید دورہ پڑا تھا۔ ڈاکٹروں کے مطابق ان کے دل کی حالت ایسی کمزور تھی کہ یہ معجزہ ہی تھا کہ اس سے پہلے انہیں کوئی دورہ نہ پڑا تھا۔ ورنہ ان کے دل کی حالت ایسی تھی کہ ڈاکٹروں کے مطابق ایسے مریض کے لیے تو کھانے پینے میں ذرا سی بد پرہیزی یا اونچے بیچ بھی انجانے کے چھوٹے موٹے ایک کا سبب بننے میں دیر نہیں لگاتی تھی۔ ڈاکٹروں نے ان سے کچھ بھی چھپانے کی کوشش نہ کی تھی..... اباجی کی عمر، ان کی حالتِ ضعیفی، اور ان کو پہنچنے والے صدمے کی شدت..... کچھ بھی تو ان کے حق میں نہیں تھا..... ڈاکٹر انہیں کیا امید دلاتے، وہ محض کندھا تھپتھا کر یہی کہہ سکتے تھے جو انہوں نے کہا کہ دعا کریں، سب کچھ اوپر والے کے ہاتھ میں ہے..... وہ بہر حال اپنی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔

”بھائی جان.....؟! اب کیا ہو گا؟؟“، جاوید صاحب نے تھکاوٹ سے چور لہجے میں پوچھا، یہ وہ سوال تھا جو صبح سے ان سب کے اندر کلبلارہا تھا۔

”اصل سوال تو جاوید..... یہ ہے کہ یہ اتنا سب کچھ ہو کیسے گیا..... ہم اس انتہا پر کیسے پہنچ گئے؟“، ابو بکر صاحب نے مضطرب انداز میں جواب دیا۔

ابو بکر صاحب کی بات پر عثمان صاحب نے سر اٹھایا، ایک گہری نظر بھائیوں پر ڈالی اور آہستہ آواز میں کہنے لگے، ”جب امانت اس کے اہل کو نہ دی جائے..... جب اپنی باگ ڈور ایسے لوگوں کے حوالے کی جائے جن کے لیے ان کے ذاتی مفادات ہی اصل ترجیح ہوں..... تو پھر جب وہ آپ کو اپنے مفادات پر قربان کر دیں..... پھر شکوہ کیسا؟؟“، خاموشی ایک بار پھر ان تینوں کے درمیان پھیل گئی۔ وہ سب جیسے ایک دوسرے سے بھی نظریں چرا رہے تھے۔ ابو بکر صاحب..... وہ اپنا محاسبہ کرتے تو آج بھی انہیں یہ سمجھنے میں دشواری ہوتی تھی کہ آخر وہ کہاں غلط ہو گئے.....

وہ ایک جمہوریت سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے ہمیشہ جمہور کی رائے کا احترام کیا تھا، کبھی گھر کے قوانین سے روگردانی نہ کی تھی، کبھی جمہوریت کے اصولوں کو نہ توڑا تھا، چاہے اس سے

ان کے اپنے اوپر کتنی ہی زد کیوں نہ پڑتی، انہوں نے ہمیشہ جمہوریت کا پاس کیا تھا۔ تو کیا یہ صلہ تھا جو جمہوریت نے انہیں دیا؟ تو نا بکھر اگھر..... جس میں سب کے دل ایک دوسرے سے نالاں، ایک دوسرے سے کئے ہوئے تھے۔ نسرین کا مسئلہ، کہ جس کا حل دور و نزدیک کہیں نظر ہی نہ آتا تھا۔ اباجی کی بیماری..... جس سے نجانے وہ اٹھ بھی پائیں گے یا نہیں..... اپنے سربراہ کی نااہلی، اس کے خلاف وہ عدم اعتماد کی فضا جو گھر کے سربراہ کے ساتھ دیگر تمام مکینوں کو بھی متاثر کر رہی تھی۔ ان کے درمیان تفرقہ بڑھا رہی تھی۔ معاشی، سیاسی، معاشرتی اور اخلاقی..... ہر اعتبار سے وہ شدید ترین بحران جس کی نظیر انہوں نے اپنی زندگی میں نہ دیکھی تھی..... کیا وہ اسی سب کے مستحق تھے؟؟!

”ہاشمی صاحب! جمہوریت ایک پورا پیکیج ہے..... جس کا حسن یہ ہے کہ آپ سمجھتے ہیں کہ ڈرائیونگ سیٹ پر آپ کا چنا ہوا نمائندہ بیٹھا ہے..... جبکہ درحقیقت اصل کنٹرول ہمیشہ ہی کسی اور ہاتھ میں ہوتا ہے.....!“، ایک جانی پہچانی آواز ایک بار پھر کانوں میں سرگوشی کر رہی تھی، وہ جتنا بھی اس آواز کو جھٹکنے کی کوشش کرتے، جامعہ پنجاب کی مرکزی مسجد میں بیٹھ کر کی جانے والی وہ گفتگو آج بھی روز اول کی طرح ان کے دل و دماغ میں گونج رہی تھی۔ ایک تلخ حقیقت کا روپ دھارے سامنے کھڑی ان کا منہ چڑا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

اسے یاد نہیں تھا کہ کبھی عمیر کا سامنا کرنا اس قدر مشکل لگا ہو جتنا آج محسوس ہو رہا تھا۔ زندگی میں پہلی دفعہ اس کا دماغ عمیر سے دور جانے کے بہانے تراش رہا تھا۔ مگر پر کئے کبوتر کی طرح، چند گھنٹے ادھر ادھر چوٹیں مارنے کے بعد بالآخر اسے اسی چھت پر اتنا تھا جس سے اس کا دانہ پانی والستہ تھا۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تو عمیر ہاتھ میں آئس پیک لیے اپنی چوٹوں کی سوجن کم کرنے میں مصروف تھا۔ اسے اندر آتا دیکھ کر ایک زہریلی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر ابھری۔

”..... مل گئی فرصت بھائی کی سیوا ہے؟“۔ زوار چپ چاپ بیڈ پر آ بیٹھا، عمیر کی طعن و تشنیع کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ ”یاقم پہرے پر مامور تھے کہ کوئی آکر پیارے بھائی کی پٹائی نہ کر جائے؟“، اسے مستقل خاموش دیکھ کر عمیر نے غصے سے ہنکارا بھرا۔ ”ہو نہ! بزدل.....! کیا پتہ تھا یہ اتنا نامرد ثابت ہو گا..... بھگور!!“، وہ سر جھٹکتے ہوئے بڑبڑایا۔

”چاچو.....!“، زوار جیسے نیند سے جاگتے ہوئے بولا، ”چاچو!!..... یہ اچھا نہیں ہوا..... آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا.....“، وہ بے چین نظروں سے عمیر کو دیکھ رہا تھا۔

”کیا.....؟؟ کیا نہیں کرنا چاہیے تھا.....؟؟!“، عمیر فوراً ابھڑک اٹھا۔

”بھئی..... عبد اللہ والا معاملہ..... وہ آپ کا بیٹا ہے..... ان کی زندگی کی واحد خوشی..... آپ کو اسے یوں ارشد کے حوالے نہیں کرنا چاہیے تھا، وہ کیسے اپنی ماں کے بغیر رہے گا.....“، شروع میں رک رک کر بولتے زوار کی زبان آخر تک قدرے رواں ہو گئی تھی، مگر عمیر کی جھڑکی نے فوراً ہی اس کی ’بولتی‘ بند کر دی۔

”بھو اس بند کرو!!..... یہ جذباتی قسم کے زنا نہ ڈالنا لگ کسی اور کے سامنے بولنا..... جیسے باپ کے بغیر اتنے مہینوں سے رہ رہا تھا، ویسے ہی ماں کے بغیر بھی رہ لے گا.....“۔

”لیکن چاچو..... آپ کا کیا ہو گا؟!..... وہ عبد اللہ کے بغیر کیسے رہیں گی؟“، نسرین کی آنسو بھری آنکھیں ذہن میں ابھریں تو زوار کی زبان پھر مچل اٹھی، ”..... کتنا برا ہوا یہ سب..... آخر کیوں کر لی آپ نے یہ ڈیل؟؟“۔

”..... کیوں کر لی میں نے یہ ڈیل؟؟؟“، عمیر نے غصے سے آگ بگولا ہوتے ہوئے آئس پیک ساتھ رکھی میز پر پٹخا اور زوار کی جانب رخ کرنا ہوا سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ”کیوں حوالے کر دیا میں نے عبد اللہ کو ارشد کے؟؟؟..... اس لیے کہ ارشد اس کا باپ ہے! اس سے محبت کرتا ہے۔ اس کی تربیت اور پرورش کا ذمہ دار ہے..... اور عبد اللہ کو زندگی میں وہ بہترین مواقع فراہم کرنے کی نہ صرف استطاعت رکھتا ہے بلکہ دل و جان سے آمادہ ہے اور خواہش بھی رکھتا ہے۔ وہ اس کے لیے وہ سب کر سکتا ہے جو ہم نہیں کر سکتے.....!“

اور اس لیے کہ نسرین ہماری بیٹی ہے جسے ساری زندگی ہم نے اپنے گھر نہیں بھانا۔ کل کو نسرین کی دوسری شادی کریں گے تو عبد اللہ اس کے لیے سوائے ایک لائبلٹی (بوجھ اور ذمہ داری) کے کچھ ثابت نہیں ہو گا.....!

اور اس لیے بھی کہ میں نے صرف ایک فرد کا نہیں، بلکہ پورے گھرانے کی بہتری مد نظر رکھ کر فیصلے کرنے ہوتے ہیں، اور عبد اللہ کو اس کے باپ کے حوالے کرنے میں ہی ہمارے گھرانے کا مجموعی فائدہ تھا، جس مشکل دور سے ہم گزر رہے ہیں، تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ اس ڈیل کے بدلے میں ارشد ہماری جو مالی مدد کرے گا، اس کی اس وقت ہمارے گھر کو کس قدر ضرورت ہے.....!!

اور..... اور سب سے بڑھ کر زوار..... تمہارے لیے.....! کیونکہ تمہاری وجہ سے ہم ارشد کے گھر سے تعلق نہیں توڑ سکتے جیسے نسرین چاہتی ہے۔ عبد اللہ اپنے باپ کے پاس پرورش پائے گا تو ہی تم ارشد کی بہن سے شادی کرنے کا اپنا خواب پورا کر سکتے ہو..... سمجھ.....؟؟“، عمیر نے چبا چبا کر جملہ مکمل کیا۔ زوار ہونٹوں کی طرح اس کی جانب دیکھ رہا تھا، جو اپنی بات مکمل کر کے دوبارہ پیچھے رکھے تکیوں پر نیم دراز ہو گیا تھا۔ اس نے ساتھ رکھی میز سے آئس پیک اٹھا کر دائیں آنکھ کے نیچے اس جگہ رکھ لیا، جہاں ابھی سے جلد نیلی ہونا شروع ہو گئی تھی۔

”..... اور جانتے ہو زوار؟ اس پورے گھر میں میرے علاوہ کوئی نہیں، جس نے ان تمام باتوں پر..... اس معاملے کے ہر پہلو پر اتنا غور کیا ہو..... اور پھر سب کے بھلے کے لیے ایک اچھا فیصلہ کیا ہو..... مگر صلے میں مجھے کیا ملتا ہے؟؟ گالیاں اور بد دعائیں..... کو سننے..... طعنے..... اور یہ.....“ اس نے اپنے چھٹے ہوئے گریبان اور سو بے ہوئے چہرے کی جانب اشارہ کیا، ”یہ بدلہ ہے، اس گھر کے لوگوں کی فکر کرنے کا..... ان کی خاطر اپنا خون جلانے کا۔“

”..... اونہہ!! زندگی جوش سے نہیں، ہوش سے گزاری جاتی ہے۔..... ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم اپنے خود ساختہ غیرت کے پیانوؤں سے ہی باہر نہیں نکلتے..... کسی صورت حال سے فائدہ اٹھانا تو دور کی بات، ہم اپنے لیے ہی مشکلات کا انبار لگائے چلے جاتے ہیں..... محض ان جذباتی اور احمقانہ جذبات کے پیچھے زندگی نہیں گزاری جاتی.....“ وہ اب اپنے آپ سے بڑبڑا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

”زوار.....!“، جاوید صاحب صبح صبح گھر سے نکلنے سے پہلے عمیر کے دفتر کے باہر کھڑے تھے۔ چند دن ہوئے تھے کہ دفتر کے باہر دروازے کے ساتھ ہی زوار نے اپنی میز لگالی تھی۔ وہ اب محض گھر کا نائب سربراہ اور عمیر کا پرسنل سیکرٹری ہی نہیں، اس کا بیون اور گھر کی حدود کے اندر اس کا گارڈ بھی تھا۔ شروع شروع میں یہاں بیٹھنا اسے بے حد عجیب محسوس ہوا۔ ہر آتے جاتے کے سامنے بھی اسے عجیب شرمندگی کا احساس ہوتا رہتا، نگاہیں بھی جھکی جھکی رہتیں۔ مگر تھوڑے ہی عرصے میں اسے اس اضافی پوسٹ کی اہمیت معلوم ہو گئی جب پہلے نبیلہ عمیر سے ملاقات کی خواہش لے کر آئی اور اس کے کچھ دیر بعد بینش۔ عمیر نے دونوں کو ہی چند دن بعد آنے کا کہہ کر لوٹا دینے کی ہدایت کی۔ اسی شام ولید کی طبیعت کچھ بہتر ہوئی تو وہ بھی دندنا تھوڑا چلا آیا۔ اگر عمیر نے اسے پہلے ہی سے ولید اور گھر کے دیگر شدت پسندوں سے ہوشیار نہ کر دیا ہوتا تو شاید ایک بار پھر گھر میں دو روز قبل والی صورت حال پیدا ہو جاتی۔ مگر ولید کو جارجیت پر آمادہ دیکھ کر زوار نے فی الفور اپنے موبائل کے سپیڈ ڈائل میں محفوظ نذیر کا نمبر ملایا، اور اگلے چند منٹ میں نذیر اور امانت دونوں ولید کو بازوؤں سے پکڑ کر اس کے کمرے کی جانب دھکیل رہے تھے۔ اس واقعے کے بعد عمیر کی ہدایت پر ولید کا کمرہ باہر سے لاک کر دیا گیا، کیونکہ جب تک گھر کے حالات معمول پر نہ آجاتے، وہ ولید کی جانب سے مزید کسی فتنہ و فساد کا خطرہ مول نہ لینا چاہتے تھے۔ یہ علیحدہ بات کہ ولید کو کمرے میں بند کرنے سے اب پورا گھر پہلے سے زیادہ متاثر ہو رہا تھا۔ ولید ہر کچھ دیر کے بعد دروازے پر ٹکوں اور لالتوں کی برسات شروع کر دیتا اور اونچی آواز میں عمیر اور زوار کو وہ کچھ سناتا رہتا، جو آج سے پہلے کسی نے انہیں نہیں کہا تھا۔

کچھ وقت لگا مگر آہستہ آہستہ زوار کا اعتماد بھی بحال ہو گیا اور اپنے لیڈر کی دور اندیشی اور حکمت بھرے فیصلوں پر شرح صدر بھی حاصل ہو گیا۔ پھر جلد ہی نگاہوں کی جھجک بھی جاتی رہی۔ اور

اب وہ انتہائی سکون سے جاوید صاحب کی جانب دیکھ رہا تھا جو اس کے سامنے چند کاغذ لیے کھڑے تھے۔

”..... یہ ہسپتال کے بلز ہیں..... عمیر سے کہو مجھے جلدی سے ڈھائی لاکھ کا چیک بنا دے، میں جاتے ہوئے کیش کرا لوں گا.....“ وہ بلز اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے، انہیں آج جلدی ہسپتال پہنچنا تھا۔

”..... میرے خیال میں آپ خود ہی ان سے بات کر لیں تو بہتر ہو گا.....“ زوار نے اٹھ کر آفس کا دروازہ کھولا اور عمیر کو مطلع کرنے اندر داخل ہو گیا۔ چند منٹ بعد جاوید صاحب عمیر کے سامنے بیٹھے تھے۔

”..... جاوید بھائی..... آپ کے پاس ہسپتال کے ان اخراجات کو کور کرنے کے لیے کوئی ذاتی فنڈ ہے؟“ وہ ان سے پوچھ رہا تھا۔

”میرے پاس ذاتی فنڈ کہاں سے آئے گا؟..... تم جانتے تو ہو تمام تر آمدنی اس آفس کے اکاؤنٹ میں اکٹھی ہوتی ہے،..... اور پھر تم ہی سب میں اسے تقسیم کرتے ہو.....“ وہ اٹھتے ہوئے انداز میں اسے دیکھتے ہوئے بولے۔

”..... ہوں.....! جانتا ہوں!..... ظاہر ہے مجھے نہیں پتہ ہو گا تو کس کو پتہ ہو گا..... لیکن بات دراصل یہ ہے کہ ہسپتال کا اتنا بے تحاشا خرچہ برداشت کرنے کے لیے بینک میں کوئی رقم موجود نہیں.....!“، عمیر نے پرسکون انداز میں انہیں مطلع کیا۔ جاوید صاحب اسے دیکھ کر رہ گئے۔

”..... کیا مطلب ہے کوئی رقم نہیں؟؟..... کیا ہمارا بینک بیننس صفر ہے؟..... وہ بے تحاشا رقم..... لاکھوں روپے جو ہم ہر مہینے بینک میں جمع کراتے ہیں..... کہاں ہیں وہ؟“، اندر ہی اندر بڑھتی ہوئی بے چینی دباتے ہوئے وہ غصے سے بولے۔

”..... وہ بے تحاشا رقم ہر مہینے اس گھر کے اخراجات پورا کرنے میں صرف ہوتی ہے بھائی صاحب“، اس نے مڑ کر پیچھے رکھی فائلنگ کیسٹ میں سے ایک نیلے رنگ کی فائل نکال کر ان کے سامنے رکھی، ”..... یہ تمام آمدن اور خرچ کاریکارڈ ہے، چاہیں تو دیکھ لیں اور اپنا اطمینان کر لیں.....“۔

”..... ابھی ہمارے بینک اکاؤنٹ میں چند لاکھ روپے موجود ہیں، لیکن اگر وہ ہسپتال کے اخراجات پر خرچ کر دیں تو مہینے کے آخر میں معمول کارا شن خریدنے کے پیسے بھی نہیں بچیں گے، اس کے علاوہ گھر کے ملازمین کی تنخواہیں ادا کرنے کے لیے بھی کوئی رقم نہیں بچے گی.....“، انہیں تیزی سے فائل کے اوراق پلٹتے دیکھ کر عمیر نے اطمینان سے اپنی کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔

”میرے پاس اس وقت اس بحث میں پڑنے کا وقت نہیں ہے..... اباجی کو جلد از جلد ہارٹ سرجری کی ضرورت ہے..... ہمیں آج ہی ہسپتال کے واجبات بھی ادا کرنے ہیں اور آپریشن

کے لیے رقم بھی جمع کروانی ہے..... جس طرح بھی ہو، تم اس رقم کا بندوبست کرو.....!“، جاوید صاحب نے فائل میز پر رکھتے ہوئے حتیٰ انداز میں کہا۔

”معذرت کے ساتھ بھائی جان!..... مگر کم از کم میرے لیے یہ ممکن نہیں!..... میں پہلے ہی نہ صرف بینک سے بلکہ بعض دوستوں سے بھی قرضہ لے چکا ہوں..... اب کون مجھے مزید قرضہ دے گا؟“۔

”تم اس گھر کے سربراہ ہو.....“

”..... میں اس گھر کا سربراہ ہوں جس کے خلاف آپ سب عدم اعتماد کی تحریک چلا رہے ہیں..... اچھا ہے، آپ خود ان مسائل سے نمٹیں تو معلوم ہو کہ کن کانٹوں پر چل کر میں یہ گھر سنبھالتا ہوں!.....“، عمیران کی بات کا ٹاٹا ہوا بیگانگی سے بولا۔

☆☆☆☆☆

جو بھی کرنا تھا ابھی کرنا تھا۔ اگر وہ آج یہ قدم نہ اٹھاتی تو شاید آئندہ کبھی اپنے اندر اس کی ہمت پیدا نہ کر پائے گی۔ اس کے صبر کی انتہا ہو چکی تھی۔ مزید کوئی بھی مسئلہ برداشت کرنے کی استطاعت اس میں نہ تھی۔ دونوں بچوں کے ہاتھ پکڑ کر سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی، اپنے آپ کو اندر سے مضبوط کر رہی تھی۔ حد ہو چکی تھی، اب اسے یہاں سے نکلنا ہی تھا۔ دروازے کے پاس رکھا اپنا بیگ اٹھا کر وہ نکلنے ہی والی تھی کہ پیچھے سے آتی آواز نے اس کے قدم روک لیے۔

”بینش!..... کیا ہوا؟ تم کہیں جا رہی ہو کیا؟.....“، فائزہ بیگم حیرت بھرے لہجے میں بولیں۔

”ہوں!..... اگر جا رہی ہوں.....“، بینش نے خشک انداز میں جواب دیا اور جانے کے لیے مڑی۔

”گھر؟..... کون سے گھر؟.....“، فائزہ بیگم نے لہجہ کر پوچھا۔

”..... اپنے گھر بھائی!..... اپنے میکے جا رہی ہوں میں!.....“، اس نے کوفت بھری نظر ان پر ڈالی، ایک تو یہ بے وقت کی پوچھ گچھ.....

”..... مگر بینش!..... ابھی تو کوئی بھی گھر پر نہیں ہے، صولت آپا بھی نہیں..... سارے حالات تمہارے سامنے ہیں..... تم بھی چلی جاؤ گی تو میں اکیلی سب کیسے سنبھالوں گی؟.....“، وہ یکدم پریشان ہو کر بولیں۔

”تو میں کیا کروں..... اس گھر کے مسائل تو کبھی ختم ہی نہیں ہوتے۔ تنگ آگئی ہوں میں ہر روز کے تماشے سے۔ جب دیکھو کوئی نیا ڈرامہ چل رہا ہوتا ہے.....“، وہ بے زاری سے بولی۔

”..... جو بھی ہے بینش..... یہ تمہارا بھی گھر ہے.....“

”گھر؟..... گھر کہتی ہیں آپ اسے؟..... یہ گھر نہیں پاگل خانہ ہے!..... اور میرا کیا ہے اس میں؟! کوئی تعلق نہیں میرا اس گھر سے، سن لیا آپ نے..... جا رہی ہوں میں یہاں سے، جہاں ہر روز ایک نئی مصیبت منہ پھاڑے کھڑی ہوتی ہے.....!“، وہ فائزہ بیگم کو حق دق چھوڑ کر بچوں کو کھینچتی ہوئی باہر نکل گئی۔ ابھی نہیں تو کبھی نہیں..... وہ جانتی تھی کہ آج وہ اس گھر سے جان چھڑا کر نہ نکلی تو ہمیشہ کے لیے اسی گرداب میں پھنس جائے گی۔

☆☆☆☆☆

کتا بوں میں پڑھا تھا اور لوگوں سے سنا تھا کہ اقتدار ایسی چیز ہے جو بھائی کو بھائی کا، بیٹے کو باپ کا اور سگے رشتوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیتی ہے۔ جس دل میں ایک دفعہ طاقت و اقتدار کی ہوس پیدا ہو جائے، پھر یہ ہوس سرکٹا کر ہی جاتی ہے۔ آج وہ اس حقیقت کا مشاہدہ کھلی آنکھوں سے کر رہا تھا۔

وہ دودن سے اپنے کمرے میں بند تھا۔ اسے کمرے میں لاک کرنے سے پہلے زوار اس کا لیپ ٹاپ اور موبائل اٹھانا نہیں بھولا تھا۔ گویا اسے صحیح معنوں میں ساری دنیا سے کاٹ دیا تھا۔ گھر کے دیگر مرد تو گھر میں تھے نہیں..... زین، اولیس اور صہیب جو لڑکوں میں بڑے اور سوچ بوجھ والے تھے، ان کو بھی گھر، ہسپتال اور کاروبار سے متعلقہ مختلف ذمہ داریاں سپرد کی گئی تھیں، لیکن یہ ممکن نہیں تھا کہ ولید کی یہ کمرہ بندی ان کے علم میں نہ ہوتی۔ اس کے باوجود ان سمیت گھر کی خواتین اور لڑکیوں کی اس کے معاملے میں یہ ساکت و جامد قسم کی خاموشی اعصاب شکن تھی۔

اس کا کمرہ بالائی منزل پر تھا، کھڑکی کے آگے لوہے کی مضبوط ریٹنگ لگی تھی، لیکن لوہے کی یہ سلاخیں اسے کمرے میں بند رہنے پر مجبور کیے ہوئے نہ تھیں۔ وہ چاہتا تو دروازے کے ساتھ زور آزمائی کر تا یا نذیر جو فی الحال اسے دیکھ کر گونگا بہرا بن جاتا تھا، اس کے آنے جانے کے اوقات میں ہی باہر نکلنے کی کوشش کرتا۔ اگر وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں قید ہونا برداشت کر رہا تھا تو وجہ محض عثمان صاحب تھے۔ جنہوں نے ہسپتال جانے سے پہلے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا کہ وہ اس سے صبر اور ہوشمندی کی توقع کرتے ہیں۔ غصے اور جلد بازی میں اٹھائے ہوئے ایک قدم کا بھگتان بعض اوقات پورے پورے خاندان کو بھگتنا پڑتا ہے، لہذا اسے چاہیے کہ حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اپنے گھرانے اور اپنے پیاروں کی خاطر، اپنے آپ کو غصے اور انتقام کی خواہش کے حوالے نہ کرے، بلکہ جو بھی قدم اٹھائے سوچ سمجھ کر اٹھائے۔

ان دودنوں میں اس نے گھر کے افراد میں سے کسی کی شکل نہ دیکھی تھی۔ کھانے کی ٹرے نذیر خاموشی سے دروازہ کھول کر دروازے کے بالکل ساتھ رکھ جاتا۔ وہ کھالے تو کھالے ورنہ اگلے کھانے کے وقت نئی ٹرے آجاتی اور پچھلی ٹرے جوں کی توں اٹھالی جاتی۔ نذیر اس سے کوئی

بات کرنا تو درکنار، اس کی جانب آنکھ اٹھا کر دیکھتا بھی نہ تھا۔ اس نے خود شروع شروع میں اس سے ایک آدھ جملے پر مشتمل کوئی بات کی تھی، مگر جواب میں نذیر کا صم بک انداز دیکھ کر وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کی وفاداریاں کس کے ساتھ ہیں۔ آج پورے دو دن بعد گھر کے افراد میں سے کوئی اس کے پاس آیا تو وہ نبیلہ تھی۔ نبانے اس کے کمرے کی چابی اس کے پاس کہاں سے آئی لیکن اس کا انداز بتا رہا تھا کہ اس کی یہ آمد گھر کے حکام سے پوشیدہ ہے۔ نبیلہ کو دیکھ کر جو شکوہ اس کی زبان پر آنا چاہ رہا تھا، وہ اس کی اس وضاحت سے دم توڑ گیا کہ گھر کے افراد میں سے کوئی بھی عمیر کے ساتھ محاذ آرائی نہیں چاہتا، پہلے ہی حالات اس قدر بے یقینی کا شکار ہیں کہ کوئی بھی مزید مشکلات پیدا نہیں کرنا چاہتا۔ یہ اسی کی ہمت تھی کہ وہ تمام تر خدشات اور اندیشوں کے باوجود عمیر اور اس کے انٹیلی جنس نیٹ ورک کی نظروں سے چھپ کر اس سے ملنے چلی آئی۔ اس کے سینے میں یکا یک چھوٹی بہن کے لیے محبت، شفقت اور تشکر کے جذبات ابھرے۔ ان کی غلطیوں نے انہیں کس نہج پر پہنچا دیا تھا، اس نے غصے اور افسوس کے ملے جلے جذبات میں گھر کر سوچا۔ مگر اس کی یہ کیفیت ذرا دیر ہی باقی رہی، نبیلہ کو بیٹھے ابھی ذرا ہی دیر ہوئی تھی کہ اس کی باتیں سن کر محبت و شفقت بھرے تمام جذبات ہوا ہو گئے اور اب وہ اسے کینہ توڑ نظروں سے گھور رہا تھا۔

”..... ولید بھائی! آپ چاہیں تو آج جس مشکل اور پریشانی میں گھرے ہوئے ہیں، اسی کو اپنے لیے ایک سنہری موقع میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ ہم میڈیا کا سہارا لیں گے، انٹرنیشنل تنظیموں کی حمایت حاصل کریں گے..... اس سارے معاملے کو دنیا کے سامنے لائیں گے..... پھر دیکھیے گا چاچو کی کیسے ہوا نکلتی ہے!!“، اسے ہمہ تن گوش پا کر وہ بڑے جوش و خروش سے اس کے سامنے آئندہ کا لائحہ عمل پیش کر رہی تھی۔ اگلا سربراہ خانہ ولید ہو سکتا تھا..... بشرطیکہ وہ ہمت کا مظاہرہ کرے اور حالات کو اپنے موافق کرنے میں نبیلہ کا ساتھ دے۔

”ایک بار زوار اور چاچو کی یہ ساری غیر جمہوری حرکتیں ہم منظر عام پر لے آئیں..... اس کے بعد ہم انہیں اپنی انگلیوں پر نچا سکتے ہیں..... ان کی پھیلائی ہوئی یہ ساری مصیبت حل کی جاسکتی ہے۔“

”اچھا! اور تمہاری بات مان کر پہلا فائدہ جو حاصل ہو گا وہ یہ ہے کہ ہم اپنے گھر کے متاثرے معاشرے میں مزید اشتہار لگوا سکتے ہیں۔ اور بتاؤ..... اس کے علاوہ کیا فائدہ ہو گا؟..... کیا عبد اللہ واپس آجائے گا؟..... کیا آئندہ کے لیے سب کو سبق حاصل ہو جائے گا کہ فیصلوں کی بنیاد اپنے چھوٹے چھوٹے مفادات نہیں بلکہ دین اور ایمان، خاندانی روایات پر مبنی ٹھوس اصولوں کو بنایا جاتا ہے؟..... کیا ہم آئندہ کے لیے اس قسم کے حادثات اور مصیبتوں سے محفوظ ہو جائیں گے..... اور کیا ہاشمی ہاؤس کو کوئی معقول، اور اس منصب کے قابل، سربراہ خانہ نصیب ہو جائے گا؟..... یا یہ محض کوئی پرانا بدلہ اتارنے یا اپنے لیے کرسی کی راہ ہموار کرنے کی ایک گھٹیا کوشش ہے؟“، وہ سخت لہجے میں بولا۔

”کیوں نہیں بھائی!، وہ ہکلائی، ”..... یہ سب عبد اللہ کو واپس لانے کے لیے ہی تو ہے..... ہم کہہ سکیں گے کہ ہمارے سربراہ خانہ نے جمہور کی منشاء کے برخلاف عبد اللہ کے حوالے سے ارشد سے ڈیل کی..... ہم اپنا مقدمہ عدالت میں لے جائیں گے.....“

”بس کرو نبیلہ!..... عبد اللہ کو اسی طرح سیڑھی بنانے کی کوشش مت کرو جیسے تم نے ماضی میں آپا کو بنایا.....! کچھ تو رشتوں کا تقدس برقرار رہنے دو!!“، وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے غصے سے بولا۔ نبیلہ کا رنگ پھیکا پڑا، چند لمحوں خاموشی سے اس کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد وہ کندھے اچکا کر بولی، ”ٹھیک ہے بھائی!..... میں تو آپ ہی کے لیے کہہ رہی تھی..... آپ کو نہیں پسند یہ بات تو نہ سہی..... میں چلتی ہوں اب.....“۔

وہ کمرے سے باہر نکل گئی، لاک میں چابی گھومنے کی آواز آئی اور پھر نبیلہ کے دور جاتے قدموں کی..... کمرے کے اندر ولید نے اپنا کھولتا ہوا سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔

☆☆☆☆☆

”کیا ہوا؟“، جاوید صاحب کی پریشان صورت دیکھتے ہی عثمان صاحب نے پوچھا۔

”اچھی خبر نہیں ہے.....“، جاوید صاحب نے دونوں بھائیوں کے چہروں کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

”تم بتاؤ..... اب تو بری خبروں کی بھی عادت ہو ہی گئی ہے،“ ابو بکر صاحب حوصلے سے بولے۔

(باقی صفحہ نمبر 61 پر)

آپ کے سوالات

’نوائے غزوہ ہند‘ سے سوالات پوچھیے۔ اس سلسلے میں قارئین ’نوائے غزوہ ہند‘ سے سوالات پوچھ سکیں گے جن کے جوابات، ماہانہ شمارے میں شائع کیے جائیں گے۔

اپنے سوالات درج ذیل برقی پتے (email) پر ہمیں بھیجیے:

aapkaysawalat@ngmag.com



تہتر کے اسلامی آئین کی باختیار شریعت کورٹ..... ظفر رام نے لکھا

کیسا اسلامی آئین ہے کہ پارلیمنٹ اللہ کی حدود پامال کرتے ہوئے چند منٹوں میں مرد کے عورت بننے اور عورت کے مرد بننے کا قانون بنادے اور مسلمان ہم جنس پرستی کا قانون کا عدم قرار دلوانے کیلئے سالوں عدالتوں کے دھکے کھاتے پھریں.....

انجیلنا جولی اور شافعی سامراجیت..... طاہر مجتبیٰ نے لکھا

انجیلنا جولی انسانی تاریخ کی سب سے بڑی دہشت گرد تنظیم نیٹو کیلئے برانڈنگ کا کام کرتی ہے۔ اسکی فلموں میں بھی سامراجی پروپیگنڈہ پایا جاتا ہے۔ وہ اقوام متحدہ کے مہاجرین کمیشن کا حصہ ہے اور دنیا میں سب سے زیادہ انسانوں کو جبری در بدر کرنے والی امریکہ خارجہ پالیسی کیخلاف اس نے آج تک ایک بیان نہیں دیا۔

گارڈین میں اس نے نیٹو کے جنرل سیکرٹری کیساتھ مل کر ایک کالم لکھا تھا جس میں نیٹو کو افغانستان پر بمباری کے دوران خواتین کے حقوق کا خیال رکھنے پر سہرا ہا۔ اس کے الفاظ میں نیٹو نے ستر سال تک جمہوریت، انفرادی آزادی، قانون کی بالادستی اور اقوام متحدہ کے چارٹر کا خوب تحفظ کیا ہے۔

موصول میں اتحادی افواج کی بمباری کے بعد اس نے بلے پر کھڑے ہو کر ایک ویڈیو جاری کی۔ اس میں کہا کہ لاشوں کی بو آرہی ہے مگر لوگ خوش ہیں کہ وہ اب آزاد ہیں۔ سامراجی جارحیت مہاجرین کا بحران پیدا کرتی ہے، اس کے بعد مہاجرین کمیشن اور سیلبرٹیز امدادی سرگرمیوں کے نام پر متاثرین کیساتھ فوٹو شوٹ کراتے ہیں اور وہی امیج پیش کرتے ہیں جو امریکی پروپیگنڈہ کیلئے مفید اور موزوں ہوتا ہے۔

کبؤڈیا میں خمر روگ کے دوران مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث ملٹری افسران کے ساتھ بھی انجیلنا جولی منسلک رہی ہے۔ جب نیشنل ہیلتھ سروس برطانوی عوام سے طبی سہولیات چھین رہی تھی تو کبؤڈیا میں انجیلنا کی این جی اوپر ہیلتھ سروس کا ایک ملین ڈالر خرچ اٹھ رہا تھا۔ انجیلنا "انسانی مداخلت" کے نام پر سامراجی بلغار کے لیے بھرپور پروپیگنڈہ کرتی رہی ہے۔

افریقی ممالک ان سیلبرٹیز کی تشہیر کیلئے مرغوب سیاسی مقامات ہیں۔ کمزور افریقی ممالک میں آقاؤں کی طرح جاتے ہیں اور ملکی قوانین کو روندتے ہوئے پروٹوکول حاصل کرتے ہیں۔ نیسیبیا میں جب انجیلنا بچے کی پیدائش کے لیے گئی تو صحافیوں کے ویزے تک اس کی اجازت

سے مشروط کر دیے گئے، رہائش کو نو فلائی زون قرار دیا گیا، پرائیویٹ سکیورٹی نے سارا علاقہ اپنے کنٹرول میں لیا اور بہت سے صحافیوں پر تشدد بھی ہوا۔

انجیلنا کے والد اسرائیلی ریاست کے کٹر حامی ہیں اور نخبہ کا سالانہ جشن بھی اسرائیل جا کر مناتے رہے ہیں۔ نیٹو کے علاوہ دوسری ریاستوں کیخلاف انجیلنا کا رد عمل اور بیانات جارحیت کو دعوت دیتے ہیں بلکہ جارحیت کی مخالفت کرنے والی ریاستوں کیخلاف بھی برس پڑتی ہے مگر اسرائیل اور نیٹو سے متاثرہ ممالک پر خاموشی یا خالص خیراتی پن کارویہ رہتا ہے۔

پاکستانی سیلاب میں ماحولیاتی آلودگی کا سب سے زیادہ کردار تھا۔ نیٹو 120 ملکوں جتنی ماحولیاتی آلودگی پھیلاتی ہے۔ کارپوریٹ کلچر اور سامراجی ممالک ماحولیاتی آلودگی کے سب سے زیادہ ذمہ دار ہیں۔ تیسری دنیا کے ملکوں کو قرضوں اور مالیاتی سامراج نے جکڑ رکھا ہے جس کی وجہ سے آفات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت مکمل ختم ہو جاتی ہے۔

آلودگی کی ذمہ دار کارپوریٹسز اور ریاستوں پر بجا طور پر ہر جانہ یا معاوضہ لاگو کرنا بنتا ہے۔ ایسے میں ان اداروں سے منسلک ایک گوری بے بس سیلاب متاثرین کیساتھ تصاویر بنوا لیتی ہے تو ہر طرف اسکی دریادلی، خیرات اور انسانیت کا چرچہ ہونے لگتا ہے۔ لبرلز کا فکری افلاس تو زیر بحث لائے جانے کے قابل ہی نہیں مگر مجموعی طور پر ہی معقولیت اور تنقیدی فکر کا انتہائی فقدان پایا جاتا ہے۔

مذہبی ٹرانز جینڈرز..... ڈاکٹر رضوان اسد خان نے لکھا

خیال آیا کہ قادیانی بھی تو مذہبی ٹرانز جینڈرز ہی ہیں۔ انہیں بھی محسوس ہوتا ہے کہ یہ مسلمان ہیں اور یہی اپنے شناختی کارڈ پر لکھوانا بھی چاہتے ہیں اور پوری دنیا سے مطالبہ بھی کرتے ہیں کہ ان کی حقیقت کے برخلاف انہیں مسلمان ہی سمجھا اور پکارا جائے۔

ذاتی مرضی کی صنفی شناخت..... مہتاب عزیز نے لکھا

اسلام آباد پولیس میں بھرتی کے اشتہار میں اپنی "ذاتی مرضی کی صنفی شناخت" کی بنیاد پر ٹرانز جینڈرز کی بھرتی کی شق شامل کی گئی ہے۔

یعنی کوئی مرد "ٹرانس ویمن" کا شناختی کارڈ بنوا کر خواتین کے کوٹے میں بھرتی ہو سکتا ہے۔ خواتین کی ہیرک میں رہائش اختیار کرے گا۔ خواتین کی جامہ جسمانی تلاشی لے گا.....

یہ ہیں اس ایکٹ کے ابتدائی نتائج۔

نشر ہسپتال کی رحم دلی..... علی حلال نے لکھا

نشر ہسپتال ملتان کو ایوارڈ برائے حقوقِ برڈز (birds) دے دینا چاہیے۔ یہ شاید دنیا کا واحد ہسپتال ہے جو انسانی لاشوں کو خاک میں ضائع کرنے کے بجائے پرندوں اور گدھوں کی بھوک مٹانے کے لیے استعمال کرتا ہے۔

کس قدر رحم دل ہوں گے یہ انتظامیہ والے۔

کوئی یورپ جاکر پرندوں کے حقوق کے علمبرداروں کو یہ خبر کر دے تو شاید وہ نوبل پر انزلیے دوڑے چلے آئیں۔

مماثلت اتفاقی ہوگی..... محمد حسین نے لکھا

اکثر نشئیوں کو دیکھا ہے کہ وہ چوری کرتے وقت نہیں پکڑے جاتے بلکہ چوری کا مال فروخت کرتے وقت پکڑے جاتے ہیں۔

ہیلوین، روشنی سے اندھیرے کی طرف سفر..... عائشہ غازی نے لکھا

اکتیس اکتوبر کو مغربی دنیا میں منایا جانے والا تہوار ”ہیلوین“ کیا ہے؟ یہ شیطان، چڑیلوں اور کئی خداؤں کی عبادت کرنے والے قدیم مذہب کا ایک تہوار ہے جن کا ماننا تھا کہ ہیلوین کی رات مرے ہوئے لوگ بھوت اور چڑیلیں بن کر ان کے درمیان اترتے ہیں۔ اس لیے وہ خود کو ان سے بچانے کے لیے ان جیسا روپ دھار کر، جانوروں کی کھالیں اور ان کے سر پہن کر آگ کے گرد ناچتے تھے، اس آگ پر قربانیاں پیش کرتے تھے اور پھر وہی آگ گھروں میں لے جا کر جلاتے تھے، یہ ماننے ہوئے کہ یہ آگ ان کی حفاظت کرے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ لوگ ان مرے ہوئے لوگوں کی بدروحوں کے لیے کھانے کا سامان بھی گھر سے باہر رکھتے تھے تاکہ بدروحیں انہیں تنگ نہ کریں، جب عیسائیت آئی اور ان قبائل تک پھیلی تو عیسائیت نے اپنے مردوں کو یاد کرنے کے دن کو اس دن کے ساتھ ملا لیا تاکہ ان غیر عیسائی قبیلوں کو اپنے اندر سمونے میں آسانی ہو۔ غریب عیسائی امیروں کے در کھٹکھٹاتے کہ وہ انہیں کچھ کھانے کو دیں گے اور غرباء اس کے بدلے ان کے مردوں کے لیے دعا کریں گے، لیکن تب سے آج تک بنیاد پرست عیسائی اس تہوار کو ناپسند کرتے ہیں اور یہودیوں کے ہاں بھی یہ دن نہیں منایا جاتا البتہ یہودی ساری مغربی دنیا میں اس دن کی مناسبت سے ڈراونے لباس فروخت کر کے پیسہ کمانے میں پیچھے نہیں رہتے۔

1966 میں شیطانیات نے خود کو دوبارہ ایک مذہب کے طور پر عوام الناس کے سامنے رکھا اور چرچ آف سیٹن (شیطان کا گرجا) نام کی تنظیم منظر عام پر آئی۔ مذہب شیطانیات میں تین اہم تہوار ہیں اور دو کم اہم۔ ان تین اہم تہواروں میں پہلا ہر شیطان (اس تنظیم کے رکن) کی سالگرہ ہے جسے یہ اس لیے مناتے ہیں کہ اپنی ذات کو یہ اپنا خدا مانتے ہیں اور خوشی مناتے ہیں

کہ اس دن شیطان (ان کا اپنا آپ) دنیا میں آیا۔ دوسرا اہم ترین تہوار ان کے لیے یہی ہیلوین ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ اس دن یہ تہوار منانے والا ہر انسان ان شیطانوں جیسا ہو جاتا ہے اور اپنے وجود میں سے ان شیطانی جبلتوں کو کھٹکھٹاتا ہے جسے یہ عام دنوں میں محسوس نہیں کرنا چاہتا۔ مذہب شیطانیات کا کہنا ہے کہ سارا سال جو لوگ ان پر ہنستے ہیں، ہیلوین کے دن شیطان ان پر ہنستے ہیں کہ آج تم بھی ہم جیسے ہو۔ یہ تمام باتیں افسانے نہیں حقائق ہیں۔ مذہب شیطانیات کی آفیشل ویب سائٹ پر یہ تمام حقائق موجود ہیں۔

یہ یاد رہے کہ اسلام اور شیطانیات ایک دل میں اکٹھے نہیں رہ سکتے کہ یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ جہاں اللہ کی روشنی نہ رہے، اس دل کا نصیب لامتناہی اندھیرا ہے۔ ہم کیسے اپنی اور اپنے بچوں کی روشنی کی حفاظت نہ کریں کہ ہم اپنی قبروں کے منور ہونے کی دعا کرتے ہیں اور ہم وہ لوگ نہیں جن کے مردے بدروح کی شکل میں خوف پھیلانے اترتے ہیں۔ ہمارے لیے سال میں خوف اور بدروحوں کی رات نہیں ہو کرتی بلکہ ایسی رات اترتی ہے جو طلوع صبح تک سلامتی ہے۔

دجال کا سوشل انجینئرنگ پروگرام..... فیض اللہ خان سواتی نے لکھا

پچیس برس قبل 2 نومبر کو جامعہ علوم اسلامیہ کے سربراہ مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار کی ٹارگٹ کلنگ ہوئی انہی تاریخوں میں نیرہ نور کی سالگرہ اور ریشماں کا انتقال ہوا، آج سویرے تمام چینلز نے نیرہ نور اور ریشماں کو خراج عقیدت پیش کیا پروگرام نشر کیے، علمی شخصیت پہ کچھ نہیں ہے۔

یہ وطن تمہارا ہے..... ڈاکٹر سید محمد اقبال نے لکھا

کراچی کے سیف اللہ پراچہ

جو گونتنا موبے میں 17 سال اذیت میں گزارنے کے بعد گھر واپس آگئے.....

انہیں اور ان کی طرح اور ہزاروں پاکستانیوں کو کس نے امریکہ کے حوالے کیا.....؟

انکے سروں پر کس نے ڈالر وصول کیے.....؟

کیا ہمارے محافظ ہمارے سروں کے مالک ہیں.....؟

کیا یہاں ان بددوق والوں سے کوئی پوچھنے والا ہے.....؟

بجائے اسکے کہ کوئی اس طرح کے سوالوں کا جواب دے

اس قسم کے سوال کرنے والوں کو بھی اٹھایا جاتا ہے۔

(باقی صفحہ نمبر 61 پر)



بے وفائے انسان

(دوسیم حجازی)

صنم پرستی، ہوس پرستی، انا پرستی سے پُر زمیں ہے
بلا تعصب اگر جو دیکھو خدا پرستی کہیں کہیں ہے

کہیں پہ شجر و حجر کی پوجا کہیں مزار و قبر کی پوجا
چمکتے سورج قمر کی پوجا گریزِ زیراں، زبر کی پوجا
فسادِ مد و جزر کی پوجا ہر ایک پھیلی خبر کی پوجا
خلافِ مذہب ڈگر کی پوجا بعض ایمانِ زر کی پوجا
کمالِ فنِ مکر کی پوجا رضاءِ شیطان میں شر کی پوجا

بگاڑ عقیدے کا ایک اک گھر خدا سے غیروں کی شان برتر
کسی کا حاجت روا ہے پتھر کسی کا معبود اُسی کا ہمسر
کسی کا معبود بوس، افسر کسی کو ڈھائے اداء سر سر
ہوئے ہیں گمراہ راہی رہبر جبیں جھکانے کو اُن گنت در
حقیر انسان بنا ہے خود سر رہا نہ پاسِ خدا پیمر

دل و جگر میں یہی کرہن ہے خدا ہے لیڈر، یہ کیا چلن ہے
خداؤں کی تو اک انجمن ہے بڑا خدا ان میں بس وطن ہے
پجاری اس کا قلم سخن ہے زوالِ علم اور ضیاعِ فن ہے
جہانِ طاغوت خندہ زن ہے جبیں تری پر نہ کچھ شکن ہے
نبی کی امت کہاں مگن ہے حمیت دیں کہاں دفن ہے

کہاں ہے آساں خدا پرستی ہے پا بہ جولاں خدا پرستی
فراقِ یاراں خدا پرستی ہدفِ نمایاں خدا پرستی
وہ نذرِ زنداں خدا پرستی محالِ گزراں خدا پرستی
مگر ہے تاباں خدا پرستی نشانِ ایماں خدا پرستی
فلاحِ انساں خدا پرستی وصالِ یزداں خدا پرستی

اسلام کی خاطر ہتھیار اٹھائیں!

”اگر ہم اس میں سنجیدہ ہیں کہ ہم نے کابل سے جو سفر شروع کیا اسے بیت المقدس تک جاری رکھیں گے، تو پھر اس کا یہی رستہ ہے کہ ایک خالص اسلامی دعوت کھڑی ہو جو اپنے نوجوانوں کی سچی اسلامی تربیت کرے اور وہ نوجوان ہتھیار اٹھائیں اور ہتھیار اٹھا کر اپنے عقیدے کے دفاع کا معرکہ لڑیں۔ اسی رستے کو اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ ان نوجوانوں کو فتح نصیب فرمائیں گے۔ اور اگر ہم نے اس کے سوا کوئی اور رستہ ڈھونڈا تو گویا ہم ہوا میں ہی بیج بکھیرتے رہیں گے جو کبھی بھی زمین میں جڑیں نہیں پکڑ پائیں گے، ہم یونہی ایک ناکامی کے بعد دوسری ناکامی کی طرف بڑھتے جائیں گے اور ہمارے پاس خوش نما نعروں، باتوں اور عبارتوں کے سوا کچھ نہیں بچے گا اور ہم کبھی بھی کسی بامقصد منزل تک نہیں پہنچ پائیں گے۔“*

شیخ عبد اللہ عزام شہید رحمۃ اللہ علیہ

